



# نصّ امامت

(شیعہ اثنا عشریہ و اسماعیلیہ کے عقیدہ امامت کا تقابلی جائزہ)

مصنف

ڈاکٹر سجاد علی استوری

ناشر

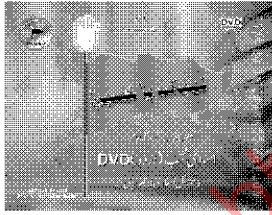
اسلامک پبلی کیشن پاکستان

6، جیوانی گارڈن، JM-208/2، عامل کالونی سولجر بازار کراچی

فون: 0312-2764382 / 021-32231200

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں  
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔



منجانب۔

سبیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

Presented by: Rana Jabir Abbas



۷۸۶  
۹۲۱۱۰  
یا صاحب الزماں اور کئی

DVD  
Version

# لبیک یا حسینؑ

نذر عباس  
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

## اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

SABIL-E-SAKINA

Unit#8,

Latifabad Hyderabad  
Sindh, Pakistan.

[www.sabelesakina.page.tl](http://www.sabelesakina.page.tl)

[sabelesakina@gmail.com](mailto:sabelesakina@gmail.com)

Contact : [jabir.abbas@yahoo.com](mailto:jabir.abbas@yahoo.com)

<http://fb.com/ranajabirabbas>

[www.ziaraat.com](http://www.ziaraat.com)

NOT FOR COMMERCIAL

﴿جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں﴾

نام کتاب: نصّ امامت

(شیعہ اثنا عشریہ و اسماعیلیہ کے عقیدہ امامت کا تقابلی جائزہ)

مصنف: ڈاکٹر سجاد علی استوری

سرورق: رضوان الیاس جعفری

ناشر: اسلامک پبلی کیشن پاکستان

6، جیوانی گارڈن، JM-208/2، عامل کالونی سو لجر بازار کراچی

فون: 0312-2764382 / 021-32231200

طبع: اول

تعداد: ۱۰۰۰

زیر اہتمام: المصطفیٰ ویلفیئر آرگنائزیشن (رجسٹرڈ) پاکستان

تاریخ اشاعت: اگست ۲۰۱۲ء / رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

قیمت: Rs.350/=



## فہرست

- ﴿1﴾ پیش گفتار: ڈاکٹر سجاد علی استوری 5
- ﴿2﴾ تقدیم: ڈاکٹر شبیر حسن میثمی 15
- ﴿3﴾ تبصرہ: ڈاکٹر عزیز اللہ نجیب 19
- ﴿4﴾ تقریظ: ڈاکٹر زاہد علی زاہدی 25
- ﴿5﴾ باب اول: شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ 31
- ﴿6﴾ باب دوم: عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ 105
- ﴿7﴾ باب سوم: ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ تاریخ کے تناظر میں 163
- ﴿8﴾ باب چہارم: دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ (کشف، فطرت، ستر) کا تقابلی جائزہ 245
- ﴿9﴾ باب پنجم: امام کے وظائف و اختیارات 281
- ﴿10﴾ تلخیص المطالب 329
- ﴿11﴾ کتابیات 335

[jabir.abbas@yahoo.com](mailto:jabir.abbas@yahoo.com)

**پیش گفتار**

از

ڈاکٹر سجاد علی استوری

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور والدین کی دعاؤں کی بدولت سال ۲۰۰۹

میں علم الکلام سے مربوط ایک موضوع پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ جس موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھا تھا اس کو شائع کرنا نہ صرف میری تمنا تھی بلکہ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اس کو شائع کرنا ضروری تھا۔ چونکہ پی ایچ ڈی کا مقالہ عام فہم نہیں ہوتا ہے، اُسے کتابی شکل دینے اور عام فہم بنانے کے لئے اس میں رد و بدل کرنا ضروری تھی۔ اس کام کو تقریباً ایک سال کے اندر مکمل کیا۔ البتہ اپنی سماجی مصروفیات کی وجہ سے کتاب کو شائع کرانے سے قاصر رہا۔ نیز میری خواہش تھی کہ کسی ایسے پبلشر سے کتاب کو چھپوایا جائے جس کا تاثر اچھا ہوتا کہ معاشرے کے ہر طبقہ فکر تک یہ کتاب پہنچ سکے۔ اس حوالے سے ایک غیر سیاسی اور ہر طرح کے تعصبات سے پاک فلاحی ادارہ ”المصطفیٰ ویلفیئر آرگنائزیشن (رجسٹرڈ) پاکستان کا تعاون حاصل ہوا اور کتاب ہذا کو اسلامک پبلیکیشنز پاکستان نے شائع کرنے کا اہتمام کیا۔ ان تمام امور میں ڈاکٹر شبیر حسن میٹھی کی رہنمائی شامل حال رہی جنہوں نے اس کتاب کی تصنیف و تحقیق کے تمام مراحل میں علمی و مالی رہنمائی کرتے



پیش گفتار: ڈاکٹر سجاد علی استوری

﴿نص امامت﴾

ہوئے علم دوست ہونے کا ثبوت دیا۔ میں ان کا دل کی گہرائی سے شکر گزار ہوں۔

کتاب ہذا شیعہ اثنا عشریہ و اسماعیلیہ کے عقیدے امامت کے تقابلی جائزہ پر مشتمل ہے۔ اس سے پہلے اس موضوع پر کوئی کتاب تصنیف و تالیف نہیں کی گئی۔ دونوں فرقے اپنے اپنے نظریات کے مطابق عقیدہ امامت پر مشتمل ہزاروں کتب تحریر کر چکے ہیں یہ کتب مناظراتی یا تبلیغی روش کے ساتھ تحریر کی گئی ہیں۔ اس موضوع پر تحقیقی بنیادوں پر لکھی جانے والی کتب کی تعداد بہت قلیل ہے۔ البتہ پاکستان میں ڈاکٹر حسین محمد جعفری نے تاریخ تشیع پر انتہائی اہم تحقیق پیش کی ہے لیکن اس تحقیق کا دائرہ صرف حضرت محمد ﷺ سے حضرت جعفر صادق تک محیط ہے۔ البتہ اس تحقیق میں بھی شیعیت میں فرقہ بندی کے اسباب پر خاطر خواہ تحقیق موجود نہیں، یہی وجہ ہے کہ کتاب ہذا میں واقعہ کربلا کے بعد شیعیت میں ہونے والی فرقہ بندی کے اسباب پر تفصیلی بحث پیش کی گئی ہے، نیز امامت کے اختیارات اور وظائف کے حوالے سے بھی دونوں فرقوں کے نقطہ نظر پر پہلی دفعہ تحقیق کی گئی ہے۔ آیت اللہ جعفر سبحانی نے تاریخ اسلام پر ایک انتہائی اہم آٹھ جلدوں پر مشتمل کتاب ”بحوث فی الملل والنحل“ تصنیف کی ہے جس کی جلد نمبر سات میں صرف شیعہ اسماعیلیہ کے بارے میں تحقیق کی گئی ہے۔ یہ کتاب بھی اسماعیلیت کے حوالے سے بنیادی مواد فراہم کرتی ہے لیکن اسماعیلیت کے نظریات کو اثنا عشریت کے نظریات سے مماثلت یا مخالفت پر مواد دینے سے قاصر ہے۔ اسی طرح اسماعیلی تاریخ پر فرہاد دفتری کی کتاب ”The Ismailis“ دور حاضر کا ایک شاہکار ہے لیکن اس میں بھی بہت ساری باتیں تحقیق طلب ہیں۔ نیز ان



﴿نص امامت﴾

پیش گفتار: ڈاکٹر سجاد علی استوری

دونوں مکاتب فکر کے نظریات کے تقابل کے حوالے سے اس میں کوئی مواد موجود نہیں ہے۔

کتاب ہذا کے اکثر مواد و مآخذ بنیادی اور مستند ہے، غیر مستند اور غیر مسلم مواد کے حوالوں سے اجتناب کیا گیا ہے۔ راقم کی پوری کوشش رہی ہے کہ ذاتی پسند و ناپسند کو تحقیق کا حصہ نہ بنایا جائے بلکہ تحقیقی روش کے تقاضوں کو پورا کیا جائے اسی سمت میں اس کتاب کو تصنیف کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوران تحقیق شیعہ اثنا عشریہ کی طرح شیعہ اسماعیلیہ کے دینی و مذہبی اداروں سے رابطے رکھے گئے۔

بالخصوص طریقہ بورڈ کراچی اور (The Institute of Ismailia

Studies London) کی تحقیقات اور تصنیفات سے بھرپور فائدہ اٹھایا گیا

نیز طریقہ بورڈ سے منسلک شیعہ اسماعیلیہ کے اسکالر ڈاکٹر عزیز اللہ نجیب نے میری

ہمدردانہ رہنمائی فرمائی۔ دوران تحقیق ایران کے ان علاقوں کی Field

Research بھی کی گئی جن میں قم صوبے کا مضافاتی علاقہ انجدان اور محلات

وغیرہ شامل ہیں۔ انجدان تاریخ میں شیعیت کا ایک مرکز رہا ہے جس کے بارے

میں تاریخ کی کتب میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں البتہ اسماعیلی تاریخ کے مشہور

مورخ و محقق ڈاکٹر ایوانف نے ایک اہم تحقیق پیش کی ہے اس تحقیق کو سامنے رکھتے

ہوئے قدیم مآخذ اور انجدان کے مشاہداتی مطالعہ کے بعد انجدان کے بارے میں

بعض اہم اور نئی باتیں بھی ہماری تحقیق کا حصہ بنتی ہیں۔ یقیناً مذہب اسماعیلیہ سے

متعلق بنیادی مواد کو حاصل کرنا نہایت مشکل کام تھا۔ بد قسمتی سے پاکستان کے اکثر

کتب خانے اس طرح کے مواد سے خالی ہیں البتہ تھوڑا بہت مواد موجود ہے وہ بھی



﴿نص امامت﴾

پیش گفتار: ڈاکٹر سجاد علی استوری

نہایت پست اور ثانوی حیثیت کا حامل ہے۔ البتہ ایران میں آیت اللہ مرعشی لاہوری قم اور مرکز تحقیقات ادیان و مذہب قم کی لائبریریوں میں اسماعیلیت سے متعلق نایاب مواد ملا جس سے میری تحقیق آگے بڑھی۔

اسلام سے متعلق شیعہ اسماعیلیہ کے نظریات کے بارے میں اصل اور صحیح مواد سے محققین و مصنفین زیادہ آشنا نہیں ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے اسماعیلیت سے متعلق غیر مستند نظریات کو اپنی تصنیفات کا حصہ بنا دیتے ہیں جن کی وجہ سے اس مسلک کے بارے میں بہت زیادہ غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے پہلی دفعہ اس کتاب میں اسلام بالخصوص امامت کے بارے میں اسماعیلی نظریات کے حوالے سے بنیادی اور صحیح مواد پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چونکہ کتاب کا مقصد فرقہ واریت کو ہوا دینا نہیں بلکہ شیعیت کے ان دونوں فرقوں کی آپس میں موجود غلط فہمیوں کو دور کرنا ہے اس لئے پوری کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بھی غلط بات یا نظریہ ان دونوں فرقوں سے منسوب نہ کیا جائے جو غیر مستند ہو اور ان دونوں فرقوں کے درمیان دوریاں پیدا کرنے کا سبب بنے۔ صرف مستند نظریات کو مستند مآخذ سے پیش کیا گیا ہے۔ لیکن پھر بھی ان دونوں فرقوں کو اس تحقیق سے اختلاف رکھنے کا پورا حق حاصل ہے۔

موضوع کو سامنے رکھتے ہوئے شیعیت کے ان دونوں مسالک پر تحقیق کو زیادہ مرکوز رکھا گیا ہے۔ نیز اسماعیلیت کے ان فرقوں پر بھی زیادہ تحقیقی بحث نہیں کی گئی ہے جن کا وجود اب باقی نہیں ہے یا وہ بہت قلیل تعداد میں موجود ہیں جن میں افطحیہ، مومنیہ، قرامطہ اور دروزیہ وغیرہ شامل ہیں۔ اسی طرح شیعہ زیدیہ کی



﴿نص امامت﴾

پیش گفتار: ڈاکٹر سجاد علی استوری

تاریخ پر زیادہ عمیق تحقیق نہیں کی گئی ہے البتہ ان کی مسلکی حیثیت پر بنیادی مآخذ سے تحقیق کتاب کا حصہ ہے۔ اسی طرح اسماعیلیہ کے مذہبی رسم و رواج اور دینی احکام کی بجا آوری پر تحقیق نہیں کی گئی ہے بلکہ اسماعیلیت کے نظریہ تاویل کے تناظر میں اجمالاً ان اسماٹ کو رکھا گیا ہے۔ البتہ ہائر ایجوکیشن کمیشن کے تحت (Religious Pluralism) کے ایک ریسرچ پروجیکٹ پر ڈاکٹر عبدالجبار قریشی کی رہنمائی میں کام جاری ہے، اس تحقیق میں اسماعیلیہ کے دینی رسم و رواج پر تحقیق کی جائے گی۔



کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب کے عنوان کے ساتھ ذیلی عنوانات بھی ہیں جن کو عنوان کے ساتھ نمبرز سے ظاہر کیا گیا ہے۔ قاری کو ان نمبروں سے عنوان اور ذیلی عنوانات کا باسانی پتہ چلتا ہے۔ باب اول میں کل گیارہ، باب دوم میں بھی کل گیارہ، باب سوم میں کل آٹھ، باب چہارم میں کل چار اور باب پنجم میں کل پانچ ذیلی عنوانات شامل ہیں۔ حوالے ہر باب کے آخر میں دیئے گئے ہیں، نیز آیات و احادیث کے صرف ترجمہ پر اکتفا کیا گیا ہے البتہ کتاب میں موجود تمام آیات اور احادیث کا عربی ٹیکسٹ ہر باب کے آخر میں حوالہ جاتی آیات و احادیث کے عنوان سے ترجمہ کے ساتھ رقم کیا گیا ہے۔ حوالہ جاتی آیات و احادیث کے آخر میں اصل حوالہ جات کے نمبر بھی دئے گئے تاکہ ان آیات و احادیث کے حوالوں کی شناخت باسان ہو سکے۔ نیز وضاحت طلب نکات جو موضوع سے مربوط نہیں تھے ان کا فٹ نوٹ بھی دیا گیا تاکہ قاری اور محقق کو مطالعہ میں آسانی پیدا ہو سکے۔

﴿نص امامت﴾

پیش گفتار: ڈاکٹر سجاد علی استوری

میری خوش قسمتی تھی کہ مجھے ڈاکٹر زاہدی علی زاہدی جیسے استاد دستیاب ہوئے جنہوں نے میری نہ صرف تعلیم و تربیت میں کردار ادا کیا بلکہ تحقیق و تحریر کی روش سے آگاہی فراہم کی۔ اس لئے بلا رسماً اقرار کرتا ہوں کہ اگر ڈاکٹر زاہدی علی زاہدی جیسے استاد مجھے میسر نہ ہوتے تو اتنا بڑا کام میں ہرگز نہیں کر سکتا تھا اس لئے ان کا شکریہ الفاظ میں ادا کرنا ممکن نہیں، اسی طرح برادر عباس حیدر زیدی (استاد جامعہ کراچی) اور منیرہ سجاد (لکچرار فاطمیہ ڈگری کالج، کراچی) کا بہت زیادہ تعاون حاصل رہا۔ جنہوں نے کتاب کی تصحیح اور پروف ریڈنگ میں مدد فراہم کی۔ ڈاکٹر عزیز اللہ نجیب نے جس ہمدردی اور محبت کے ساتھ رہنمائی فرمائی ہے، وہ میرے لئے اعزاز سے کم نہیں، اسماعیلیت سے متعلق میرے کام کا نہ صرف جائزہ لیا بلکہ وقتاً فوقتاً اسماعیلی نقطہ نگاہ کو بیان کیا، نیز کتاب پر نظر ثانی کرتے ہوئے اپنے تاثرات پر مشتمل کتاب کا مقدمہ بھی تحریر فرمایا۔ محترم جناب حسن سجاد (پروفیسر فاطمیہ ڈگری کالج کراچی) کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے بغیر کسی اجرت کے پوری کتاب کی انتہائی عمیق انداز میں پروف ریڈنگ فرمائی۔ برادر محمد تقی صابری نے عربی ٹیکسٹ کے حوالے سے رہنمائی کی ان کا بھی شکر گزار ہوں۔ اس کے علاوہ ان تمام افراد کا شکر گزار ہوں جنہوں نے دوران تحقیق میری حوصلہ افزائی کی اور اس کتاب کو منظر عام پر لانے میں کسی بھی عنوان سے زحمت اٹھائی ہے۔ کتاب کی پروف ریڈنگ بھی کی گئی اسکے باوجود غلطیوں کا رہنا ممکن ہے۔ امید ہے کہ محترم قارئین ان غلطیوں کی نشاندہی فرمائیں گے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اسے دور کیا جاسکے۔





﴿نص امامت﴾

پیش گفتار: ڈاکٹر سجاد علی استوری

آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور کتاب ہذا کو مسلمانوں بالخصوص شیعہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ کے درمیان وحدت کا ذریعہ قرار دے۔

سجاد علی استوری

یکم ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ



jabir.abbas@yahoo.com

[jabir.abbas@yahoo.com](mailto:jabir.abbas@yahoo.com)

**تقديم**

از

ڈاکٹر شبیر حسن میثمی

خالق کائنات نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر احسن الیقین ہونے کا ثبوت دیا۔ انسان کے علاوہ اپنی پوری مخلوقات کو ہدایت تکوینی عطا کی، جبکہ انسان کی ہدایت، تکوینی اور تشریحی دونوں طرح سے کرنے کا اہتمام کر کے اسے قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار بھی انسان کو عطا کیا۔ تخلیق انسانیت کے ابتدائی مرحلے سے ہی انسان کی ہدایت کے لئے نبوت و رسالت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ایک مرحلہ پر یہ سلسلہ اختتام کو پہنچا اور خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانیت کے لئے ارسال شدہ پیغام کے سلسلے کو کمال تک پہنچایا اور آیہ اکمال دین و اتمام نعمت کی رو سے نبوت و رسالت کا سلسلہ اختتام پذیر ہوا۔

خالق کائنات نے انبیاء کے سلسلہ کو خاص وجوہات کی بناء پر ختم فرمایا لیکن ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا اور اس سلسلے کا نام سلسلہ امامت یا خلافت رکھا گیا۔ یہاں سے مسلمانوں کے لئے سوالات پیدا ہونا شروع ہو گئے۔ کچھ نے ظاہری حکومت کے لئے افراد کو چن کر انہیں جائز نشین رسالت مآب قرار دیا۔ کچھ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے غدیر کے دن معین کی گئی شخصیت کو اپنا رہبر و رہنما تسلیم کیا۔ تاریخ کا یہ اختلاف کب ختم ہوگا، اس کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ لیکن ابھی یہ اختلاف اپنی جگہ پر باقی تھا کہ دونوں طرف مزید اختلافات پیدا ہو گئے۔

## تقدیم: شیخ شبیر حسن میثمی

### ﴿نص امامت﴾

ان اختلافات کی اصل وجہ قرآن و سنت پر پوری طرح سے توجہ نہ دینا ہے۔ خلافت ظاہری کے سلسلے کو آگے بڑھانے والے یہ دعویٰ کرتے ہوئے نظر آئے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت کسی غلط امر پر اجماع نہیں کر سکتی۔ اب کیونکہ امت نے خلافت ظاہریہ پر اجماع کر لیا ہے اس لئے یہ خود مستند عمل سمجھا جائے گا۔

دوسری طرف رسول اللہ کی متواترہ حدیث ”سیکون بعدی اثنی عشر خلیفہ“ اور بعض احادیث مبارکہ میں باقاعدہ طور پر 12 نام بھی بیان کئے گئے ہیں، اور یہ احادیث مسلمانوں کے تمام فرقوں کی کتب احادیث میں بلا اختلاف موجود ہیں۔ مذہب اثنا عشریہ ان احادیث متفقہ اور سیرت نبوی ﷺ کے مطابق بارہ ائمہ کو خلفاء رسول ﷺ کا عقیدہ رکھتا ہوا آیا ہے۔ جس کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصوص، بارہویں حجت پردہ غیبت میں ہیں۔ دوسری طرف فرقہ اسماعیلیہ بھی اگرچہ ابتدائی عقیدتی امور میں اثنا عشریہ کے ساتھ ساتھ حرکت کرتا ہوا نظر آتا ہے، لیکن مرور زمانے کے ساتھ اس کی روش میں تبدیلی آئی، یہاں تک کہ دور حاضر میں ان دونوں فرقوں کے درمیان عقائد اور احکام دین کی عملی صورتوں میں شدید اختلاف نظر آتا ہے۔



ڈاکٹر سجاد علی استوری نے کتاب ہذا میں شیعہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ کے نظریات کا جس انداز میں بغیر کسی مسلکی تعصب کے تحقیق پیش کی ہے وہ انتہائی قابل تحسین ہے۔ قاری کی حیثیت سے کتاب میں پیش کردہ تمام تحقیقات سے متفق نہیں بلکہ اس کو مزید تحقیق کا پیش خیمہ سمجھتا ہوں۔

یقیناً یہ کتاب شیعہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ کے عقیدہ امامت کو سمجھنے کے لئے اہل اردو کیلئے اہم ماخذ ہے۔

شبیر حسن میثمی

jabir.abbas@yahoo.com

تبصرہ

از

ڈاکٹر عزیز اللہ نجیب

زیر نظر کتاب ڈاکٹر سجاد علی صاحب کا وہ مقالہ ہے جسے آپ نے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کرنے کے لئے کراچی یونیورسٹی میں داخل کیا تھا۔ جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے، اس کتاب میں شیعہ اسلام کے دو اہم مکاتب یعنی شیعہ اثنا عشری اور اسماعیلی شیعہ کی تاریخ اور بعض مذہبی نظریات کا ایک مختصر تقابلی جائزہ لیا گیا ہے۔

ہر چند کہ ان دونوں جماعتوں کا ابتدائی دینی اور علمی ورثہ ایک ہی ہے مگر چودہ سو سالہ تاریخ کی گزر گاہ پر سفر کے دوران زیادہ تر فروعات کی تعبیر و تشریح کے معاملے میں ان کے درمیان بعض اختلافات بھی پیدا ہوئے ہیں اور ایسا ہونا ایک فطری امر تھا جس کا ذکر فاضل مصنف نے کتاب کے اندر مختلف مقامات پر کیا ہے اور اس بات کی بھی نشاندہی کرنے کی کوشش کی ہے کہ کہاں کہاں تاہنوز ان کے درمیان ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

راقم ہذا کی معلومات کے مطابق کم از کم پاکستان میں یہ پہلا موقع ہے کہ کسی محقق نے ان دونوں شیعہ جماعتوں کے بعض مذہبی نظریات پر تاریخ کی روشنی میں

تبصرہ: ڈاکٹر عزیز اللہ نجیب

﴿نص امامت﴾

تقابلی نظر ڈالی ہو۔ اہل علم اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ تاریخ اور عقائد پر قلم اٹھانا ایک مشکل بلکہ نازک مسئلہ ہے، خاص طور پر ایک کتاب میں جس کے لکھنے کا ابتدائی مقصد کسی جامعہ کے رسمی تقاضوں کو بھی پورا کرنا ہو۔ اس میں نویسنده کی ذہنی بلوغت، مستقل مزاجی اور مختلف قسم کے میلانات اور تعصبات سے دامن کشی کا امتحان ہوتا ہے۔ ملل و نحل پر لکھنے والے اکثر مصنفین ان میلانات سے اپنا دامن نہیں بچا سکتے، جس کے نتیجے میں بعض اوقات ایسی کاوشوں کا ثمرہ مزید تعصبات اور اختلافات کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ تاہم فاضل مصنف نے اس نازک راہ پر چلتے وقت بڑی بلوغت اور سلیقہ مندی سے کام لیا ہے اور اس میں ہمارے خیال کے مطابق ان کے جذبہ اتحاد بین المسلمین نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کتاب کے مباحث سے جگہ جگہ اس بات کی عکاسی ہوئی ہے کہ مصنف کا مقصد ”وصل کردن“ ہے نہ کہ ”فصل کردن“ اور یہی وہ متاع مطلوب ہے جو نایاب ہے جس کی اس زمانے کو اور خاص طور پر مسلم امت کو ضرورت ہے۔ میں نے محترم ڈاکٹر صاحب کی خواہش کے مطابق کتاب کے مسودے کو پڑھا ہے اور اپنے ناقص علمی تجربے کی روشنی میں بعض تجاویز بھی پیش کی ہیں۔ بات پھر وہی ہے کہ نظریات اور تاریخ پر لکھی ہوئی کسی بھی کتاب میں پیش کردہ جملہ توضیحات سے متفق ہونا ناممکن ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے۔ یہ موضوع ایسا ہی ہے جس میں اتفاق اور اختلاف دونوں کی گنجائش ہے۔ چنانچہ اگر کوئی بھی قاری اس کتاب میں پیش کردہ بعض باتوں سے متفق نہ ہو تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ وہ نتیجہ ہوگا جو محقق نے اپنی تحقیق کے دوران ان منابع سے اخذ کیا ہے جو اس



تبصرہ: ڈاکٹر عزیز اللہ نجیب

﴿نص امانت﴾

کے لئے دستیاب تھے۔ اگر کسی اور کے منابع دوسرے ہوں تو دوسرے نتائج بھی اخذ کر سکتا ہے اور اسی طرح ہی انسانی معاشرے میں علم کی تحقیق ہوتی جاتی ہے۔  
میرا خیال ہے کہ یہ ایک تازہ موضوع ہے اور مصنف کا ایک اپنا مگر مثبت طریقہ کار (Approach) ہے۔ اس لئے قوی امید ہے کہ اہل علم اور محترم قارئین اس کوشش کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

عزیز اللہ نجیب

اسماعیلیہ طریقہ بورڈ کراچی





[jabir.abbas@yahoo.com](mailto:jabir.abbas@yahoo.com)

**تقریظ**

از

ڈاکٹر زاہد علی زاہدی

ڈاکٹر سجاد علی استوری کو شیعہ اسمعیلیہ کے موضوع پر کام کرنے کا مشورہ میں نے ہی دیا تھا۔ دراصل میری اپنی خواہش تھی کہ اس موضوع پر کوئی اچھا تحقیقی کام ہو اور اس طرح پڑھے لکھے حلقے میں اس حوالے سے جو معلومات کی کمی ہے وہ کسی تحقیقی مواد سے پوری ہو جائے۔ سجاد استوری نے میری نگرانی میں یہ کام مکمل کیا جس کی مجھے از حد خوشی ہے۔ کام کے دوران انہیں کئی طرح کی مشکلات درپیش تھیں کچھ تو ہر پی ایچ ڈی کرنے والے کو ہوتی ہے تاہم بعض مشکلات کا تعلق خاص موضوع سے تھا۔ ان کے ساتھ بعض اداروں اور بعض شخصیات نے تعاون کیا جس سے یہ مشکلیں بھی آسان ہو گئیں۔ سچ ہے کہ اگر انسان اپنا کام محنت اور لگن سے کرے تو ساری رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں۔

شیعہ اسمعیلیہ اور شیعہ اثنا عشریہ کے درمیان بنیادی بحث امامت کا تصور ہے۔ عقیدہ امامت اور اس کے بنیادی دلائل تو ایک ہی ہیں تاہم آگے چل کے جب اختلافات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو پھر اس میں کئی تبدیلیاں آ جاتی ہیں۔ اچھی بات یہ ہے کہ یہ دونوں مسلک ایک دوسرے سے برسر پیکار نہیں ہیں اور اکثر مواقع پر

تقریظ: ڈاکٹر زاہد علی زاہدی

﴿نص امامت﴾

احترام کے قائل ہیں۔ اکثر لوگوں کو شکایت رہتی ہے کہ مذہب اسمعیلیہ کی کتب دستیاب نہیں ہیں اور اس کا کچھ احساس مجھے بھی ہوا جب میں اس حوالے سے کچھ کام کر رہا تھا لیکن یہی حال تقریباً شیعہ اثنا عشریہ کا تھا کہ بعض غیر شیعہ دانشور یہی شکایت کرتے نظر آتے ہیں لیکن ایران کے اسلامی انقلاب کے بعد کتابوں کی اشاعت میں تیزی آئی اور اب نئی کتابوں کے ساتھ ساتھ بنیادی کتابوں کی دوبارہ اشاعت کا سلسلہ بھی شروع کر دیا گیا ہے نیز بنیادی کتابوں کے سافٹ ویئر اور ڈیجیٹل لائبریری بنادی گئی ہے جس سے محققین کے لیے کافی آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کا کام اس اعتبار سے نہایت اہم ہے کہ اس میں مناظرانہ بحث کے بجائے محققانہ روش اختیار کی گئی ہے۔ الفاظ اور جملوں میں حفظ مراتب اور غیر جانبداری کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے اور بلاوجہ عبارت آرائی نہیں کی گئی ہے۔ محقق کا اصل مقصد حقائق کو سمجھنا اور اس کو سلیس زبان میں بیان کرنا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ بنیادی مآخذ سے استفادہ کیا جائے نیز دونوں مسالک کی نمائندہ کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اسی چیز نے اس کتاب کی اہمیت کو بڑھا دیا گیا ہے۔ ابتدا میں تو یہ پی ایچ ڈی کا مقالہ تھا تاہم سجاد نے اس میں بڑی جانفشانی سے کچھ تبدیلیاں کر کے اسے کتابی شکل دے دی ہے ورنہ تھیس کی زبان عام قاریوں کے لیے بوریت کا باعث ہوتی ہے۔ ویسے بھی کسی مخصوص ڈگری کے لئے ہونے والی تحقیق میں محقق اتنا آزاد نہیں ہوتا لہذا قدم قدم پر اسے مفاہمت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ گو کہ سجاد استوری کی کتاب اور ان کے مقالے میں بنیادی تصور کا فرق نہیں ہے تاہم کتابی شکل میں پیش کرنے میں اس پر کافی کام کرنا پڑا ہے۔



ایک اچھی بات یہ بھی ہے کہ کتاب کی تکمیل کے بعد اسے ڈاکٹر عزیز اللہ نجیب کو پیش کیا گیا جو شیعہ اسماعلیہ کے حوالے سے ایک قابل اعتبار نام ہے۔ انہوں نے اس کے مسودہ کو بغور پڑھا اور پھر اپنی رائے بھی دی جس سے اس کام کی اہمیت اور بڑھ گئی۔ امید ہے کہ اس کتاب کے قارئین اس کو علمی سرمایہ سمجھ کر پڑھیں گے اور اسے کسی مکتب کا دفاع یا کسی کتب پر تنقید نہیں سمجھیں گے۔ اختلاف رائے کا حق بہر حال ہر ایک کو حاصل ہے لیکن یہ اختلاف علمی ہو تو علمی ترقی کا پیش خیمہ ہوتا ہے لیکن اگر اختلاف برائے اختلاف ہو تو تباہی و بربادی شروع ہو جاتی ہے۔ سجاد استوری خود اتحاد بین المسلمین کے خواہاں ہیں اور نیک نیتی سے یہ کام کر رہے ہیں امید ہے کہ ان کی کتاب سے بھی یہی مقاصد حاصل ہوں گے۔



میں اپنی جانب سے اس کتاب کی تکمیل اور اشاعت پر ڈاکٹر سجاد علی استوری کو دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں اور ان کی کامیابی کے لئے دعا گو ہوں۔

زاہد علی زاہدی

شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

## باب اول

### (۱) شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

باب اول کے آغاز میں لفظ ”شیعہ“ کے لغوی واصطلاحی معنی پر ایک جامع بحث کی گئی ہے تاکہ بقیہ مباحث میں شیعہ کے معنی میں کوئی ابہام باقی نہ رہے نیز قرآن و حدیث میں لفظ شیعہ کا استعمال کن معنوں میں ہوا ہے، اس پر بھی ایک تجزیاتی بحث کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں اس حوالے سے پائے جانے والے نظریات کا جائزہ لیا گیا ہے اور شیعیت کے قدیم فرقوں کی تاریخ پر ایک نظر ڈالتے ہوئے ان کے عروج و زوال کے اسباب معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

شیعہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ شین، یاء اور عین ہیں۔ یہ لفظ واحد، تشبیہ، جمع، مذکر اور مؤنث سب کیلئے یکساں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے مشہور ماہر لغت لوئس معلوف نے المنجد میں تحریر کیا ہے۔ ”[شِيعَة] الرجل: اتباعه وانصاره ج: شِيعَ وأشیاء. والشیعة الفرقة و تقع علی الواحد والاثین و الجمع مذکر و مؤنثاً. و قد غلبَ هذا الاسم علی کلّ من یتولّى علیاً و اهل بیتہ حتی صار لهم اسماً خاصاً. الواحدہ شیعۃ. (۱) شیعہ کسی آدمی کا اتباع اور مدد کرنے والے کو کہتے ہیں۔ شیعہ کی جمع شیع اور اشیاع ہے۔ شیعہ فرقہ کا نام ہے اور یہ (لفظ شیعہ) مفرد، تشبیہ، جمع، مذکر اور مؤنث سب کے لئے ایک ہی طرح استعمال ہوتا ہے اور یہ صرف ان لوگوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو علی بن ابی طالب اور ان کی اولاد کی ولایت کو مانتے ہیں۔ ان ہی کے لئے یہ لفظ مخصوص ہے اور (اگر شیعہ کو جمع میں لیا جائے تو) ایک ماننے والے (واحد) کو ”شیعی“ کہا جائے گا۔“

## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

اس لفظ کے اہل لغت نے بہت سارے معانی بیان کئے ہیں۔ جن میں مددگار، فرمانبردار، پیروکار، ہدایت کار، جماعت، شجاعت، کثرت، قوت، انتشار، رفیق، گروہ، فرقہ وغیرہ شامل ہیں۔ ان معانی میں سب سے زیادہ مشہور معنی گروہ اور جماعت کے ہیں۔ یہ لفظ قرآن اور حدیث میں بھی متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے، اکثر مترجمین اور مفسرین نے اس لفظ کا ترجمہ گروہ اور جماعت کیا ہے۔ مشہور عالم سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی تفسیر ”تفہیم القرآن“ میں اس کا ترجمہ گروہ کیا ہے۔ (۲) اسی طرح مشہور متکلم و مفسر قرآن علامہ محمد حسین طباطبائی نے موافقت اور مشابہت تحریر کئے ہیں۔ (۳) دور حاضر کے معروف سیرت نگار جعفر سبحانی نے شیعہ کے لفظی معنی جماعت لکھے ہیں۔ (۴) لہذا لفظ ”شیعہ“ میں بذاتہ کوئی حسن و قبح نہیں ہے۔ کبھی فرقوں میں تقسیم ہونے کے لفظی معنی پر محمول کر کے اس کی مذمت آئی ہے تو کبھی نبی سے منسوب گروہ کے معنی میں اس لفظ کی مدح آئی ہے۔ یہ لفظ کم و بیش اسی مفہوم کے ساتھ حدیث میں بھی استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ اکثر مفسرین و متکلمین نے لفظ شیعہ کا ترجمہ فرقہ، گروہ اور جماعت کیا ہے۔ شیخ مفید، جعفر سبحانی، علی ربانی گلپایگانی، ابن خلدون، ابوالاعلیٰ مودودی، محمد حسین طباطبائی اور دیگر مفسرین اور مورخین نے بھی اسی معنی کو سب سے زیادہ معقول قرار دیا ہے۔



۱۔ تفصیل کیلئے سورہ سبا آیت نمبر ۵۴، سورہ الصافات آیت نمبر ۸۳، ۸۴ کی تفسیر کے تناظر میں آیت اللہ جعفر سبحانی کی کتاب ”المداہب الاسلامیہ“، علی ربانی گلپایگانی کی کتاب ”فرق و مذاہب کلامی“ اور شیخ مفید کی کتاب ”ادائل المقالات“ کا مطالعہ ضروری ہے۔

## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

الغرض لغوی اعتبار سے وہ جماعت و گروہ جو خود کو کسی قضیہ و نظریہ پر مستحکم اور قوی کرے پھر اس نظریہ کی پیروی کرتے ہوئے اس کی نشر و اشاعت کرے اسے شیعہ کہا جائے گا۔

(1/1) ”شیعہ“ کے اصطلاحی معنی اور اس کا مفہوم

اہل مل و النحل اور متکلمین نے لفظ ”شیعہ“ کی مختلف اصطلاحی تعریفیں بیان کی ہیں۔ شیخ مفیدیوں تعریف کرتے ہیں۔ ”فأما السمة للمذهب بالامامة ووصف الفريق من الشيعة بالامامية فهو علم على من دان بوجوب الامامة ووجودها في كل زمان، وأوجب النص الجلي والعصمة والكمال لكل امام، ثم حصر الامامة في ولد الحسين بن علي عليهما السلام. مذهب امامية (شيعه) ان کو کہا جاتا ہے جو امامت کو مذہب میں سے قرار دیتے ہوئے امامت کو ہر زمانے میں ہونے کو واجب سمجھتے ہیں، نیز نص جلی سے امام میں عصمت و کمال کا ہونا ضروری سمجھتے ہیں اور امامت کو حسین بن علیؑ کی اولاد کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں۔ (۵) ۱۔

علامہ محمد حسین طباطبائی بیان کرتے ہیں: ”الشيعة: يراد بها الاتباع وتطلق على الذين يرون ان الخلافة بعد النبي (ص) منحصرة في اهل بيته والمراد منها في المعارف الاسلامية التابعون لاهل البيت عليهم السلام (۶) لغت میں شیعہ کے معنی پیروکار کے ہیں، انہیں (شیعہ) کہا

۱۔ اصطلاح میں شیعہ انہیں کہا جاتا ہے جو علی بن ابی طالب کی امامت اور خلافت بلا فصل کے معتقد ہوں اور یہ عقیدہ رکھیں کہ امامت نص جلی اور خفی سے ثابت ہے اور امامت کا حق حضرت علیؑ ابن ابی طالب اور ان کی اولاد کو حاصل ہے۔“

## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

جاتا ہے جو پیغمبر اکرم ﷺ کے جانشین کو خاندان رسالت کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں اور اسلامی معارف میں مکتب اہل بیت کے پیروکار ہیں۔“

اکثر محققین کے مطابق شیعیت کی اساس اس نظریہ پر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بحکم خدا حضرت علی بن ابی طالب کو اپنے بعد امام اور وصی قرار دیا ہے، جیسا کہ مشہور لبنانی عالم ہاشم معروف لکھتے ہیں۔ ”التشیع بما تعينه هذه الكلمة من ان النبي ﷺ قد اختار علياً اماماً و خليفه من بعده بائم من ربه. (۷) شیعہ کی اصطلاح اس بات کو معین کرتی ہے کہ یقیناً حضور اکرم ﷺ نے (حضرت) علی کو اپنے بعد بحکم خدا امام اور خلیفہ منتخب کیا تھا۔“

شیعیت کی تعریف میں ایک بنیادی شرط اہل بیت رسول سے محبت رکھنا بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب شیعہ کے تمام فرقے اہل بیت محمد ﷺ سے محبت کرنا اللہ کی طرف سے فرض اور واجب سمجھتے ہیں اور اس فرضیت کے ثبوت کیلئے اکثر قرآن کی آیت پیش کرتے ہیں۔ ”اے رسول کہہ دیجئے کہ میں تم سے سوائے اپنے اقرباء سے محبت کے، اجر رسالت میں کچھ نہیں مانگتا ہوں۔“ (۸) ان کا عقیدہ ہے کہ جس طرح اہل بیت رسول ﷺ سے محبت کرنا فرض ہے، اسی طرح ان سے عداوت کرنا ظلم اور گراہی ہے۔ ”جو علی سے محبت کرے وہ مومن اور جو بغض رکھے وہ منافق ہے۔“ (۹) البتہ یہ محبت نسبی نہیں ہے بلکہ اہل بیت کو جو مقام ربانی (امامت) عطا ہوا ہے، اس کے تقاضے کے طور پر ان سے محبت کرنا تمام بنی نوع انسان پر فرض کیا گیا ہے۔ لہذا حضرت علی بن ابی طالب اور ان کی اولاد کو سیاسی، دینی، ظاہری اور معنوی ہر حال میں ائمہ برحق تسلیم کرنا ہی ان سے محبت تصور کی





## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

جائے گی اور محبت اہل بیت کا مطلب اور اس کا تقاضا اہل بیت کی پیروی یا ان کا اتباع کرنا ہے۔

شیعہ ائمہ اہل بیت کی پیروی کرتے ہوئے ان کی سیرت کو حجت مانتے ہیں، یہ لوگ ائمہ اہل بیت کی اطاعت مطلقہ کے قائل ہیں۔ اس کی دلیل قرآن مجید کی آیت ”اور (نوح) کے شیعوں میں سے ابراہیم بھی ہیں“ (۱۰) سے دیتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نبی ہونے کی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام کی طرح معصوم عن الخطاء اور پیغمبر ہیں، تو دوسری طرف حضرت نوح کے شیعہ ہونے کی وجہ سے حضرت نوح کی اطاعت حضرت ابراہیم علیہ السلام پر فرض اور ضروری ہے اور حضرت ابراہیمؑ کی امت پر حضرت ابراہیمؑ کا اتباع ضروری ہے۔ بالکل اسی طرح حضرت علیؑ حضرت محمد ﷺ کے جانشین ہیں، سوائے یہ کہ وحی کا سلسلہ حضرت محمد ﷺ پر اختتام کو پہنچا ہے تو جس طرح سے حضرت محمد ﷺ کی اطاعت امت پر ضروری ہے، اسی طرح حضرت علیؑ کی اطاعت اور اتباع امت محمدیہ پر لازم ہے۔ پیغمبر خدا ﷺ نے دو انبیاء کے حوالے کے ساتھ حضرت علیؑ کو اپنا جانشین بنایا تھا۔ ”اے علیؑ! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہارا مقام مجھ سے ایسا ہے جیسے ہارون کا موسیٰ سے تھا سوائے یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔“ (۱۱)

شیعیت کی تعریفوں میں سب سے زیادہ معقول اور واضح تعریفیں ابن خلدون، شہرستانی اور شیخ مفید کی ہیں۔ ان تینوں کی تعریفوں میں چند اہم نکات مشترک ہیں۔ حضرت علیؑ کی مشایعت ہو یعنی اول امام حضرت علیؑ ہوں، علیؑ کی امامت نص یا وصیت سے ثابت ہو، امامت علیؑ کے بعد ان کی اولاد کا حق قرار دیا جائے،



## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

امامت اولاد علی سے باہر لانا ظلم اور ضلال تصور کیا جائے۔ ان مشترکہ نکات میں اول الذکر نکتہ جس کے مطابق حضرت علی پہلے امام ہیں۔ ویسے تو شیعوں کے نزدیک بحیثیت امام تمام ائمہ مساوی خصوصیات کے حامل ہیں، لیکن رتبہ اور عظمت کے لحاظ سے حضرت علی کائنات میں حضرت محمد ﷺ کے بعد سب سے افضل اور اشرف ہیں دوسرے نکتے کے مطابق حضرت علی اور اولاد علی کی امامت کو نص کی بنا پر ثابت کرنا ہے۔ یعنی تمام ائمہ منصوص من اللہ ہیں اسی لئے سب کے سب معصوم عن الخطاء بھی ہیں۔ عصمت اور منصوص من اللہ کی شرائط کا ائمہ میں ہونا شیعیت کے خصوصی عقائد ہیں۔



اب تک کی بحث کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شیعہ اس کو کہا جائے گا جو یہ عقیدہ رکھے کہ امت کی سیادت اور قیادت کا حق رسول خدا کے بعد حضرت علی کو اور پھر ان کی اولاد کو حاصل ہے، جو حکم الہی سے ان کو اور ان کی اولاد کو ملا ہے، سوائے یہ کہ وحی کا نزول رسول خدا کیلئے مخصوص ہے۔ تمام مسلمان بھی اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ سلطنت دینی وزمانی کے اختیارات پیغمبر خدا ﷺ نے اپنے خلیفہ کو دیے تھے۔ اختلاف اس پر ہے کہ آیا یہ اختیارات ائمہ اہل بیت کیلئے آپ ﷺ نے مخصوص کیے تھے یا انھیں امت کے اختیار میں چھوڑا تھا۔ شیعہ اول الذکر نظریہ کے حامی ہیں۔ ”ان الشیعہ ی تعیین بالنص لا بالانتخاب، ای ان اللہ تعالیٰ یا مرنہ النبی ان یبلغ المسلمین بانہ قد اختارَ (فلاناً) خلیفۃ بعدہ۔ و ان علیہم ان یسمعوا لہ و یطعوا، و قد صدرَ ہذہ النص بالفعل من النبی علی بن ابی طالب۔ ہذا هو التشیع (۱۲) بے شک شیعہ نص

## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

کے قائل ہیں نہ کہ انتخاب کے، یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کو بتادیں کہ انہوں نے فلاں (علی بن ابی طالب) کو اپنے بعد کیلئے اپنا خلیفہ بنایا ہے، اور ان (لوگوں) پر واجب ہے کہ خلیفہ کا کہا مانیں اور اس کی پیروی کریں اور بے شک یہی نص خلافت حضرت علی کے لئے رسول اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ سے ثابت ہوتی ہے۔ اسی نظریہ کے ماننے والے کو شیعہ کہا جاتا ہے۔“

## (1/2) شیعیت کی ابتدا، تاریخ کے آئینے میں

شیعیت کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی ہے اور وہ باضابطہ فرقہ اور گروہ کی شکل میں کب وجود میں آئے ہیں۔ اس بارے میں مورخین میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔



ابتدائے اسلام میں رسول اکرم ﷺ کے متعدد نامور صحابہ کرام اس بات کے قائل تھے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد علی بن ابی طالب کو مسلمانوں کا حکمران ہونا چاہیے۔ اسلام کی وہ تحریک کہ جس کے بانی رسول اللہ ﷺ ہیں، اسے صرف حضرت علی ہی آگے بڑھا سکتے ہیں۔ پس یہ گروہ جو حضرت علی کا طرفدار تھا اور جس کا عقیدہ تھا کہ صرف حضرت علی ہی امت کی قیادت کے اہل ہیں، یہی گروہ شیعہ کہلایا۔ جیسا کہ مشہور مصری عالم و مورخ امین مصری لکھتے ہیں۔ ”شیعیت کا پہلا بیج تو اس جماعت نے بودیا تھا، جن کا رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد یہ خیال تھا کہ اہل بیت آپ ﷺ کی جانشینی کے زیادہ حقدار ہیں۔“ (۱۳) الفاظ کے اختلاف کے ساتھ علامہ ابن خلدون نے بھی یہی مفہوم بیان کیا ہے۔!

۱۔ تفصیلات کیلئے مقدمہ ابن خلدون کی کتاب سیوس فصل کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

اکثر مورخین کے مطابق شیعہ بحیثیت کلامی فرقہ رحلت نبوی کے فوراً بعد وجود میں آیا ہے اور قرین قیاس یہی حقیقت ہے۔ تیسری صدی ہجری کے مورخ النوبختی لکھتے ہیں۔ ”فا فترقت الامر ثلاث فرق (فرقہ منہا) شیت الشیعة و ہم شیعة علی بن ابی طالب علیہم السلام و منہم افترت صنوف الشیعة کلہا (۱۴)۔ پس اسی امر (مسئلہ خلافت) میں لوگ تین فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان میں سے ایک فرقہ شیعہ بنا جو شیعہ علی بن ابی طالب کہلایا اور اس کے دیگر تمام فرقے بھی اسی فرقہ ہی سے بنے ہیں۔“ مشہور مورخ شہرستانی کے مطابق رحلت نبوی کے فوراً بعد امت چار فرقوں میں تقسیم ہو گئی تھی، جن میں ”القدریہ، الصفاۃ، الخوارج اور الشیعہ ہیں۔“ (۱۵) اسی طرح دور حاضر کے معروف مورخ محمد جواد مغنیہ اپنی کتاب ”الشیعہ والتشیع“ میں تحریر کرتے ہیں۔ ”انقسم الناس بعد وفاة النبی احزاباً خمسہ، (۱) حزب سعد بن عبادہ رئیس الخوارج من الانصار، (۲) حزب ابی بکر و عمر و معہما رجال المهاجرین، (۳) حزب علی و معہ بنو ہاشم، و قلیل من المهاجرین و کثیر من الانصار الذین قالوا: لا نبایع الا علیاً، کما جاء فی تاریخ الطبری، (۴) حزب عثمان بن عفان من بنی امیہ و من لف لفیفہم، (۵) حزب سعد بن ابی وقاص، و عبد الرحمن من بنی زہرہ (۱۶) رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگ پانچ فرقوں میں تقسیم ہو گئے، ایک سعد ابن عبادہ کا گروہ تھا۔ دوسرا گروہ حضرت ابوبکر و عمر کا تھا، ان دونوں کے ساتھ مهاجرین تھے۔ تیسرا گروہ علی بن ابی طالب کا تھا جن کے ساتھ زیادہ تر بنی ہاشم، کچھ



## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

مہاجرین اور ایک بڑی تعداد میں انصار تھے۔ جنہوں نے کہا کہ ہم صرف علی بن ابی طالب کی پیروی کریں گے۔ تاریخ طبری میں یہی بات آئی ہے۔ چوتھا گروہ حضرت عثمان بن عفان کا تھا، یہ بنو امیہ سے تعلق رکھتا تھا، جن کے ساتھ زیادہ تر بنو امیہ ہی کے لوگ شامل تھے۔ پانچواں گروہ سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمن کا تھا یہ لوگ قبیلہ بنی زہرہ کی نمائندگی کر رہے تھے۔“

بہر حال یہ بات یقینی ہے کہ رحلت نبوی کے بعد امت محمدیہ کے درمیان بہت سارے سیاسی اور کلامی مباحث تھے۔ امت ان مباحث میں مختلف النظر تھی۔ چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے مشہور سنی مورخ امام عبدالقادر بغدادی نے لکھا ہے کہ رحلت نبوی کے فوراً بعد پانچ مختلف وجوہات کی بناء پر امت محمدیہ کے درمیان اختلافات شروع ہو گئے تھے۔



بہر حال شیعہ رحلت نبوی کے بعد حضرت علی بن ابی طالب کی امامت کے موضوع پر بحیثیت ایک سیاسی گروہ کے وجود میں آئے۔ بعد ازاں حضرت ابو بکر کی خلافت کے انعقاد کے بعد اس گروہ کے پھیلاؤ میں اضافہ ہوتا رہا اور من حیث الفرقہ دن بدن مستحکم ہوتے رہے اور آہستہ آہستہ اس گروہ کی افرادی قوت میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ یہ تعداد ایک اندازے کے مطابق خود خلافت ثلاثہ کے ادوار میں کل مسلمانوں کے تقریباً پندرہ سے بیس فیصد تک پہنچ چکی تھی۔ مشہور عالم فرہاد دفتری اس فرقہ کے آغاز اور ابتداء پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ”(پس) آنحضور ﷺ کی وفات کے موقع پر مدینہ میں ایک چھوٹی سی جماعت

۱۔ تفصیلات کے لئے عبدالقادر بغدادی کی کتاب ”الفرق بین الفرق“ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

نے یہ موقف اختیار کیا کہ رسول اللہ کی جانشینی کیلئے کسی بھی دوسرے امیدوار یعنی ابوبکر کے مقابلے میں علی زیادہ مستحق ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس اقلیتی جماعت میں وسعت آگئی اور عام طور پر شیعیان علی یا صرف شیعہ کے نام سے معروف ہوئی۔“ (۱۷)

شیعیت کے آغاز و ابتداء اور ظہور میں عام مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن شیعہ مورخین کے آپس میں اس حوالے سے اختلاف نہیں پایا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک مذہب شیعہ کی پیدائش یا آغاز کا زمانہ وہی ہے، جب پیغمبر خدا اس دنیا میں موجود تھے اور اسی دوران بہت سے ایسے اسباب و واقعات رونما ہوئے، جن کے نتیجے میں خود رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں ایک ایسی جماعت کا پیدا ہونا، ناگزیر اور لازمی ہو گیا تھا۔ ان واقعات میں پیغمبر خدا نے حضرت علی کو اس جماعت کے سربراہ کے طور پر متعین کیا اور بنی نوع انسان پر آپ کی امامت و خلافت کو فرض قرار دیا۔ ان واقعات میں واقعہ ذی العشیرہ، واقعہ غدیر خم، شب ہجرت کا واقعہ، فتوحات علی (جنگ بدر، جنگ خندق، جنگ خیبر) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ مزید یہ ہے کہ احادیث نبوی میں ”حضرت علی اور ان کے شیعہ“ کا نام آیا ہے۔ ان واقعات اور احادیث کی وجہ سے رحلت نبوی کے فوراً بعد شیعیان علی ایک جماعت کی شکل میں سامنے آئی اور حضرت علی کو رسول اللہ ﷺ کا جانشین قرار دیتے ہوئے کسی اور کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا۔ لیکن بعض علماء ان واقعات اور احادیث کا مصداق شیعہ مذہب کو قرار نہیں دیتے جیسا کہ ڈاکٹر محمد صفی رقم طراز ہیں۔ ”و لا تفید الاحادیث الواردة علی لسان النبی ﷺ فی حق علی ان لعلی و



شیعہ فی زمان النبی ﷺ فقد تنبا النبیط ﷺ بظہور بعض الفرق کا اشارتہ الی الخوارج المارقین کما ینسب الیہ اَنّہ قال لعلی اَنّک تقاتل الناکثین والقاسطین والمارقین. و لا یدل ذالک علی وجود جماعۃ مستقلہ لہا عقائد متمایزہ او تصورات خاصہ. (۱۸) رسول خدا کی زبان مبارک سے علی اور آل علی کے حق میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان (احادیث) سے ان (شیعہ فرقہ) کو کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ یہ صرف ایک اشارہ ہے کہ ایک فرقہ بنام شیعہ وجود میں آئے گا۔ جس طرح آپ ﷺ نے خوارج اور مارقین کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان کی طرف نسبت دیتے ہوئے حضرت علی سے فرمایا تھا کہ اے (علی) تم ناکثین، قاسطین اور مارقین کو قتل کرو گے۔ لہذا ان احادیث سے شیعہ فرقہ کے (وجود) پر دلیل نہیں بنتی ہے کہ ایک مستقل جماعت جس کے ممتاز عقائد اور مخصوص تصورات ہوں، یہ تو صرف ایک اشارہ ہے۔ ”ڈاکٹر صبحی صالح کی یہ بات معقول ہے کہ جن احادیث مبارکہ میں لفظ شیعہ کا استعمال ہوا ہے، وہ ایک اشارہ اور اطلاع تھی نہ کہ ان کا کوئی مصداق تھا۔ کیونکہ پیغمبر اکرم ﷺ کے زمانے میں شیعہ ایک مستقل گروہ اور الگ فرقہ کی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ البتہ ان کا یہ کہنا کہ شیعہ بھی خوارج اور ناکثین کی طرح ایک گروہ ہیں، یہ بات تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو صحیح ثابت نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ ناکثین، مارقین، قاسطین اور خوارج کی اصطلاحات احادیث میں آئی ہیں۔ تقریباً تمام محدثین اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ احادیث میں (ناکثین، مارقین، قاسطین) لے کر ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے یعنی ان لوگوں کی صفات بتائی گئی ہیں، جو علی کے خلاف جنگ کریں



## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

گے۔ تاریخی طور پر بھی ان کے مصداق سے انکار ممکن نہیں، جبکہ اس کے برعکس جن احادیث میں لفظ شیعہ آیا ہے۔ اکثر ان کے اوصاف حسنہ کے ساتھ آیا ہے یعنی اس سے مراد آئندہ زمانے میں شیعوں کے یہ اوصاف ہیں کہ وہ حضرت علی اور اولاد علی کے چاہنے والے ہوں گے اور جنت میں حضرت محمد ﷺ اور حضرت علی کے ساتھ ہوں گے۔ محمد حسین المظفر نے اپنی ایک کتاب ”تاریخ الشیعہ“<sup>۱</sup> میں تقریباً پندرہ احادیث جمع کی ہیں۔ ان تمام احادیث میں آپ ﷺ نے شیعہ کی مدح فرمائی۔ البتہ قرآن مجید میں لفظ شیعہ کا استعمال مدح اور مذمت دونوں معنی میں ہوا ہے لیکن جب انبیاء اور انبیاء کے گروہ کیلئے لفظ شیعہ کا استعمال ہوا ہے تو ہمیشہ مدح کے ہی مفہوم میں ہوا ہے۔



ایک نظریہ کے مطابق شیعیت کا ظہور واقعہ ذی العشرہ میں ہو گیا تھا اور بڑے صحابہ کرام کی ایک جماعت بھی پیغمبر خدا کے زمانے حیات میں علی کی ولایت کے قائل ہونے پر علی کے شیعہ سے مشہور ہوئی تھی۔ اگر ذی العشرہ اور غدیر خم کے واقعات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اکثر مفسرین نے ان دونوں واقعات کے ذیل میں حضرت علی کی ولایت اور امامت کا ذکر کیا ہے۔ شیعہ علماء ان دونوں واقعات کو حضرت علی بن ابی طالب کی امامت اور خلافت پر دلیل فعلی کے طور پر پیش کرتے ہیں اور حضرت علی کو رسول خدا کا خلیفہ بلا فصل قرار دیتے ہیں۔ اسی لئے شیعیت کا نظریہ ہے کہ بعثت کے تیسرے سال میں آپ ﷺ نے جہاں پر اپنی نبوت کا اعلان عمومی کیا، وہیں پر حضرت علی بن ابی طالب کی امامت کے

۱۔ جس کا اردو ترجمہ حکیم سید طالب حسین رضوی نے کیا ہے۔



## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

بارے میں بھی اظہار کیا اور لوگوں کو ان کی وصایت اور ولایت کی طرف دعوت دی۔ بعثت کے آخری سال میں اس دعوت کو تکمیل تک پہنچاتے ہوئے حضرت علی کی بیعت کا اعلان فرمایا۔ شیعیت کی تعریف اور مفہوم میں یہ بتایا گیا ہے کہ شیعہ اس کو کہتے ہیں جو حضرت علی بن ابی طالب کے امام اور خلیفہ بلا فصل ہونے کا عقیدہ رکھے۔ شیعیت کے اس مفہوم کے مطابق واقعہ ذی العشرہ درحقیقت شیعیت کے آغاز کا پیش خیمہ ہے۔

بہر حال حضرت رسول اکرم ﷺ کے بعد حضرت علی کی وصایت کا نظریہ رکھنے والے مسلمان خود آپ ﷺ کے اپنے زمانے میں بھی تھے، جس کی طرف بہت سارے مورخین نے اشارہ کیا ہے۔ حضرت علی کی وصایت اور ولایت بلا فصل کے مخصوص اور ممتاز نظریے کو اکثر مورخین اور ماہرین علم الکلام نے تشیع کا نام دیا ہے۔ اس نظریہ کے مطابق تشیع من حیث النظر یہ خود آپ ﷺ کے زمانے میں تھی اور جب اُمت رسولِ فرقوں میں تقسیم ہوئی تو یہ نظریہ علی بن ابی طالب اور آپ کے محبین کے پاس آیا اور اسی نظریہ کی مناسبت سے علی بن ابی طالب اور آپ کے محبین شیعیاں علی کے نام سے مشہور ہوئے۔ یوں تشیع ابھی تک اپنے مخصوص اور ممتاز نظریہ کے مطابق کروڑوں کی تعداد میں مسلمانوں کے ایک بہت بڑے فرقہ کی شکل میں پوری دنیا میں موجود ہے۔ موجودہ دور میں شیعہ مسلمانوں میں کل کتنے فیصد ہیں، یہ بتانا بہت مشکل ہے۔ اقوام متحدہ کے ۱۹۹۹ء کے ایک سروے کے مطابق شیعہ دنیا میں مسلم آبادی بارہ فیصد سے زیادہ ہیں۔ دنیا کے پانچ اسلامی ممالک میں اکثریت میں موجود ہیں۔ جن میں ایران، عراق، آذربائیجان، بحرین اور یمن قابل ذکر



## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

ہیں۔ پاکستان، شارجہ، دبئی، انڈیا، افغانستان، بعض وسط ایشیائی ممالک میں شیعہ میں فیصد سے زیادہ بستے ہیں۔

## (1/3) شیعیت میں فرقہ بندی کے اسباب

تاریخ میں شیعیت کے کئی فرقوں کا ذکر آیا ہے۔ ان فرقوں میں سے چند فرقے ایسے ہیں جو دور حاضر میں اپنا وجود رکھتے ہیں۔ ان میں سے تین بڑے فرقے اثنا عشریہ، اسماعیلیہ اور زیدیہ سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ ان تینوں کے معرض وجود میں آنے کے اسباب کیا تھے؟ کب یہ فرقوں کی شکل اختیار کر گئے؟ اس پر بنیادی مواد سے تحقیق کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔



ہر مذہب میں بعض کلامی و فقہی اختلافات ہوتے ہیں، جن کی بنیاد پر مذاہب اور فرقے بنتے ہیں۔ یہاں تک وحی کی بنیاد پر قائم دین ایک نہ رہا اور یہودیت، عیسائیت اور اسلام کی شکل میں منقسم ہوا۔ الہامی ہونے کے باوجود یہ مذاہب اپنے اندر سینکڑوں ذیلی فرقے رکھتے ہیں۔ شہرستانی نے اپنی کتاب ”المملک والنحل“ میں آسمانی مذاہب کے اندر جو فرقے ہیں، ان کے نام تحریر کئے ہیں، جن کی کل تعداد ۲۸۶ بنتی ہے۔ ایک طرف جہاں پر ہر مذہب اپنے ذیل میں فرقوں کی کثرت رکھتا ہے، وہیں پر دوسری طرف بعض متعصب صاحبان ملل والنحل نے بھی خود ساختہ فرقے بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے تاکہ یہ باور کرا سکیں کہ مد مقابل کی اساس کمزور ہے۔ جس کی وجہ سے یہ لوگ وقتاً فوقتاً تقسیم ہوتے رہے ہیں اور انتشار کا شکار رہے ہیں۔ یہاں تک کہ فرقہ واحدہ کیلئے بولے جانے والے ناموں کو الگ الگ فرقہ بتایا گیا ہے۔ جیسے اسماعیلی مذہب کے نام میں اسماعیلیہ، امامیہ، ہاشمیہ،

## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

خالصہ، شش امامی، سبعیہ، باطنیہ، مستوریہ، آغاخانہ، نزاریہ کے ناموں سے غلط استفادہ کرتے ہوئے ان سب کو الگ الگ فرقہ بتایا گیا ہے، حالانکہ مندرجہ بالا سب فرقے اسماعیلی مذہب کے نام اور القابات ہیں، جو مختلف علاقوں میں رائج العمل ہیں۔ اسی طرح شیعہ اثنا عشری کو شیعہ، امامیہ، قطیعہ، کاظمیہ، موسویہ، جعفریہ، اہل الغیبہ والحدیث اور اثنا عشریہ کے نام سے الگ الگ فرقے بتائے گئے ہیں، حالانکہ یہ تمام نام ایک ہی فرقہ کے لئے مختلف زمانوں میں بولے جانے والے نام ہیں۔ دور حاضر میں بھی شیعہ کئی ناموں سے پہچانے جاتے ہیں، جس میں بارہ امامی، جعفریہ، امامیہ، اثنا عشریہ، شیعہ وغیرہ ہیں۔ مورخین مل و نحل نے جہاں شیعیت کیلئے خود ساختہ نام تحریر کئے ہیں، وہیں انھیں مورد الزام ٹھہراتے ہوئے ان کے لئے رافضیہ، ملحد، منکر، مشرک اور کافر کی اصطلاحات بھی جا بجا استعمال کی ہیں۔ جیسے کہ امام غزالی مذہب اسماعیلیہ کو کافر قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ”ان الباطنیہ اسماعیلیہ مذهب ظاہرۃ الرافض و باطنہ الکفر المحض۔ بے شک باطنیہ اسماعیلیہ کا ظاہری مذہب رافض ہے جبکہ اس کا باطن محض کفر ہے۔“ (۱۹)

## (1/4) تہتر فرقوں کی حقیقت

ایک حدیث تمام اسلامی فرقوں میں بہت مشہور ہے، جس میں حضرت محمد ﷺ نے امت محمدیہ کے تہتر فرقے ہونے کی پیش گوئی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ میری امت کے تہتر فرقے ہونگے، جن میں سے ایک ناجی ہوگا، باقی تمام فرقے ہلاکت میں ہوں گے۔ یہ حدیث شیعہ سنی دونوں کی احادیث کے بنیادی

## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

مناہج میں موجود ہے۔<sup>۱</sup> قطع نظر اس بات کے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا غلط، لیکن ہر ایک نے خود کو ناجی فرقہ ثابت کرنے کی خاطر مد مقابل کے حصے بخرے کئے ہیں۔ اس حدیث کے تناظر میں اسلامی فرقوں کے ماننے والوں نے ایک دوسرے پر جہنمی ہونے کے مختلف حربے استعمال کئے ہیں۔ تہتر فرقے والی حدیث کی رو سے بہتر ہلاکت والے فرقے بنانے کی خاطر شیعیت کے کئی گنا فرقے بھی بتائے گئے، جن کا تاریخ میں عملاً وجود بھی نہیں رہا ہے، یہاں تک کہ مقریزی نے خطہ مقریزی میں یہ وہم اور گمان ظاہر کیا ہے کہ شیعوں کے تقریباً تین سو فرقے ہیں۔ ”انّ الفرق الرافضة بلغت ثلثمائة والمشهور منها عشرون وھی الامامیہ۔ الروافض، الحلویہ، الشاعیہ، الشریکیہ، التناسخیہ، الاعنہ، المخطئۃ الاسحاقیہ، الخلیفیہ، الرجعیہ، المتربصہ، الامریہ، الحجیۃ الجلالیہ، الکریمیۃ اور الخزنیۃ۔ (۲۰) یقیناً رافضیوں کے فرقوں کی تعداد تین سو تک پہنچ چکی ہے، جن میں سے مشہور بیس ہیں اور ان میں سے امامیہ، روافض، حلویہ، شاعیہ، شریک، تناسخ، لاعنہ، مخطئہ، اسحاقیہ، خلیفیہ، رجعیہ، متربصہ، آمریہ، حبیبیہ، جلالیہ، کربیہ اور خزینہ ہیں۔“ مقریزی نے رافضی سے مراد شیعہ لیتے ہوئے ان کے تین سو فرقے بتائے ہیں اور خود ہی کہا کہ ان میں سے بیس مشہور ہیں جبکہ دوسوا سی (۲۸۰) منقرض ہو چکے ہیں۔ مقریزی نے یہ گمان کیوں کیا



۱۔ شیخ عباس قمی نے سفیۃ البحار ص ۲، باب فرق میں اور اسی طرح الحیز ان کی جلد سوم میں محمد حسین طباطبائی نے نقل کیا ہے۔ اہل سنت کے منابع میں یہ حدیث ترمذی، ابن ماجہ، ابن داؤد وغیرہ میں الفاظ کے اختلاف کے ساتھ موجود ہے۔

## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

ہے کہ شیعوں کے تین سو فرقے ہیں جبکہ وہ خود ان میں سے دو سو اسی فرقوں کے بارے میں نہیں جانتے ہیں۔ دو سو اسی کے علاوہ جن بیس کا ذکر مقریزی کرتا ہے، ان میں سے اکثر کے نام تک تاریخ میں نہیں آیا ہے۔ یہاں تک کہ حسن بن موسیٰ النوبختی جو چوتھی صدی ہجری کے ایک بڑے شیعہ مورخ گذرے ہیں، انھوں نے ”الفرق الشیعة“ نامی ایک کتاب لکھی ہے، جس میں انہوں نے شیعیت کیلئے بولے جانے والے تمام ناموں کے علاوہ شیعہ مخالفین کے اختیار شدہ ناموں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ پھر ان تمام فرقوں کو رد کرتے ہوئے فرقہ امامیہ کے حق میں ایک کتاب ”الرد علی فرق الشیعة ما خلا الامامیة“ تالیف کی ہے، ان کتب میں بھی مذکورہ ناموں کا کہیں ذکر نہیں ملتا ہے۔



شیعیت میں فرقوں کی کثرت ثابت کرنے کیلئے ایک طریقہ یہ بھی اختیار کیا گیا کہ اہل غلاۃ اور ان کے تمام فرقوں کو شیعہ فرقے بنا کر پیش کیا گیا۔ غلاۃ کے بھی بہت سارے فرقے بتائے گئے۔ الشہرستانی نے غلاۃ کے ۲۴ فرقوں کا ذکر کیا ہے۔ میرے نزدیک ”غلاۃ“ ایک غیر واضح اصطلاح ہے پہلے لفظ غلو کی حدود بندی کرنی ہوگی پھر اس پر تبصرہ ممکن ہے، اگر غلاۃ سے مراد رسول یا امام میں الوہیت کا نظریہ رکھنا ہے تو یقیناً تمام مسلمان بشمول شیعہ کے نزدیک اسلام کے عقیدہ توحید میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی مفہوم میں تمام مسلمان اہل غلاۃ کو خارج از اسلام تصور کرتے ہیں۔ محسن الامین اہل غلاۃ کے بارے میں شیعہ اثنا عشریوں کا نظریہ یوں لکھتے ہیں۔ ”الشیعة الامامیہ اثنا عشریة الجعفریة تبرأ من کل غالی و کل موئلہ المخلوق۔ شیعہ امامیہ اثنا عشریہ جعفریہ ہر طرح کے غلو سے

## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

پاک ہے اور ہر غالی اور مخلوق میں غلو کرنے والوں سے اپنے کو دور رکھا ہوا ہے۔“ (۲۱)  
ائمہ اہل بیت رسول ﷺ نے اہل غلاۃ پر لعنت بھیجی ہے۔

شیعیت میں فرقوں کی کثرت ثابت کرنے کی ایک وجہ یہ بنی کہ مورخین نے عہدِ یا سہوٰ مذہب تشیع کے جید اور معروف متکلمین اور محدثین سے منسوب کر کے مختلف شیعہ فرقے ظاہر کئے اور ان علماء کے ناموں سے فرقے منسوب کر دیے گئے۔ جیسے زرارہ بن اعین کے نام سے منسوب کر کے فرقہ زرارہ بنایا گیا۔ جن علماء کے ناموں سے منسوب کر کے فرقے بنائے گئے ہیں، ان علماء میں سے زیادہ تر حضرت جعفر صادق اور حضرت محمد باقر کے طلباء اور شاگرد شامل ہیں، جن پر یہ تہمت باندھی گئی ہے اور ان کی طرف غالی عقائد اور نظریات منسوب کئے گئے ہیں۔ ان میں زرارہ بن اعین کے نام پر فرقہ زراریہ، ہشام بن الحکم کے نام پر الحکمیہ، یونس بن عبدالرحمن اقمی کے نام پر الیونہ، محمد بن النعمان مومن طاق کے نام پر الشیطانیہ فرقے ظاہر کئے گئے ہیں۔ حالانکہ یہ چاروں صحیح العقیدہ، ثقاہ، محدثین اور متکلمین تھے۔ ان کی طرف نسبت دیکر فرقے ظاہر کرنا یقیناً ظلم و زیادتی ہے۔ ان پر اس طرح کی افتر پردازی کیوں کی گئی ہے، اس کی بہت ساری وجوہات ہو سکتی ہیں۔ سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ائمہ اہلبیت کے تلامذہ ہونے کی بناء پر مستند اور صاحب رائے تھے۔ انہوں نے بالواسطہ ائمہ اہلبیت سے کسب فیض کیا تھا۔ معاشرہ ان کی علمی عظمت کو سمجھنے سے قاصر رہا، جس کی وجہ سے ان کی اجتہادی رائے کی بنیاد پر ان سے ملحدانہ نظریات منسوب کیے۔ بہر حال یہ شخصیتیں مذہب شیعہ کے ستون کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کے بارے میں اس طرح کی افتر پردازی کرنا



سراسر زیادتی ہے۔

شیعیت میں فرقوں کی کثرت ثابت کرنے کے لئے بعض ماہرین علم کلام نے خود ساختہ نام تجویز کر کے شیعہ فرقے ظاہر کئے۔ مقریزی نے امامت اور خلافت میں اختلاف کرنے والے فرقوں کی کل تعداد ۶۹ بیان کی ہے۔ غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی نے تقریباً ۸۰ تک نام لکھے ہیں جبکہ علامہ ذیشان حیدر جوادی نے اہل تسنن کے ۶۴ فرقے بیان کئے ہیں۔ اسلامی فرقوں کی تعدادنی الحقیقت اتنی نہیں ہے جتنی اہل ملل والنحل نے لکھی ہے۔ حقیقت میں فرقوں کی تعداد بہت کم رہی ہے۔ محققین ادیان و مذاہب نے یہ تسلیم کیا ہے کہ فرقوں کی یہ کثرت جو تاریخ کی کتب میں آئی ہے، حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔

اسلامی فرقوں کے بارے میں تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ شیعیت کے جتنے بھی فرقے وجود میں آئے یا مجازی طور پر لائے گئے، وہ سب ناپید ہو گئے ہیں۔ اب عالم اسلام میں شیعیت کے تین ہی فرقے شیعہ اثنا عشریہ، شیعہ اسماعیلیہ اور زیدیہ موجود ہیں۔

(1/5) فرقہ زیدیہ

زیر نظر کتاب شیعہ اثنا عشریہ اور شیعہ اسماعیلیہ کے نظریہ امامت کے تقابلی مطالعہ پر مشتمل ہے۔ جہاں تک زیدیہ فرقہ کا تعلق ہے تو ان کے عقیدے کو موضوع کا حصہ نہ بنانے کا پہلا سبب یہ ہے کہ ان کے ماننے والے بہت ہی قلیل تعداد میں یمن اور شام کے چند علاقوں میں رہائش پذیر ہیں۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ اکثر مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ زید بن علی بن حسین اپنی حیات میں امامت کے



## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

دعوے دار نہیں تھے۔ زید نے حضرت علی بن حسین کی اجازت سے ۱۲ھ میں اموی خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے خلاف کوفہ میں خروج کیا تھا اور شہید ہوئے تھے۔ زید کی شہادت کے بعد کچھ لوگوں نے حضرت زید کو پانچواں امام تصور کیا اور یہی لوگ زیدی کہلائے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ فقہی اعتبار سے یہ اہل سنت کا ایک فرقہ ہے، کیونکہ تاریخی شہادت کے مطابق زید یہ اصول اسلام میں معتزلہ کا ذوق رکھتا ہے اور تقریباً اسی مذہب کا پیروکار ہے۔ لیکن فروعی و فقہی عقائد میں امام ابو حنیفہ کی پیروی کرتا ہے، جو اہل سنت کے چار اماموں میں سے ایک ہیں۔ البتہ ان کے درمیان بعض فقہی مسائل کے بارے میں تھوڑا بہت اختلاف موجود ہے۔ زید یہ کے فقہی اعتبار سے حنفی ہونے کا اقرار شہرستانی نے کتاب الملل والنحل اور صاحب ابن اثیر نے کتاب کامل میں کیا ہے۔ اس کے علاوہ شیعہ فرقوں کے برعکس زید یہ فرقہ اپنے شروعات میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر کو اپنے ائمہ میں شمار کرتا تھا، لیکن بعد میں انہوں نے ان خلفاء کے نام اپنے اماموں کی فہرست سے نکال دیے اور اپنی امامت کو حضرت علی سے شمار کرنا شروع کر دیا۔ زید یہ کے فقہی اعتبار سے شیعہ نہ ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ شیعہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ کے برخلاف ائمہ پر نص کو نہیں مانتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک اوصاف شائستگی کا حامل ہر وہ فرد جو فاطمی النسل ہو اور ظلم و ستم کے خلاف خروج کرے، امام بن سکتا ہے۔ مقالہ ہذا کے موضوع میں مذہب زید یہ کے بجائے مذہب اسماعیلیہ کو شامل کیا گیا ہے کیونکہ زید یہ کے برعکس اسماعیلیہ شیعہ فرقہ ہے، کیونکہ وہ امام پر نص (تعیین امام بحکم خدا، نبی یا امام قائم کی طرف سے) ہونے کا قائل ہے، جبکہ زید یہ مذہب امامیہ سے ائمہ کی تعداد اور نص





## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

﴿باب اول﴾

دونوں میں اختلاف کرتا ہے، نیز زید یہ کے برعکس شیعہ اسماعیلیہ تاویلی انداز کے ساتھ فقہ حضرت جعفر صادق کو تسلیم کرتے ہیں۔ زید یہ اور دیگر شیعوں میں امامت کے حوالے سے بنیادی فرق بھی یہی ہے کہ زید یہ ائمہ کے لئے صرف دلائل خفی رکھتے ہیں اور دلائل جلی سے انکار کرتے ہیں، جبکہ دیگر شیعہ فرقے دلائل خفی کے علاوہ دلائل جلی کے بھی قائل ہیں۔ شیعیت کی نظر میں ہر امام من جانب اللہ ہونے کے ساتھ ساتھ صفات شائستگی کا بھی حامل ہوگا اور یہی عقیدہ معصومیت ہے، جو شیعہ اپنے ائمہ کے حوالے سے رکھتے ہیں۔ زید یہ اور دیگر شیعیت میں بنیادی مشترک نکتہ یہ ہے کہ امامت اولاد فاطمہ ہی کیلئے مخصوص ہے یعنی اولاد فاطمہ میں صفات شائستگی کو محیط کرنے کی حد تک زید یہ بھی دیگر شیعہ فرقوں سے متفق ہیں۔

### (1/6) فرقہ غالبہ و مفوضہ

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ شیعیت کے کثیر فرقے بتائے جانے کی ایک اہم ترین وجہ غالی فرقے بھی بنے۔ غالبہ غلو سے مشتق ہے۔ جس کے معنی کسی چیز یا کسی شخص کو اسکی حقیقت اور اس کے اصل مقام سے بڑھا دینا ہے۔ ویسے تو غلو معاشرہ کے کسی بھی شعبے میں صحیح نہیں ہے بالخصوص دین میں غلو کی اجازت بالکل بھی نہیں ہے۔ (۲۲) اگر اہل غلاۃ کے عقائد کا جائزہ لیا جائے تو بات زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ اہل غلاۃ کا نہ تو کوئی مذہب ہے اور نہ ہی یہ کوئی باضابطہ اسلامی فرقہ ہے، بلکہ یہ مبالغہ آمیز نظریات کے حامل لوگ ہیں، جو ہر مذہب و فرقہ میں موجود ہو سکتے ہیں اور موجود ہیں۔ تاریخ میں مختلف اشخاص نے مبالغہ آمیز عقائد کا اظہار کیا ہے۔ جن کی نسبت سے مورخین نے ان کو اسلامی فرقہ کا درجہ دیا ہے۔



اہل غلاۃ کو شیعہ فرقہ تصور کرنے کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ خود اہل غلاۃ کی اکثریت نے ہمیشہ خود کو شیعہ قرار دیا ہے۔ اسی لئے بہت سارے مورخین نے اکثر اہل غلاۃ کو شیعوں کے فرقہ بتلایا ہے، لیکن اہل غلاۃ کے عقائد اور نظریات کو پرکھا جائے تو حقیقت اس کے برعکس ملے گی۔ تمام مسلمان کی طرح تشیع بھی اہل غلاۃ کو خارج از اسلام تصور کرتے ہیں۔ ان کو مسلمانوں کا فرقہ قرار نہیں دیتے اور خود کو غالی فرقوں سے الگ تصور کرتے ہیں۔ چوتھویں صدی ہجری کے شیعہ عالم و فقیہ ابو جعفر بابوی قمی (شیخ صدوق) غالیوں کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔ ”غالیوں اور مفسوضہ کے متعلق ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ یہ لوگ (فی الحقیقت) خداوند عالم کی ذات کے منکر ہیں اور یہ لوگ یہود، نصاریٰ، مجوس، قدریہ اور خوارج بلکہ تمام اہل بدعت اور گمراہ کن نظریات رکھنے والے فرقوں سے بدتر ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے برابر کسی نے بھی خدا کی تحقیر و تصغیر نہیں کی ہے۔“ (۲۳)



اکثر متکلمین کی رائے کے مطابق غالی ان کو کہا جاتا ہے جو بندوں میں الوہیت کا قائل ہو یا ائمہ اہل بیت میں نبوت کا قائل ہو۔ اس نظریے کے مطابق غالی فرقوں کو شیعہ فرقے بتانا صحیح نہیں کیونکہ غالیوں کے برعکس شیعہ خالص توحید کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک مخلوق میں الوہیت کا قائل آدمی کا فرد جہنمی ہے۔ اسی طرح ائمہ کو انبیاء ماننا شرک اور کفر ہے۔ شیعہ عقیدے کے مطابق نبی صاحب کتاب و شریعت ہوتا ہے، جبکہ امام کسی نبی کی شریعت کی تفسیر، تاویل، تنفیذ اور تحفیظ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ ائمہ کی ولایت تکوینی کے حوالے سے شیعوں کا ایک گروہ غلو کی حد تک اختیارات کا قائل ہے اور وہ ائمہ کو خالق، رازق اور بعض دیگر خدائی صفات کا

## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

حامل قرار دیتا ہے۔ ائمہ نے ایسے غلو والے نظریات کی سختی سے مذمت کی ہے۔ علامہ مجلسی نے بحار الانوار کی پچیسویں جلد میں ایک باب نفی الغلو فی النبی والائمہ میں لکھا ہے، جس کے مطابق ائمہ میں غلو کرنے والوں کی ائمہ اہل بیت نے مذمت فرمائی ہے اور غلو کرنے سے سخت منع فرمایا ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں۔ ”خبردار ہمارے بارے میں غلو نہ کرنا، یہ کہو کہ ہم بندہ ہیں اور خدا ہمارا رب ہے۔ اس کے بعد جو چاہو ہماری فضیلت بیان کرو۔“ ائمہ اہل بیت نے بھی اہل غلا کو کافر قرار دیتے ہوئے ان پر لعنت بھیجی ہے۔ ”غالی کافر ہیں اور تفویض کرنے والے مشرک ہیں۔“ (۲۳) ”غالیوں اور تفویض کے قائل لوگوں کی علامت یہ ہے کہ وہ بزرگ علما اور مجتہدین کو مقصر کہیں گے اور غالیوں میں سے فرقہ حلاجیہ کی پہچان یہ ہے کہ وہ اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ خداوند عالم عبادت کی وجہ سے بندوں میں ظہور کرتا ہے، حالانکہ نماز اور دیگر واجبات شرعیہ کو ترک کرنا ان کا مذہب ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ خدا کے اسم اعظم کو جانتے ہیں۔ اس فرقے کے لوگوں کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ خدا نے ان میں حلول کیا ہوا ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ جب کوئی شخص مخلص ہو اور ان کے مذہب کی معرفت بھی پیدا کرے تو وہ ان لوگوں کے نزدیک انبیاء سے بھی افضل ہے۔ ان کے دعوؤں میں سے ایک دعویٰ یہ ہے کہ وہ علم کیمیا بھی جانتے ہیں۔ درحقیقت وہ کچھ بھی نہیں جانتے۔ ان کا کام صرف دھوکہ دینا ہے۔ پتیل اور قلعی سے (سونے اور چاندی کی شکل میں) مسلمانوں کو فریب دیتے ہیں۔ اے خدا! ہمیں ان لوگوں میں شامل نہ کر اور ان تمام پر لعنت کر۔“ (۲۵)

ائمہ پر حلول کا عقیدہ رکھنے والوں میں سب سے زیادہ مشہور علی بن جسکہ



## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

القہمی، قاسم القطنی، الحسن بن محمد بن بابا القہمی، محمد بن نصر القہمی اور فارس بن حاتم ہیں۔ ان اشخاص میں سے علی بن جسکہ کا نظریہ تھا۔ ”امام الہادی ہو اللہ و الخالق لهذا العالم، انّ ابن جسکة نبی مبعوث من قبل الامام الہادی لہدایة الناس، الفرائض الاسلامیة مثل زکوٰۃ الصوم غیر واجبہ۔ امام ہادی ہی اللہ ہے، جو اس کائنات کا خالق ہے، ابن جسکہ لوگوں کی ہدایت کیلئے امام ہادی کی طرف سے نبی مبعوث ہوا ہے، اسلامی فرائض جیسے زکوٰۃ، روزہ (وغیرہ) واجب نہیں ہیں۔ حضرت علی رضا بن موسیٰ کاظم نے علی بن جسکہ پر ائمہ اہل بیت سے غلوانہ نظریات کو منسوب کرنے پر لعنت بھیجی ہے۔ کذب ابن جسکہ علیہ لعنة الله۔ ابن جسکہ نے جھوٹ بولا ہے، اس پر اللہ کی لعنت ہے۔“ (۲۶)

## (1/7) فرقہ سبانیہ

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ متعصبانہ رویوں کی وجہ سے شیعیت کے خود ساختہ فرقے وجود میں لائے گئے۔ اس حوالے سے ایک فرقہ سب سے زیادہ مشہور ہے، جس کے بارے میں تذکرہ اکثر مورخین کرتے ہیں۔ اس لئے یہاں اس فرقے کے بارے میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے تاکہ اس کی اصل حقیقت واضح ہو سکے۔ تاریخ اسلام کی قدیم اور جدید کتب میں ”عبداللہ بن سبا“ نامی شخص کا ذکر کثرت کے ساتھ ملتا ہے اور یہ شخص صدیوں سے مسلمانوں کے درمیان اختلاف کا باعث رہا ہے۔ ایک طرف اکثر مورخین اس شخص کے بارے میں تفصیلات فراہم کرتے ہیں اور اس کو مذہب تشیع سے منسوب کرتے ہیں تو دوسری طرف مذہب تشیع کے ماننے والے اس شخص کے وجود کے منکر نظر آتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ تمام تر نظریاتی



## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

و البسگیوں سے بالاتر ہو کر اس کا تجزیہ کیا جائے اور اس شخص کی حقیقت کو جاننے کی کوشش کی جائے۔ اسی تناظر میں اس شخص کے وجود اور اس سے منسوب فرقہ ”سبائیہ“ پر بنیادی مواد کے حوالے سے تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

عبداللہ بن سبا کے بارے میں جو باتیں مورخین نقل کرتے ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ شیعیت کا وجود پیغمبر خدا ﷺ اور شیخین کے زمانے میں نہ تھا بلکہ خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفان کے زمانے میں ایک یہودی شخص عبداللہ بن سبا نے اسلام کا اظہار کیا اور مسلمانوں کو علی بن ابی طالب کی بیعت کرنے کی دعوت دی اور علی بن ابی طالب کی خلافت کو پھیلانے کی کوشش کی اور بہت سارے مسلمان اس کی پیروی میں آ گئے، جن کا نام شیعین علی پڑ گیا۔ اس قصے کو مشہور مورخ خطیب بغدادی نے یوں خلاصہ کیا ہے۔



كان ابن السوداء في الاصل يهودياً من اهل الحيرة فظهر الاسلام، واراد ان يكون له عند اهل الكوفة سوق و رئاسة، فذكر اللهم انه وجد في التوراة ان الكل نبي وصياً، و ان علياً رضي الله عنه وصي محمد ﷺ انه خير الاوصياء كما ان محمداً خير الانبياء، فلما سمع ذلك منه شيعة على قالوا لعلي: انه من محبيك، فرفع علي قدره، و اجلسه تحت درجة منبره، ثم بلغه غلوؤه فيه فهم قتله، فنهاه ابن عباس عن ذلك و قال له: ان قتله اختلف عليك اصحابك، و انت عازم على العود الى القتال اهل الشام، و تحتاج الى مداراة اصحابك، فلما خشي من قتله و من قتل ابن سبا الفتنة



## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

نہ ایسی شخصیت جس کی تصویر مورخین نے عہد عثمان میں کھینچی اور جس کی سرگرمیوں کا نقشہ حضرت علی بن ابی طالب کے ابتدائی دور خلافت میں پیش کیا ہے، ابن سبا کو تو مخالفین شیعہ نے صرف شیعہ کے لئے تراشا ہے۔“ (۲۹) عبد اللہ بن سبا ایک افسانوی کردار کا نام ہے یا وہ ایک حقیقی شخصیت تھی، یہ ایک اختلافی موضوع ہے جو تحقیق طلب ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس شخص کے بارے میں بعض قدیم اور اکثر جدید مورخین نے معلومات فراہم کی ہیں۔ ان معلومات میں سب سے اہم یہ ہے کہ اس شخص سے منسوب ایک فرقہ ”سبائیہ“ کا تذکرہ بھی کثرت سے ملتا ہے۔ اگر عبد اللہ بن سبا کا وجود ثابت ہو جائے تو پھر کسی حد تک اس فرقہ کا وجود بھی ثابت ہو جائے گا۔ اگر اس کا وجود ثابت نہ ہو تو یقیناً اس سے منسوب ساری کہانی افسانہ اور جعلی قرار پائے گی۔



عبد اللہ بن سبا کو نقل کرنے والے تمام مورخین اس کی سند کو صرف ایک راوی ”سیف بن عمر“ سے نقل کرتے ہیں اور یقیناً فرقہ سبائیہ کو روایت کرنے والے راویوں میں صرف اسی کا نام آتا ہے۔ سیف بن عمر نے ۱۱ھ سے ۳۰ھ کے واقعات اور حوادث کو اپنی کتب میں نقل کیا ہے۔ ”ابن سبا کی کہانی کو روایت کرنے والوں میں صرف ایک ہی راوی سیف بن عمر ہے، جس کا انتقال ۷۰ھ میں ہوا ہے۔“ (۳۰) سیف بن عمر کے انتقال کے ایک صدی سے زیادہ گزرنے کے بعد اس سے منسوب روایت کو سب سے پہلے مشہور مورخ طبری نے نقل کیا ہے جبکہ اس کے برعکس سیف کو اس کے اپنے زمانے کے کسی مورخ یا راوی نے نقل نہیں کیا اور نہ راوی سے طبری تک درمیانی دور ۱ میں اس روایت کو کوئی مورخ ضبط تحریر جو تقریباً ۱۴۰ سال بنتا ہے

## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

میں لایا ہے۔ خود طبری کے دور میں ان ہی کے علاوہ کسی دوسرے مورخ نے اسے نقل نہیں کیا۔ اسی طرح طبری کے بعد تقریباً تین سو سال تک اس قصے کو پھر کسی راوی اور مورخ نے نقل نہیں کیا۔ اس کے بعد مشہور مورخ ابن عساکر نے سیف بن عمر کی روایت کو نقل کیا۔ یوں یہ قصہ کبھی راویوں اور مورخین کے پیش نظر رہا تو کبھی ان کی نظروں سے غائب رہا۔ جس کی وجہ سے یہ قصہ ایک متنازع شکل اختیار کر گیا اور اس کے بارے میں مختلف سوالات پیدا ہوئے کہ اس روایت کا صرف ایک ہی راوی کیوں ہے؟ سیف کا مقام راویوں میں کیا ہے؟ حضرت عثمان بن عفان سے سیف تک تقریباً ڈیڑھ سو سال سے زیادہ بنتا ہے۔ اگر اتنا بڑا واقعہ ہوا ہے تو خلیفہ راشد حضرت عثمان بن عفان نے اس شخص سے کیوں لاعلم رہے؟ اتنے بڑے واقعے کو سیف کے علاوہ کسی اور راوی نے نقل کیوں نہیں کیا؟ سیف کے ڈیڑھ سو سال بعد اس قصہ کے مآخذ کہاں سے ملے اور یہ مآخذ کتنے قابل اعتبار ہیں؟ راوی سے طبری تک کا زمانہ ۱۴۰ سال کا بنتا ہے۔ اس دوران کسی مورخ نے اس روایت کو اپنی کتاب کا حصہ کیوں نہیں بنایا؟ خود طبری کے دور میں کسی دوسرے مورخ نے اس کو کیوں نقل نہیں کیا؟ راوی نے روایت میں عبد اللہ بن سبا کے عقائد کے بارے میں تفصیلات بیان نہیں کی تھیں، طبری نے اس تفصیل کو کہاں سے درج کیا اور اس کی سند کیا ہے؟



دوسری بات جو طبری کو اس کے راوی سیف سے الگ کر دیتی ہے وہ انکا یہ خیال ہے کہ عبد اللہ بن سبا اور ان کے ساتھیوں نے حضرت علی بن ابی طالب میں الوہیت تسلیم کر لی تھی۔ جس کی وجہ سے حضرت علی نے ان کو آگ میں جلا دیا



## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

تھا۔ یاد رہے کہ بعض مورخین کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور خلافت میں بعض لوگوں کو مرتد ہونے کی سزا میں آگ میں جلایا گیا تھا۔ ہمارے نزدیک یہ بھی تاریخ کا ایک غلط العام واقعہ ہے۔ طہ حسین نے لکھا ہے کہ حضرت علی نے اپنی مختصر سی خلافت کے دوران کسی کو آگ میں نہیں جلایا تھا۔ البتہ کوفہ میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے تھے، انہیں قتل کر دیا گیا تھا۔ جلانے کا واقعہ حضرت علی بن ابی طالب کی خلافت کے دوران پیش ہی نہیں آیا۔ بہر حال تاریخ اسلام کے ابتدائی دور کے مورخین نے عبد اللہ بن سبا کا قصہ درج نہیں کیا، بعد کے اکثر مورخین نے طبری سے اس قصہ کو تاریخ کا حصہ قرار دیا ہے۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس قصہ کا ایک ہی بنیادی مآخذ طبری ہے، طبری کے بعد تاریخ کے دیگر تمام بنیادی اور غیر بنیادی مآخذ میں یہ قصہ آیا ہے۔ جیسے طہ حسین رقم طراز ہیں۔ ”طبری اپنے راویوں سے لیکر اور بعد کے مورخین نے خود طبری سے لیکر ابن سبا کا اور اس کے ساتھیوں کا تذکرہ عہد عثمان میں اور حضرت علی بن ابی طالب کی خلافت کے پہلے سال میں فتنے کے سلسلے میں کرتے ہیں۔“ (۳۱)



مورخین اس شخص (عبد اللہ بن سبا) کی اسلام مخالف سازشوں میں سے ایک یہ تحریر کرتے ہیں کہ حضرت علی کی خلافت کے پہلے سال اسی شخص کی سازش کی وجہ سے جنگ جمل ہوئی تھی۔ اگر یہ حقیقت ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک سال بعد یہ شخص معرکہ صفین میں کہاں چلا جاتا ہے؟ معرکہ صفین میں اس کا کوئی ذکر نہ شیعیان علی میں ملتا ہے اور نہ ہی خوارج میں۔ اگر یہ شخص تھا تو پھر معرکہ صفین سے کس طرح غائب رہا؟ اس سلسلے میں مورخین خاموش ہیں۔ اگر ایسا کوئی شخص تھا تو

## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

حضرت عثمان بن عفان اور ان کے ساتھی کیوں خاموش رہے؟ تاریخ میں نہیں ملتا ہے کہ حضرت عثمان نے عبداللہ بن سبا کے خلاف کوئی اقدام کیا ہو۔ ایک یہودی خلیفہ المسلمین کے دور خلافت میں اسلام کے حصے بخرے کر رہا ہو، خلیفہ اس یہودی سازشی شخص کو جانتا بھی ہو، پھر بھی اس شخص کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرے۔ جبکہ صدر اسلام کے مسلمانوں کا درجہ ہماری نگاہوں میں اس سے اونچا ہونا چاہیے کہ صنعا سے آنے والا ایک آدمی جس کا باپ یہودی اور ماں حبش تھی جو خود بھی یہودی تھا پھر خوف یا اخلاص کی بنا پر نہیں بلکہ دھوکہ دینے اور مکر پھیلانے کی غرض سے اسلام لایا۔ اس کی یہ مجال ہو کہ وہ ان کے دین، ان کی سیاست، ان کی عقل اور ان کی حکومت کے ساتھ مذاق کرے۔ (لہذا) ابتداء کے مورخین نے ابن سبا کے تذکرے سے جو پہلو تہی کی ہے، یہ اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ ”یہ افسانہ خود ساختہ اور من گھڑت ہے۔ اور یہ آخری دنوں میں جب شیعہ اور دوسرے اسلامی فرقوں میں معرکہ آرائی ہوئی تراشا گیا ہے۔“ (۳۲) لگتا یوں ہے کہ سیف بن عمر نے جان بوجھ کر عبداللہ بن سبا کی روایت کو گھڑا ہے کیونکہ اس میں شک کی گنجائش نہیں ہے کہ بنی ہاشم کی عداوت اور بنی امیہ کی مداحی میں یہ شخص اپنے زمانے میں مشہور تھا۔ سیف بن عمر نے بنی ہاشم کی عداوت میں بہت سارے اقدامات کئے تھے۔ نیز یہ اپنے دور میں خود ساختہ، جعلی اور وضعی ناموں سے روایات نقل کرنے میں مشہور تھا۔ یہ جعلی ناموں کو اصحاب رسول ہونے کا درجہ دیتا تھا تاکہ جعلی اور وضعی باتوں کو حدیث کا درجہ دے سکے اور جعلی سلسلہ روایت کو قائم کر سکے، نیز اس نے علی بن ابی طالب کی عداوت میں دو کتابیں بھی تحریر کی تھیں۔ ”ان رجلاً یسمیٰ



## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

سیف بن عمر التمیمی مات فی القرن الثانی الهجری، وضع کتابین: الاول (الفتوح والردة)) والثانی (لجمل و مسير عائشة و علی) وحشاهما. (۱) اختلاق الحوادث التي لا حقيقة لها و لا اساس. (۲) تحريف الحوادث الثابتة، و تزيفها يجعل الايجاب سلباً و السلب ايجاباً. فلقد اختلق سيف لرسول الله ﷺ اصحاباً لا وجود لهم، اسمائهم باسماء لم يسمع بها الرسول و لا احد من اصحابه، مثل سعي، الهزاهز، واط، و حميضة، و ما ذلك، كما ابتدع رجالاً من التابعين و غير التابعين، و وضع على لسانهم الاخبار و الاحاديث۔ (۳۳) بے شک وہ آدمی جس کا نام سیف بن عمر ہے، دوسری صدی ہجری میں مر گیا تھا۔ اس نے دو کتابیں ”الفتوح والردة“ اور ”لجمل و مسير عائشة و علی“ لکھیں۔ جس کا مقصد صرف یہ ہے۔ ا۔ ایسے حوادث تخلیق کرنا جن کی نہ تو کوئی حقیقت ہے اور نہ ہی بنیاد۔ ۲۔ تاریخ کے ثابت شدہ یقینی حادثات اور واقعات میں تحریف پیدا کرنا، اور اس میں رد و بدل کر کے ثابت شدہ کو معدوم کرنا اور معدوم کو ثابت کرنا۔ سیف بن عمر نے ایسے اصحاب رسول کے نام بھی وضع کئے ہیں، جن کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں تھا۔ ان کے ایسے نام وضع کئے جن کو رسول اکرم ﷺ اور اصحاب رسول سے نہیں سنا گیا۔ جیسے سعي، هز هاز، اظ، حمضة، لیکن ان ناموں سے تابعین اور تبع تابعین میں کوئی نہیں گزرا ہے اور نہ ہی احادیث میں یہ نام آئے ہیں۔ ”لہذا ایک ایسا شخص جو جھوٹا اور جعلی احادیث بنانے میں شہرت رکھتا ہو۔ اس کی روایت کس طرح قابل اعتماد ہو سکتی ہے؟ سیف بن عمر کے جھوٹا



## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

### ﴿باب اول﴾

ہونے کے بارے میں بہت سے اشخاص نے لکھا ہے۔ مرتضیٰ عسکری نے ان تمام محدثین، متکلمین اور مورخین کے سیف بن عمر کے بارے میں تاثرات کو مستند حوالوں سے نقل کیا ہے۔ ان میں سے بعض محدثین طبری سے بھی پہلے یا چوتھی صدی ہجری کے دور کے ہیں۔ جن میں امام نسائی (متوفی ۳۰۳ھ)، ابوداؤد (متوفی ۲۷۵ھ)، یحییٰ بن معین (متوفی ۲۳۳ھ)، ابن حماد عقیلی (متوفی ۳۲۲ھ)، ابن ابی حاتم (متوفی ۳۲۷ھ)، ابن سکین (متوفی ۳۵۳ھ)، ابن حبان (متوفی ۳۵۴ھ)، دار قطنی (متوفی ۳۸۵ھ)، ابن عدی (متوفی ۳۲۸ھ)، حاکم (متوفی ۴۰۵ھ)، محمد بن احمد ذہبی (متوفی ۴۷۷ھ)، ابن حجر (۸۵۲ھ)، سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) وغیرہ۔ ان محدثین میں سے امام نسائی سیف بن عمر کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ”ضعیف ہے۔ اس کی حدیث کو (نقل کرنے) سے ترک کیا ہے، وہ قابل اعتماد اور نہ ہی امین ہے۔“ یحییٰ بن معین کہتے ہیں ہے۔ ”اس کی (سیف بن عمر) حدیث کمزور اور مست ہے۔“ ابوداؤد رقم طراز ہیں۔ ”بہت ہی جھوٹا ہے۔“ (۳۴)



رہی بات مورخین کی تو انہوں نے اس روایت کو کیوں اور کہاں سے درج کیا ہے؟ جیسا کہ بتایا جا چکا کہ تاریخ نویسوں میں سے سب سے پہلے ابو جعفر محمد جریر طبری نے اپنی کتاب ”تاریخ الامم والملوک“ میں سیف بن عمر کی روایت کو نقل کیا۔ خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان کے دور خلافت سے متعلق اس فرقہ کے بارے میں تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد ایک ہی راوی سیف بن عمر نقل کرتا ہے۔ یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ اگر اتنا بڑا کوئی واقعہ ہوتا تو یقیناً بہت سے راوی اس کو نقل کرتے۔ سیف کے ڈیڑھ سو سال بعد سب سے پہلے طبری (متوفی ۳۱۰ھ) نے سیف کی اس

## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

روایت کو درج کیا ہے۔ جس عرصے میں سیف اس روایت کو نقل کرتا ہے، اسی عرصے میں کوئی دوسرا راوی اس کو نقل کرتے ہوئے نظر نہیں آتا۔ اسی طرح جس دوران طبری اپنی کتاب میں اس روایت کو درج کرتے ہیں اسی دوران کوئی دوسرا مورخ اس کو درج کرتے ہوئے نظر نہیں آتا ہے۔ طبری کے سوا ڈھائی سو سال بعد ابن عساکر (متوفی ۵۷۱ھ) اس روایت کو سیف بن عمر کی کتب سے نقل کرتے ہیں۔ ابن عساکر کے بعد مورخین پھر خاموش نظر آتے ہیں۔ ایک لمبے عرصے کے بعد ساتویں صدی ہجری میں ابن اثیر (متوفی ۶۳۰ھ)، پھر آٹھویں صدی ہجری میں محمد بن تکی بن محمد اشعری (متوفی ۷۴۱ھ) اپنی کتاب ”التمہید والبیان فی مقتل عثمان بن عفان“ میں سیف بن عمر کی کتاب ”الفتوح“ سے نقل کرتے ہیں۔ (۳۵)



سیف بن عمر کی وفات ہونے کے سو سال سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد اس کی مذکورہ دونوں کتابوں سے طبری نے اس روایت کو نقل کیا پھر طبری سے دیگر چار قدیم مورخین ابن اثیر ۶۳۰ھ، ابن عساکر ۵۷۱ھ، ابن ابی بکر ۷۴۱ھ، ذہبی نے ۷۴۸ھ نے نقل کیا، پھر ان چار مورخین سے اس کہانی کو دیگر مورخین نے نقل کیا۔ ان چار مورخین کا اصل اور بنیادی مصدر بالواسطہ یا بلاواسطہ سیف بن عمر کی کتب ”الفتوح“ اور ”کتاب الجمل“ ہیں۔ بعد کے تمام مورخین کے مصادر یہی چار مورخین ٹہرتے ہیں۔ لہذا اگر کسی روایت کا راوی ایک ہو یا سلسلہ روایت منقطع ہو تو وہ روایت حدیث کی اصطلاح میں مرسل اور ضعیف قرار پاتی ہے، اسی طرح علم رجال کے مطابق اگر کوئی راوی جھوٹا اور دروغ گو ہو تو اس کی روایت

## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

ضعیف کہلاتی ہے، سیف بن عمر کے دروغ گو ہونے میں کوئی شک و شبہ بھی نہیں ہے تو پھر کس طرح اس کی روایت صحیح ہو سکتی ہے؟

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا کے اصل مصادر کے صحیح تجزیہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اس کا وجود خود ساختہ اور جعلی ہے۔ جس کو بنی ہاشم کی عداوت میں گھڑا گیا ہے یا خلیفہ المسلمین حضرت عثمان کی شان خلافت کو کمزور ظاہر کرنے کے لئے گھڑا گیا ہے کیونکہ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ حضرت عثمان بن عفان کے دور خلافت میں یمن کے رہنے والے ایک یہودی نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اتنی بڑی تحریک چلائی ہو، جس کے نتیجے میں خلیفہ المسلمین کا قتل ہوا ہو۔ ایسا کیسے ممکن ہے کہ حضرت عثمان کو اس تحریک کا پتہ نہ چلا ہو اور اگر علم ہوا ہو تو پھر اس کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا ہو؟



مذہب تشیع اس فرقہ کے وجود سے ایک طرف انکار کرتا ہوا نظر آتا ہے، جس کی مثال علامہ مرتضیٰ عسکری کی کتاب یادگیر شیعہ مورخین کی کتب ہیں، جن میں اس فرقہ کو افسانہ اور من گھڑت قرار دیا گیا ہے۔ اس کو دین اسلام بالخصوص مذہب تشیع کے خلاف ایک سازش قرار دیا ہے لیکن دوسری طرف بعض شیعہ علمائے رجال نے اس کہانی کو اپنی رجال کی کتب کا حصہ بھی بنایا ہے۔

اکثر علمائے رجال کے نزدیک نزاع یہ نہیں ہے کہ عبداللہ بن سبا نامی کوئی شخص تاریخ میں گزرا ہے یا نہیں، بلکہ اس کے نظریات کی بناء پر اسے غالی اور مرتد قرار دیا ہے۔ شیعیت کی اکثر رجال کی کتابوں میں عبداللہ بن سبا کا ذکر بحوالہ رجال کشی ملتا ہے۔ شیخ کشی کی اصل کتاب نایاب ہے، لیکن اس سے منسوب حوالے اکثر

## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

شیعہ ماہرین علم رجال اپنی کتابوں میں دیتے ہیں۔ شیخ طوسی نے رجال کشی سے منسوب کر کے رجال کی [تعلیقۃ اختیاریہ معرفۃ رجال] نامی ایک کتاب لکھی ہے، جو خود رجال کشی سے معروف ہوئی ہے، رجال کی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ کشی نے عبد اللہ بن سبا کے وجود سے تو انکار نہیں کیا ہے۔ بلکہ ان کا نظریہ ہے۔ ”وکان اول من شہر بالقول بفرض امامۃ علی و اظهر البرائۃ من اعدائہ و کاشف مخالفیہ و کفرہم، فمن ہا هنا قال من خالف الشیعۃ: التشیع و الرفض ماخوذ من اليهودیۃ۔ یہ پہلا مشہور شخص تھا جس نے علی بن ابی طالب کی امامت کو فرض سمجھتے ہوئے علی کے دشمنوں سے بیزاری کا اعلان کیا اور ان کے مخالفین کو کافر قرار دیا۔ پس یہیں سے شیعہ مخالفین نے کہا: اصل تشیع اور رفض یہودیت سے ماخوذ ہے۔“ (۳۶)



اسی عبارت کو دور حاضر کے مشہور شیعہ عالم دین ابو القاسم خوئی نے ”رجال الخوئی“ نامی کتاب میں رقم کیا ہے۔ علمائے رجال نے جہاں ایک طرف عبد اللہ بن سبا کو نقل کیا ہے، وہیں پر اسے فرضی، وہمی اور افسانوی قرار دیتے ہوئے متفقہ طور پر اس پر لعنت کی ہے اور اسے غالی، مرتد اور کافر قرار دیا ہے۔ ”عبد اللہ بن سبا الذی رجع الی الکفر و اظهر الغلو۔ عبد اللہ بن سبا۔..... غال ملعون لعنہ اللہ۔ عبد اللہ بن سباہ ہے، جس نے کفر کیا ہے اور اس کا غلو ظاہر ہوا ہے۔ عبد اللہ بن سبا غالی اور ملعون ہے، اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہے۔“ (۳۷)

شیخ کشی، شیخ ابو جعفر طوسی، علامہ مجلسی اور ابو القاسم خوئی نے اپنی رجال کی

## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

کتب میں فرقہ سبائیہ کی حیثیت پر بحث نہیں کی ہے بلکہ اس کے بانی کے نظریات اور افکار کو مورد بحث بنایا ہے اور ان نظریات کی بناء پر اس شخص کو لعنتی اور کافر قرار دیا ہے۔ علمائے رجال نے عبد اللہ بن سبا پر لعنت بھیجنے کے علاوہ یہ بھی تحریر کیا ہے کہ اسی ملعون شخص کے غالی نظریات کو بنیاد بنا کر دنیائے شیعیت کو اس سے منسوب کیا جاتا ہے، جو عقلی، نقلی اور تاریخی طور پر صحیح نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عبد اللہ بن سبا تاریخ کی ایک فرضی شخصیت گزری ہے جس کو ایک ہی راوی سیف بن عمر نے روایت کیا اور اس روایت کو سب سے پہلے مشہور مورخ طبری نے نقل کیا، جس کے بعد ابن سبا کی شخصیت تاریخ کا حصہ بنی ہے۔ اگر ابن سبا کے وجود کو تسلیم بھی کیا جائے تو اس کو مذہب تشیع سے منسلک کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس سے منسوب عقائد غیر اسلامی ہیں، جس کا مذہب تشیع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بغدادی نے اس شخص سے منسوب فرقہ کو اہل غلاۃ میں سے قرار دیتے ہوئے اس کو کافر قرار دیا ہے۔ اسی طرح علمائے شیعہ نے بھی اس شخص کو غالی اور کافر قرار دیا ہے۔



## (1/8) فرقہ کیسانیہ

تاریخ تشیع میں جن فرقوں کا وجود رہا ہے ان میں اولین فرقہ ”کیسانیہ“ تھا، جو واقعہ کربلا کے بعد وجود میں آیا تھا۔ مورخین کے مطابق شیعیت میں فرقہ بندی کا سلسلہ بھی اسی واقعہ کے بعد شروع ہوا ہے۔ اس لئے اس فرقہ کے معرض وجود آنے کے اسباب اور علل پر ایک مختصر تجزیہ پیش کیا گیا ہے تاکہ تشیع کی تاریخ اور ابتداء کو سمجھنے میں آسانی ہو۔



## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

### ﴿باب اول﴾

امامت کے قائل ہونے کی حد تک کیسانہ ایک شیعہ فرقہ تھا۔ کیسانہ فرقے کا اصل بانی مختار ثقفی کو سمجھا جاتا ہے۔ ”ذکر الکیسانہ من الرضا: هو ثلثاء اتباع المختار بن ابی عبید الثقفی الذی قام بشار الحسین بن علی بن ابی طالب، و قتل اکثر الذین قتلوا حسینا بکربلاء، و کان المختار یقال له: کیسان“ (۳۸)۔ کیسانہ فرقہ کا ذکر افضیوں میں ہوتا ہے۔ یہ لوگ مختار بن عبید الثقفی کا اتباع کرنے والے ہیں، جنہوں نے حسین بن علی کے قتل کا بدلہ لینے کیلئے قیام کیا تھا اور جن لوگوں نے حسین بن علی کو کربلا میں شہید کیا تھا، ان میں سے اکثر کو قتل کیا۔ مختار کو ”کیسان“ کہا جاتا تھا۔“ لفظ کیسان سے مختار کے ماننے والوں کو کیسانہ کا نام دیا گیا ہے۔



مختار ثقفی نے حضرت حسین بن علی کے خون کا بدلہ لینے کیلئے ابراہیم بن الاشتر النخعی کی قیادت میں عبید اللہ بن زیاد کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے ایک لشکر بھیجا۔ ابراہیم حضرت علی بن ابی طالب کے سپہ سالار اور دست راست مالک اشتر کے فرزند تھے۔ ابراہیم نے بڑی جرات و شجاعت کے ساتھ حسین بن علی کے قاتلوں سے بدلہ لیا۔ عبید اللہ بن زیاد اور اس کے متعدد ساتھیوں کو قتل کیا۔ یہاں تک کہ ابراہیم نے بن زیاد کا سر مختار ثقفی کے پاس عراق بھیجا اور مختار ثقفی نے ان سروں کو بعض مورخین کے مطابق عبید اللہ بن زبیر کے پاس مکہ بھیجا اور بعض دیگر مورخین کے مطابق حضرت علی بن حسین زین العابدین کے پاس مدینہ بھیجا۔ ۱۔ کیسانہ تحریک

## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

علی بن حسین زین العابدین کی حیات میں محمد بن حنفیہؑ کی امامت اور سیادت میں چلائی گئی تھی۔ علی بن حسین نے اس تحریک کی حمایت کی تھی یا نہیں، تاریخی طور پر اس کو ثابت کرنا بہت مشکل ہے۔ اکثر مورخین کے مطابق علی بن حسین نے کیسانیہ تحریک کی نہ حمایت کی تھی اور نہ مخالفت۔ بعض روایات کے مطابق جب عبید اللہ بن زیاد کا سر حضرت علی بن حسین کے سامنے پیش کیا گیا تو علی بن حسین نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علی بن حسین کی موجودگی میں یہ تحریک حضرت محمد حنفیہ بن علی کی امامت میں کیوں چلائی گئی تھی؟ کیا مختار ثقفی، حضرت علی بن حسین کی امامت کا منکر ہو گیا تھا؟

ان اور ان جیسے دوسرے سوالات بالخصوص فرقہ کیسانیہ کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے مختار ثقفی کی زندگی کا عمیق مطالعہ لازمی ہے۔ مختار ثقفی اسلامی تاریخ کی متنازعہ شخصیات میں سے ایک ہیں، جن کی زندگی کو مورخین نے تعریف اور تنقید کی جہتوں میں ہمیشہ بہت زیادہ موضوع بحث بنایا ہے۔ حال ہی میں ایک ایسی ہی کتاب جامعہ کراچی کے شعبہ 'تاریخ اسلام' کی صدر پروفیسر ڈاکٹر نگار سجاد نے



۱۔ کیسانیہ کے ساتھ اسی دور میں ایک اور نام ہاشمیہ کا بھی آتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی فرقہ کے دو مختلف نام تھے، جن کو بعض متکلمین نے الگ الگ فرقے لکھے ہیں۔ دور حاضر کے مشہور مورخ فرہاد دفتری نے کہا ہے کہ ہاشمیہ کیسانیہ کا قدیم نام تھا، جبکہ بعض مورخین کا خیال ہے کہ ہاشمیہ غالباً محمد بن الحنفیہ کے بعد ان کے فرزند ابو ہاشم کے نام کی مناسبت سے ہاشمیہ کہلائے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو ہاشمیہ کی بنیاء ابو ہاشم کی زندگی میں یا ان کی وفات کے بعد پڑی ہے۔

۲۔ جو رشتے میں زین العابدین کے چچا بھی تھے

## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

”مختار ثقفی یکے از دہاۃ العرب“ کے نام سے تالیف کی ہے۔ یہ ایک مختصر لیکن معلومات سے بھرپور کتاب ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ نے بہت مہارت کے ساتھ مختار ثقفی کے بارے میں بہت ہی بنیادی معلومات کو جمع کیا ہے۔ مختار ثقفی کے بارے میں تحقیق کرنے والوں کے لئے یہ ایک اہم اثاثہ ہے۔ مختار ثقفی سے متعلق قدیم مورخین نے جو کچھ لکھا ہے، آج کا مورخ ان قدیم مورخین کے حوالوں سے مختار ثقفی اور دیگر تاریخ اسلام کے متنازعہ واقعات کو نقل کرتا ہے، لیکن جن روایات اور واقعات کو تاریخ کے متنازعہ مباحث کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے، بد قسمتی سے آج کا محقق ان روایات اور واقعات کا تجزیہ نہیں کرتا ہے۔ خود ڈاکٹر صاحبہ نے مختار ثقفی کے تبعین سے متعلق (حوالوں کے ساتھ) جن عقائد کو بیان کیا ہے، ان میں قابل ذکر بحث فرقہ سبائیہ کی ہے۔ اگر فرقہ سبائیہ کو اس کے پس منظر میں پرکھا جائے اور جن روایات کی بنیاد پر اس قصہ کو اتنی اہمیت دی گئی ہے، ان روایات کا تجزیہ کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ یہ شیعہ مخالف راویوں کی اختراع ہے، جنہیں بعد میں شیعہ مخالف مورخین نے نقل کیا ہے۔ فرقہ سبائیہ کے بارے میں کچھ تجزیاتی بحث اسی باب کے شروعات میں ہو چکی ہے۔ مختار ثقفی کے بارے میں تحقیقی بحث کرنا یہاں ہمارا مقصود نہیں کیونکہ یہ اس کتاب کے موضوع کا حصہ نہیں۔ ہم نے صرف اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے کہ کیا حضرت علی بن حسین نے مختار ثقفی کی تحریک کی حمایت کی تھی۔ بعض مورخین کی رائے ہے کہ سیاسی مصلحت کے پیش نظر حضرت علی بن حسین نے ظاہری طور پر حمایت کا اعلان نہیں کیا تھا۔ اس وقت کا سیاسی منظر نامہ بھی تقریباً یہی ظاہر کرتا ہے کہ حضرت علی



## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

بن حسین نے کربلا کے واقعے کے بعد خاموشی اختیار کر لی تھی۔ اس لئے مختار کے لئے حضرت علی بن حسین کی قیادت میں خروج کرنا شاید ممکن نہیں تھا، جبکہ مختار ثقفی ایک جذباتی شیعہ تھے جو ہر حال میں حضرت حسین کے قاتلوں سے بدلہ لینا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے محمد حنفیہ بن علی ابی طالب کی قیادت میں خروج کرنا غنیمت سمجھا۔ بعض دیگر مورخین کہتے ہیں کہ نہ تو محمد حنفیہ نے اپنی زندگی میں امامت کا دعویٰ کیا تھا اور نہ ہی مختار ثقفی نے محمد حنفیہ کی امامت کا اعلان کیا تھا بلکہ سیاسی طور پر یہاں تقیہ کی وجہ سے محمد حنفیہ کی قیادت میں یہ تحریک چلائی گئی تھی۔ ویسے بھی یہ تحریک عقائد اور کلامی بنیادوں پر نہیں چلائی جا رہی تھی یعنی شروع میں کیسانہ کا خروج مذہبی نہیں تھا بلکہ سیاسی طور پر جابر حاکم کے خلاف بغاوت تھی، جو مردِ زمانہ کے ساتھ مذہبی تحریک میں تبدیل ہو گئی۔ کیسانہ کے خروج کے اسباب پر غور کیا جائے تو اسے مذہبی فرقہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ نہ صرف کیسانہ بلکہ کربلا کے واقعہ کے فوراً بعد جتنی بھی تحریکیں چلائی گئیں، وہ مذہبی بنیادوں پر نہیں تھیں بلکہ ان تحریکوں میں سیاست کا روپ مذہب سے زیادہ تھا۔ بد قسمتی سے بغیر تحقیق اور تفکر کے زمانے میں رونما ہونے والی مذہبی جذبات سے پُر تحریکوں کو مذہبی فرقے تصور کیا گیا۔ ایسا سب کچھ رحلتِ نبوی کے بعد پیدا ہونے والی تمام سیاسی تحریکوں کے ساتھ ہوا۔ البتہ ان میں سے بعض تحریکیں بعد میں خالصتاً مذہبی روپ اختیار کر گئیں۔ بہر حال کیسانہ جو بادشاہِ وقت کے خلاف ایک سیاسی تحریک تھی۔ یہ کوئی کلامی فرقہ نہیں تھا۔ بد قسمتی سے مورخین نے ہمیشہ اس تحریک کو فرقہ کہا ہے۔ اب تاریخ کے اوراق میں اس تحریک کو تحریک سے نہیں بلکہ فرقہ سے ہی پہچانا جاتا



ہے۔

کیسا یہ فرقے کے وجود میں آنے کی وجوہات سیاسی تھیں یا مذہبی۔ اس پر مزید عمیق اور تنقیدی جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ بات واضح ہے کہ یہ شیعیت میں اندورنی فرقہ بندی کی بنیادوں میں وجود میں نہیں آیا تھا بلکہ حسین بن علی کے قاتلوں سے بدلہ لینے کے لئے ایک تحریک چلائی گئی تھی، جسے بعد کے مورخین نے شیعیت کا ایک فرقہ قرار دے دیا۔ بہر حال اب یہ فرقہ معدوم ہو چکا ہے، اس لئے اس کا مزید ذکر غیر ضروری ہے۔

(1/9) فرقہ شیعہ اثنا عشریہ



عالم اسلام میں اہل سنت کے بعد شیعہ دوسرا سب سے بڑا فرقہ ہے۔ بنی امیہ کے دور میں یہ لوگ شیعہ امامیہ یا صرف امامیہ سے موسوم رہے ہیں۔ تاریخ میں شیعہ امامیہ میں شیعیت کے تمام فرقے شامل ہوتے تھے، لیکن موجودہ دور میں عام طور پر شیعہ سے مراد شیعہ اثنا عشریہ لیا جاتا ہے۔ بارہ اماموں کا نظریہ رکھنے کی وجہ سے اثنا عشری شیعہ کہلائے۔ یعنی اول امام حضرت علی سے آخری امام مہدی تک بارہ اماموں کو وہ اپنا ہادی و ہرمانتے ہیں۔ ان کو جعفریہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ لوگ حضرت جعفر صادق کی مدون فقہ پر عمل پیرا ہیں۔ شیعہ اثنا عشریہ کے عقائد کل پانچ ہیں۔ جنہیں یہ اصول دین کا نام دیتے ہیں۔ توحید، عدل، نبوت، امامت اور معاد۔ شیعیت کے نزدیک مذکورہ عقائد میں سے عدل اور امامت کے علاوہ تین بنیادیں عقائد کے ماننے والا مسلمان ہو سکتا ہے لیکن مومن نہیں۔ ان تینوں عقائد کو اصول اسلام کا نام دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ مشہور عراقی شیعہ عالم امیر محمد کاظمی لکھتے ہیں۔

## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

”الشیعة یعتقدون ان ما یقوم الاسلام علیہ ثلاثة . ۱ . توحید اللہ .  
 ۲ . نبوة خاتم الانبیاء (ص) . ۳ . المعاد فی یوم الجزاء و ان الاسلام  
 هو الاقرار بالشهادتین و ہی کلمہ (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ  
 (ص) و ان من قالہا کان مسلماً . (۳۹) شیعہ کا یہ اعتقاد ہے کہ اسلام تین  
 چیزوں پر قائم ہے۔ توحید باری تعالیٰ، نبوت خاتم النبیین (ص) اور قیامت۔ پس  
 اسلام شہادتین کے اقرار کا نام ہے اور وہ یہ ہیں (لا الہ الا اللہ محمد رسول  
 اللہ (ص) جو بھی اس کلمہ کا اقرار کرے گا وہ مسلمان ہے۔“

دین کے احکامات کو شیعہ ایک منظم انداز میں پیش کرتے ہیں۔ جنہیں یہ  
 فروع دین کا نام دیتے ہیں۔ یہ کل دس ہیں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، خمس، جہاد، امر  
 بالمعروف، نہی عن المنکر، تولّٰ اور تبرّٰ۔ فروع دین کی یہ تعداد شیعیت کے نزدیک قطعی  
 نہیں ہے۔ اس لئے بعض علمائے فروع دین میں اول ذکر چھ کو تصور کرتے ہیں۔  
 نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، خمس، جہاد۔ بقیہ چاروں کو فروع دین میں شامل نہیں کرتے  
 ہیں، کیونکہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، خمس، جہاد۔ یہ وہ فرائض ہیں کہ جن کی ادائیگی کیلئے  
 اوقات اور افعال مخصوص ہیں۔ ان مخصوص اوقات اور افعال کا خیال نہ رکھا جائے تو یہ  
 فرائض ادا نہیں ہو سکتے۔ اس کے برعکس امر بالمعروف، نہی عن المنکر، تولّٰ اور تبرّٰ کی  
 ادائیگی کیلئے کوئی خاص واجبی طریقہ نہیں بتایا گیا ہے۔

شیعہ اثنا عشریہ بھی دیگر شیعہ فرقوں کی طرح امامت کو اصول دین میں سے  
 قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک ائمہ اہل بیت کی کل تعداد بارہ ہے جس کو رسول  
 اکرم ﷺ نے خود اپنی متعدد احادیث کے ذریعے سے متعین فرمایا ہے۔ شیعہ



## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

اسماعیلیہ اور اثنا عشریہ دونوں ائمہ کی تعداد کو بارہ بیان کرنے والی احادیث سے انکار نہیں کرتے۔ شیعہ اسماعیلیہ ان احادیث کو تاویلی شکل کے ساتھ بارہ ائمہ کی تعداد کو قبول کرتے ہیں۔ بارہ ائمہ کی روایات کو قدیم و جدید شیعہ، سنی اور اسماعیلی مورخین نے نقل کی ہے۔

نمبر شمار	نام امام	تاریخ ولادت	تاریخ متوفی	مدت امامت
۱۔	حضرت علی بن ابی طالب	۳۰ رجب ۳۰ عام الفیل	۴۰ھ	۲۹ سال
۲۔	حضرت حسن بن علی	۱۵ رمضان ۳ھ	۴۴ھ	۱۰
۳۔	حضرت حسین بن علی	۳ شعبان ۴ھ	۶۰ھ	۱۱
۴۔	حضرت علی بن حسین	۵ شعبان ۳۸ھ	۹۴ھ	۳۵
۵۔	حضرت محمد الباقر	۷ رجب ۵۷ھ	۱۱۳ھ	۱۹
۶۔	حضرت جعفر الصادق	۷ ربیع الاول ۸۳ھ	۱۴۸ھ	۳۴
۷۔	حضرت موسیٰ کاظم	۷ صفر ۱۲۸ھ	۱۸۳ھ	۳۵
۸۔	حضرت علی الرضا	۱۱ ذی القعدہ ۱۴۸ھ	۲۰۲ھ	۲۰
۹۔	حضرت محمد تقی	۱۰ رجب ۱۹۵ھ	۸۱۱ھ	۱۸
۱۰۔	حضرت علی التقی	۱۵ ذی الحجہ ۲۱۳ھ	۲۶۰ھ	۱۴
۱۱۔	حضرت حسن العسکری	۸ ربیع الثانی ۲۳۲ھ	۲۶۰ھ	۶
۱۲۔	حضرت محمد المہدی	۱۵ شعبان ۲۵۵ھ	زندہ اور پردہ غیبت میں ہیں۔	

شیعہ اثنا عشری عقیدہ کے مطابق ان کے آخری امام پانچ برس کی عمر میں عراق کے شہر ”سرمن رائی“ کے ایک غار میں غائب ہو گئے ہیں اور حالت غیبت

## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

میں اب تک زندہ ہیں۔ شیعہ بڑی تمناؤں سے ان کے ظہور ثانی کیلئے چشم براہ ہیں، تاکہ وہ آکر عالمی خلافت کو نئے سرے سے قائم اور نوع انسانی کا تزکیہ کریں۔ انہیں امام غائب، امام منتظر اور امام قائم کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ غیبت امام زمانہ میں شیعہ حضرات حوزیہ علمیہ سے فارغ التحصیل وہ علماء جو درجہ اجتہاد کو پہنچتے ہیں، ان میں سے کسی مجتہد اعلیٰ کی تقلید کرتے ہیں۔ تقلید کے معنی اور مفہوم پر بحث کرنا ہمارے موضوع کا حصہ نہیں ہے۔ بہر حال شیعہ دین کے بنیادی عقائد میں تقلید کو جائز تصور نہیں کرتے ہیں، بلکہ دین کے فروعی فقہی احکام میں تقلید کو نہ صرف جائز سمجھتے ہیں بلکہ واجب تصور کرتے ہیں۔ یعنی اصول دین میں اعتقاد اور فروع دین میں تقلید ہے۔ شیعیت میں علماء کی باضابطہ تقلید کب اور کس طرح شروع ہوئی؟ اجتہاد کا سلسلہ کب سے شروع ہوا؟ علماء کی مرجعیت کا مروجہ طریقہ کس طرح سے منظم ہوا؟ یہ تمام تفصیل طلب موضوعات ہیں، جن پر ہم اس کتاب میں بحث نہیں کر رہے ہیں۔



تمام شیعہ فرقوں کے عقیدے کے مطابق زمین حجت خدا سے خالی نہیں رہتی۔ اس لئے ہر زمانے میں امام کا ہونا ضروری ہے۔ شیعہ اثنا عشری نظریے کے مطابق حضرت مہدی بن حسن عسکری کائنات میں حجت خدا ہیں۔ آپ کی غیبت میں آپ کے حکم اور فرمان کے مطابق علماء اور فقہاء زمین میں حجت خدا ہیں۔ یوں یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت مہدی بن حسن عسکری کی ۳۲۹ھ میں غیبت کبریٰ کے شروع ہوتے ہی شیعیت میں علماء کی مرجعیت کی ضرورت پیش آئی ہے۔ خود حضرت مہدی بن حسن عسکری نے اپنے ماننے والوں کو فقہاء کی طرف رجوع کرنے کو کہا ہے۔ شیعہ



## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

اپنے ائمہ اہل بیت سے اس حوالے سے متعدد روایات نقل کرتے ہیں۔ یہ روایات زیادہ تر محمد باقر، جعفر صادق، حسن عسکری اور مہدی بن حسن عسکری سے منسوب ہیں۔ جن میں ائمہ نے فقہاء کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ صاحب ”وسائل الشیعہ“<sup>۱</sup> باب نمبر ۱۱ میں حضرت محمد (مہدی) بن حضرت حسن عسکری کے فرمان کو نقل کرتے ہیں: ”اپنی زندگی میں جب تم نو ظہور، تازہ ایجاد مسائل سے دوچار ہو تو ان پر عمل درآمد کے قاعدوں سے واقف ہونے کے لئے ہماری حدیثیں بیان کرنے والوں سے رجوع کرو، کیونکہ یہ تم پر میری حجت اور میں خدا کی حجت ہوں۔“ بالکل اسی طرح سے شیعہ اثنا عشریوں کے گیارہویں امام نے فقہاء کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیتے ہوئے، ان فقہاء و علماء کو اپنی حجت قرار دیا ہے۔ ”پیش آنے والے حوادث (واقعات) میں ان کی طرف رجوع کرو جو ہماری جانب سے تم پر حجت ہیں اور ہم خدا کی جانب سے ان پر حجت ہیں۔“ (۴۰)



اسی طرح کتاب ”اعلام الہدایۃ“ میں حضرت جعفر صادق سے ایسی ہی ایک دوسری روایت بیان کی ہے۔ ”تم لوگوں میں یہ دیکھا جائے گا کہ جو ہماری حدیثوں کو بیان کرتا ہے، حلال و حرام میں ہمارے احکام بتاتا ہے، پس تم لوگوں کو اس کا حکم ماننا ضروری ہے۔ بے شک میں نے اس کو تمہارے اوپر حاکم مقرر کیا ہے۔ اگر وہ ہمارے حکم کے مطابق حکم کرے اور اس کو نہ سنا جائے پس یہ اللہ اور

۱۔ مذہب تشیع کی حدیث کی ایک بنیادی اور اہم کتاب ہے۔ لیکن یہ کتاب شیعوں کی حدیث کی مشہور کتب جنہیں ”منابع اربعہ“ اور ”اصول اربعہ“ کہا جاتا ہے، ان میں شامل نہیں ہے۔ جس طرح مذہب اہل تشیع کی اہم حدیث کی کتاب ”موطا امام مالک“ احادیث کی اہم منابع ”صحاح ستہ“ میں شامل نہیں ہے۔ وسائل شیعہ کا شیعوں میں وہی رتبہ ہے اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو سنوں میں موطا امام مالک کا ہے۔

## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

ہمارے حکم نہ ماننے اور ہم سے منہ موڑنے کے مترادف ہے۔ جو ہم سے منہ موڑتا ہے، وہ اللہ سے منہ موڑتا ہے اور اللہ سے شرک کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔“ (۴۱)

جن فقہاء کی تقلید کی جاتی ہے، وہ امام کی طرف سے ان کے ماننے والوں کے لئے حجت ہیں۔ لیکن یہ فقہاء حجت ہونے کی وجہ سے امام کی طرح معصوم عن الخطا نہیں ہوتے ہیں، اس لئے لازم ہے کہ ایسے عالم کی تقلید کی جائے جو حداقل گناہان صغیرہ سے بھی پرہیز کر ﷺ جیسا کہ خود حضرت حسن عسکری نے بھی اس بات کی وضاحت فرمائی ہے۔ ”فقہاء میں سے جو اپنے نفسوں کو بچانے والا ہو، (متقی و پرہیزگار ہو) دین خدا کے حدود کا محافظ ہو، خواہشات نفسانی کی مخالفت کرے اور خدائی احکام و اوامر کی پابندی کرے تو عوام پر واجب ہے کہ اس کی تقلید کریں اور یہ صفات فقط ہمارے بعض پیروکار فقہاء میں ہیں نہ کہ سب فقہاء میں۔“ (۴۲)



اسلامی رسم و رواج اور اس کی ادائیگی میں مسلک شیعہ اسلامی دنیا میں ایک مخصوص اور ممتاز مقام رکھتا ہے۔ خصوصاً عزاداری حسین بن علی کو اسلامی جوش اور جذبہ کے ساتھ منایا جاتا ہے، جس کے حوالے سے یہ اپنی طول تاریخ میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ عزاداری کو یہ شعائر اللہ میں سے قرار دیتے ہیں۔ دنیا میں شیعیت کی تبلیغ کا یہ موثر ترین ذریعہ بھی ہے۔

شیعہ علی بن ابی طالب کو دیگر خلفاء راشدین پر فضیلت دیتے ہیں کیونکہ پیغمبر خدا ﷺ نے ائمہ اہل بیت کی فضیلت کو متعدد احادیث میں متواتر بیان کیا

## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

ہے۔ اسی طرح علی بن ابی طالب اور ائمہ اہل بیت کی ولایت کا نظریہ بھی رکھتے ہیں۔ اسی لئے شیعہ کے نزدیک کوئی مسلمان مؤمن نہیں بن سکتا ہے، جب تک کہ وہ علی کی ولایت کا اقرار نہ کرے اور یہ تسلیم نہ کرے کہ امت کی قیادت کا حق رسول کی رحلت کے بعد علی کا تھا اور حضرت علی تمام تر خصوصیات میں رسول اللہ کے بعد افضل ترین شخصیت ہیں۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ اور آپ کی اولاد کی محبت کو بنی نوع انسان پر فرض کیا ہے۔ جیسا کہ آیت اللہ جعفر سبحانی رقم طراز ہیں۔ ”انّ قیادة الامة لعلی بعد الرسول ﷺ و انه یقوم مقامه فی کل ما یمت الیہ سوى النبوة و نزول الوحی ولیہ. کل ذلک بتنصیص من الرسول، و علی ذالک فالمقوم للتشیع و رکنه الرکن هو القول بالصایة والقیادة بجمیع شئونہا للامام فالتشیع هو الاعتقاد بذالک، و اما ما سوى ذالک فلیس مقوماً لمفہوم التشیع ولا یدور علیہ اطلاق الشیعة۔ (۴۳) بے شک وہ قوم جو رسول کے بعد علی کی قیادت کو تسلیم کرتی ہو۔ اور آپ کو رسول اللہ کا نبوت اور نزول وحی کے علاوہ ہر حوالے سے قائم مقام مانتی ہو۔ کیونکہ یہ تمام باتیں رسول خدا سے بالصریح ثابت ہیں، اس صورت میں تشیع کی بنیاد اور اساس اس بات پر ہے کہ وصایت و قیادت کے تمام معاملات حضرت علی کیلئے ہیں اور یہی شیعہ کا عقیدہ ہے اور ان باتوں کے علاوہ شیعہ کسی اور کو نہیں کہا جاسکتا ہے۔“ یہی وجہ ہے کہ شیعہ اپنے کلمہ میں اس کا اقرار کرتے ہیں اور کہتے ہیں: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ۔ اللہ کے سوا



## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

کوئی معبود نہیں۔ حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں۔ حضرت علی اللہ کے ولی ہیں اور رسول اللہ کے وصی ہیں۔ یہی کلمہ مذہب شیعہ کی اساس اور بنیاد ہے۔

(1/10) فرقہ شیعہ اسماعیلیہ

مذہب اثنا عشریہ کے تعارف میں اس بات کا ذکر کیا گیا کہ حضرت جعفر صادق کے بعد شیعیت دو دھروں میں تقسیم ہوئی۔ بعض شیعوں کا نظریہ تھا کہ حضرت جعفر صادق کے بڑے بیٹے اسماعیل ان کے جانشین تھے۔ حضرت جعفر صادق نے ان پر امامت کیلئے نص کی تھی۔ تیسری صدی کے آخری عشروں میں حضرت اسماعیل کی امامت کے قائل لوگوں کے نظریات منظر عام پر آئے تو یہیں سے یہ لوگ شیعہ اسماعیلی سے موسوم ہو گئے۔ اب یہ فرقہ صرف اسماعیلیہ ہی سے پہچانا جاتا ہے۔ مذہب اسماعیلیہ عقیدہ امامت کے قائل ہونے کی بناء پر شیعیت کی ایک شاخ ہے۔ البتہ اصل نزاع صرف اس بات پر ہے کہ اسماعیلیوں کے نظریے کے مطابق حضرت اسماعیل حضرت جعفر صادق کے جانشین ہیں کیونکہ حضرت جعفر صادق نے آپ پر نص کی تھی جبکہ شیعہ اثنا عشری کہتے ہیں کہ حضرت اسماعیل کا انتقال حضرت جعفر صادق کی زندگی میں ہی ہو گیا تھا۔ حضرت جعفر صادق نے مدینہ کے کئی اشخاص کو بلا کر اسماعیل کی موت کی تصدیق کرا دی تھی۔ (۴۴) اس کے برعکس اسماعیلی حضرت اسماعیل کی موت کا ان کے والد کی حیات میں ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ”حضرت امام جعفر صادق نے حضرت اسماعیل پر نص کرنے کے بعد عباسی خلیفہ منصور کے ظالمانہ رویے کی وجہ سے انہیں خفیہ طور پر سلمیہ (شام میں ایک شہر کا نام ہے) بھیج دیا جہاں آپ نے نہایت خفیہ طور پر زندگی گزاری اور دعوت



## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

کے کام کو جاری رکھا۔ یہاں تک کہ خفیہ زندگی گزارنے کی وجہ سے مکتوم کے لقب سے ملقب ہوئے اور یہیں سے اسماعیلی نظریہ کے مطابق ”دور ستر“ کا آغاز ہوتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق کے بعد حضرت امام اسماعیل اور ان کے جانشین اماموں نے عباسی خلفاء کے اہل بیت پر ظلم و ستم کی وجہ سے نہایت ہی خفیہ طور پر زندگی بسر کی۔ اس لئے یہ دور اسماعیلی تاریخ میں ”دور ستر“ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دور حضرت اسماعیل سے شروع ہوتا ہے اور گیارہویں امام حضرت امام عبداللہ المہدی کے ظہور پر ختم ہوتا ہے۔ اس دور میں سوائے بڑے بڑے داعیوں کے امام کی رہائش کا کسی کو علم نہ تھا۔“ (۴۵)



تسلل امامت کے قائل اسماعیلی عروج و زوال سے گزرتے ہوئے ۲۹۷ھ میں شمالی افریقہ میں ایک اسماعیلی حکومت اور ریاست ’خلافت فاطمیہ‘ کے نام سے قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ قیام سلطنت فاطمیہ کے ۱۹۰ سال گزرنے کے بعد امامت کی صحیح جانشینی کے حوالے سے اسماعیلیت میں اختلافات شروع ہوئے اور آخر کار امام مستنصر کی وفات کے بعد ۴۸۸ھ میں متحدہ اسماعیلیہ دو حریف گروپوں میں تقسیم ہو گئی۔ امام مستنصر باللہ کے دو بیٹے احمد اور نزار دونوں نے امامت کا دعویٰ کیا تھا۔ ان ہی ناموں کی مناسبت سے یہ دونوں گروہ نزاریہ اور مستعالیہ کے ناموں سے پہچانے جاتے ہیں۔ حضرت علی سے حضرت مستنصر باللہ تک ائمہ کی تعداد کے حوالے سے دونوں فرقوں میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے۔ البتہ مصداق امام میں بعض مواقع میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مستعالیہ حضرت علی بن ابی طالب کو اساس الائمہ کا درجہ دیتے ہیں اور امام اول حضرت حسن بن علی کو قرار

## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

دیتے ہیں۔ جبکہ زاریہ حضرت علی بن ابی طالب کو امام اول سمجھتے ہیں، لیکن حضرت حسن کو امام مستودع قرار دے کر ائمہ کی فہرست میں آپ کو شامل نہیں کرتے ہیں۔ بہر حال دونوں فرقوں کے مطابق حضرت حسین بن علی دوسرے امام ہیں اور اس کے بعد اٹھارویں امام تک دونوں فرقے متفق ہیں۔ اس کے بعد ائمہ کے مصداق دو الگ الگ سلسلوں میں جاری رہتے ہیں۔ دونوں فرقوں کی ائمہ اہل بیت کی فہرست درج ذیل ہے۔

نمبر شمار	نام امام	تاریخ ولادت	تاریخ متوفی	مدت امامت
۱۔	حضرت علی ابن ابی طالب	۳۰ عام الفیل	۴۰ھ	۲۹ سال
(حضرت علی ابن ابی طالب فرقہ زاریہ کے امام اول ہیں)				
۲۔	حضرت حسن بن علی	۳ھ	۴۲ھ	۱۰ سال
(حضرت حسن بن علی فرقہ مستعلیہ کے امام اول ہیں)				
۳۔	حضرت حسین بن علی	۴ھ	۶۰ھ	۲۱ سال
۴۔	حضرت علی بن حسین	۳۸ھ	۹۲ھ	۳۳ سال
۵۔	حضرت محمد الباقر	۵۵ھ	۱۱۳ھ	۲۰ سال
۶۔	حضرت جعفر الصادق	۸۳ھ	۱۴۸ھ	۳۴ سال
۷۔	اسماعیل بن جعفر	۱۱۰ھ	---	---
۸۔	محمد بن اسماعیل	۱۳۲ھ	۱۹۷ھ	مختلف
(حضرت محمد بن اسماعیل فرقہ قرامطہ کے آخری اور ساتویں امام ہیں)				
۹۔	عبداللہ بن محمد	۱۷۹ھ	۲۱۲ھ	۱۵ سال



## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

۱۰۔	احمد بن عبداللہ تفتی	۱۹۸ھ	۲۲۵ھ	۱۳ سال
۱۱۔	حسین بن احمد الرضی	۲۱۲ھ	۲۶۱ھ	۳۶ سال
۱۲۔	عبداللہ المہدی	۲۵۹ھ	۳۲۲ھ	۶۱ سال
۱۳۔	ابوالقاسم محمد القائم بامر اللہ	۲۸۰ھ	۳۳۴ھ	۱۱ سال
۱۴۔	ابوطاہر اسماعیل المنصور باللہ	۳۰۳ھ	۳۴۱ھ	۷ سال
۱۵۔	ابو تمیم محمد العزیز بن اللہ	۳۱۹ھ	۳۶۵ھ	۲ سال
۱۶۔	ابو منصور زرار العزیز باللہ	۳۴۴ھ	۳۸۶ھ	۲۱ سال
۱۷۔	ابو علی منصور الحاکم بامر اللہ	۳۷۵ھ	۴۱۱ھ	۲۴ سال

(حضرت حاکم بامر اللہ فرقہ دروزیہ کے آخری امام ہیں)

۱۸۔	ابو الحسن علی الظاہر لاعزادین اللہ	۳۹۵ھ	۴۲۷ھ	۱۵ سال
۱۹۔	ابو تمیم محمد المستنصر باللہ	۴۲۰ھ	۴۸۷ھ	۶۰ سال

اٹھارویں امام حضرت مستنصر باللہ شیعہ اسماعیلیہ نزاریہ اور اسماعیلیہ مستعالیہ کے آخری متفقہ امام ہیں۔ آپ کے بعد آپ کے جانشین میں اختلاف پیدا ہوا، جس کے نتیجے میں شیعہ اسماعیلیہ مذکورہ دو حصوں میں منقسم ہوئے ہیں۔ فرقہ نزاریہ کے بقیہ ائمہ کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

۱۹۔	نزار المصطفیٰ باللہ	۴۳۷ھ	۴۹۰ھ	۳ سال
۲۰۔	علی الہادی	۴۷۰ھ	۵۳۰ھ	۴۰ سال
۲۱۔	محمد المہدی	۵۰۰ھ	۵۵۲ھ	۲۲ سال
۲۲۔	حسن القاہر	۵۲۰ھ	۵۵۷ھ	۵ سال



## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

۲۳۔	احسن علی ذکرہ السلام	۵۳۹ھ	۵۶۱ھ	۴ سال
۲۴۔	آعلامحمد (نورالدین)	۵۵۳ھ	۶۰۷ھ	۴۶ سال
۲۵۔	جلال الدین حسن	۵۷۲ھ	۶۱۸ھ	۱۱ سال
۲۶۔	علاء الدین	۶۰۸ھ	۶۵۳ھ	۳۵ سال
۲۷۔	رکن الدین خورشاه	۶۲۹ھ	۶۵۴ھ	۱ سال
۲۸۔	شمس الدین محمد	۶۳۳ھ	۷۱۰ھ	۵۶ سال
۲۹۔	قاسم شاہ	۶۹۰ھ	۷۷۱ھ	۶۱ سال
۳۰۔	اسلام شاہ	۷۴۵ھ	۸۲۷ھ	۵۶ سال
۳۱۔	محمد بن اسلام شاہ	۷۷۲ھ	۸۶۸ھ	۴۱ سال
۳۲۔	مستنصر باللہ دوم	۷۷۰ھ	۸۸۰ھ	۱۲ سال
۳۳۔	محمود عبدالسلام شاہ	۸۱۴ھ	۸۹۹ھ	۱۹ سال
۳۴۔	غریب مرزا	۸۱ھ	۹۰۲ھ	۳ سال
۳۵۔	ابوذر علی	۸۴۲ھ	۹۱۵ھ	۱۳ سال
۳۶۔	مراد مرزا	۸۶۸ھ	۹۲۰ھ	۵ سال
۳۷۔	ذوالفقار علی	۸۸۶ھ	۹۲۲ھ	۲ سال
۳۸۔	نور الدین شاہ علی	۸۹۳ھ	۹۵۷ھ	۳۵ سال
۳۹۔	خلیل اللہ علی	۹۳۲ھ	۹۹۳ھ	۳۴ سال
۴۰۔	شاہ نزار دوم	۹۷۲ھ	۱۰۳۸ھ	۴۵ سال
۴۱۔	شاہ سید علی	۱۰۱۵ھ	۱۰۷۱ھ	۳۳ سال





## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

۳۲۔	حسن علی	۱۰۴۲ھ	۱۱۰۶ھ	۳۵ سال
۳۳۔	قاسم علی	۱۰۹۰ھ	۱۱۴۳ھ	۳۵ سال
۳۴۔	ابوالحسن علی	۱۱۱۵ھ	۱۱۹۴ھ	۵۰ سال
۳۵۔	شاہ خلیل اللہ سوم	۱۱۵۳ھ	۱۲۳۳ھ	۳۷ سال
۳۶۔	حسن علی شاہ آغا خان اول	۱۲۱۹ھ	۱۲۳۳ھ	۶۴ سال
۳۷۔	علی شاہ آغا خان دوم	۱۲۴۶ھ	۱۳۰۲ھ	۴ سال
۳۸۔	سلطان محمد شاہ آغا خان سوم	۱۲۹۴ھ	۱۳۷۷ھ	۷۲ سال
۳۹۔	شاہ کریم الحسینی آغا خان چہارم	۱۳۵۳ھ	جاری	

(فرقہ مستعالیہ کے بقیہ ائمہ کے نام مندرجہ ذیل ہیں)

فرقہ مستعالیہ کے بقیہ ائمہ کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

۱۹۔	ابوالقاسم احمد بن معدا المستعلی باللہ	۲۶۷ھ	۲۹۵ھ	۸ سال
۲۰۔	ابوعلی منصور الامر باحکام اللہ	۳۹۰ھ	۵۲۴ھ	۲۹ سال
۲۱۔	ابوالقاسم طیب	۵۲۴ھ	(حالت غیبت میں آپ کی نسل سے امامت	

(جاری ہے)

امام کی غیبت کے نظریہ میں شیعہ فرقوں میں اختلاف نہیں ہے لیکن غیبت کی تشریحات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ شیعہ اثنا عشریہ کے نزدیک حضرت محمد بن حسن عسکری بارہویں امام کی حیثیت سے پردہ غیب میں ہیں، حالت غیبت میں زندہ ہیں اور بحکم خدا ظہور فرمائیں گے۔ اس سلسلے میں شیعہ اثنا عشریہ رسول اللہ سے متعدد احادیث کو نقل کرتے ہیں۔ جس کا مصداق حضرت محمد بن حسن عسکری کو قرار دیتے



## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

ہیں اور خود حضرت محمد بن حسن عسکری نے اپنی غیبت صغریٰ کے خاتمہ پر ایک توقع جاری کی، جس میں آپ نے اپنی غیبت صغریٰ کا خاتمہ اور غیبت کبریٰ کا اظہار فرمایا۔ جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ شیعہ اثنا عشریہ کے نظریہ کے برعکس شیعہ مستعلیہ کے اکیسویں امام غیبت میں چلے گئے ہیں۔ یہ لوگ غیبت امام کے حوالے سے وارد شدہ احادیث کا مصداق حضرت طیب کو قرار دیتے ہیں البتہ حضرت طیب نے خود اپنی غیبت کی توضیح و تشریح پیش نہیں کی ہے۔ بہر حال طیبی مستعلیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت طیب دور ستر کے پہلے امام ہیں۔ جیسا کہ فرہاد دفتری رقم طراز ہیں۔ ”طیبیوں کا عقیدہ ہے کہ الطیب زندہ تھے اور امامت ان کی نسل میں جاری رہی ہے اور ستر کے اس دور میں جس کا آغاز الطیب کی غیبت سے ہوا انساب بعد نسل باب سے بیٹے کی طرف منتقل ہوتی آئی ہے۔“ (۴۶) پس مصداق و تشریحات میں اختلاف کے باوجود شیعہ اثنا عشریہ اور مستعلیہ دونوں غیبت کے عمومی مسئلے میں متفق ہیں اور اسی طرح حالت غیبت میں نائب امام کے وجود میں بھی عمومی طور پر اتفاق نظر آتا ہے، البتہ نائب امام کی خصوصیات اور شرائط میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جس شیعہ اثنا عشریہ کے بارہویں امام غیبت صغریٰ میں گئے تھے تو آپ کے چار نائبین تھے، جو آپ اور آپ کے ماننے والوں کے درمیان وسیلہ اور ذریعہ تھے، جنہیں نواب اربعہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح شیعہ مستعلیہ کے آخری (ظاہری) امام حضرت ابوالقاسم طیب جب ستر (غیبت) میں چلے گئے تھے تو یکے بعد دیگرے چار نائبین ایسے گذرے، جنہوں نے مصر میں دولت فاطمیہ کو باقی رکھا۔ ان چاروں میں آخری نائب امام حضرت عاصد پر خلافت فاطمیہ کا خاتمہ ہوا۔ ڈاکٹر زاہد علی کے



## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

### ﴿باب اول﴾

مطابق ان چاروں میں پہلے اور آخری دونوں نے امام سے غداری کی۔ پہلا نائب امام جس کو حضرت امام آمر نے ”الحافظ لدین اللہ“ کا لقب بھی دیا تھا، یہ شخص حضرت طیب کے رشتے میں پچازاد بھائی بھی لگتے تھے اس کے باوجود انہوں نے سب سے پہلے حضرت طیب سے غداری کی، اہم بات یہ ہے کہ پہلے نائب حضرت حافظ کے دور میں وزیر ابوعلی احمد نے اسماعیلی مذہب کو موقوف کر کے مذہب اثنا عشریہ کو رائج کیا تھا اور شیعہ اثنا عشریہ کے بارہویں امام حضرت محمد بن حسن عسکری کی امامت کے سکتے جاری کئے تھے۔ امام طیب کی غیبت پر چلے جانے کے ساتھ ہی آپ کے معتمد ساتھیوں نے فوراً مذہب اثنا عشریہ کو کیوں اختیار کیا اور پھر فوراً ہی مذہب اثنا عشریہ کو کیوں نافذ کیا؟ کیوں مذہب اثنا عشریہ کے بارہویں امام حضرت محمد مہدی کے نام سکتے جاری کئے؟ جبکہ اس وقت مذہب اثنا عشری کی کوئی ایسی قابل ذکر شخصیت سرزمین مصر میں نہیں تھی اور نہ ہی ایسا کوئی پریشر گروپ موجود تھا۔ ایسی کوئی وجہ نہیں ملتی ہے کہ یہ کہا جاسکے کہ امام طیب کے داعیوں نے مجبور ہو کر امام طیب کی غیبت کے ساتھ مذہب اثنا عشری کو اختیار کیا ہے بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عبد اللہ شیعہ اور اس کے بھائی عباس نے جس سلطنت کی بناء رکھی تھی، وہ مذہب اثنا عشریہ کے نظریات کے مطابق رکھی گئی تھی لیکن عبد اللہ شیعہ اور ان کے بھائی کے قتل اور مذہب اسماعیلیہ کے ائمہ کی امامت کے اجراء کے بعد مذہب اثنا عشریہ کے چیدہ چیدہ لوگوں نے اپنے کو تقیہ میں رکھا اور یہی لوگ رفتہ رفتہ فاطمی ریاست کے اہم عہدوں میں فائز رہے، بلکہ وزارت عظمیٰ کا عہدہ ان ہی کے پاس رہا۔ نزار اور مستعال کی امامت میں تنازع اور پھر حضرت نزار کو امامت اور امارت فاطمیہ سے دور کرنے



## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ ﴿باب اول﴾

میں جن لوگوں نے اہم کردار ادا کیا تھا ممکن ہے کہ یہ لوگ درپردہ مذہب اثنا عشریہ کے طرفدار ہوں کیونکہ ایسا ہونا ممکنات میں سے تھا۔ کیوں ان ادوار میں ان دو طرف کے شیعوں میں مذہب پر عمل پیرا ہونے کے حوالے سے زیادہ اختلاف اور فرق نہیں پایا جاتا تھا۔ دونوں میں مذہبی اقدار میں بہت زیادہ مماثلت پائی جاتی تھی۔ ان مماثلت میں فاطمین کی ریاست کے اہم عہدوں پر فائز شخصیات میں بعض کا شیعہ اثنا عشری ہونے سے انکار کرنا ممکن نہیں ہے۔ وجوہات کچھ بھی ہوں، یہ بات واضح ہے کہ جس وقت صلاح الدین ایوبی نے مصر میں خلافت فاطمیہ کا خاتمہ کیا، اس وقت مصر میں سرکاری طور شیعہ اثنا عشریہ مذہب رائج تھا۔ لہذا صلاح الدین ایوبی نے مصر سے مذہب شیعہ اسماعیلیہ کا نہیں بلکہ مذہب شیعہ اثنا عشریہ کا خاتمہ کیا ہے۔

(1/11) فرقہ شیعہ اسماعیلیہ مستعالیہ

مستعالیہ اور نزاریہ دو الگ الگ گروہوں میں تقسیم ہونے کے باوجود یکساں نظریات اور عقائد کے حامل تھے لیکن مرور زمانہ ان میں بہت زیادہ نظریاتی اختلافات پیدا ہوئے، جس کی وجہ سے اسماعیلیہ کے موجودہ ان دونوں گروہوں میں کسی حوالے سے بھی آپس میں اتحاد اور اتفاق نظر نہیں آتا ہے۔ اسماعیلیہ مستعالیہ ۵۲۴ھ میں امام الامر کی وفات کے بعد امام کی صحیح جانشینی میں ایک دفعہ پھر حافظی اور طیبی فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ تقریباً ۵۶۷ھ میں حافظی اسماعیلی ختم ہوئے، جبکہ طیبی اسماعیلی امام طیب کی غیبت کے قائل ہوئے اور امام کے نائبین (جن کو یہ داعی مطلق کے ناموں سے پکارتے ہیں) سے اپنے آپ کو منسلک رکھا، لیکن دسویں صدی کے اواخر میں داعی کے منصب پر اختلافات پیدا ہوئے اور آخر کار ایک بار پھر



## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

داؤدی اور سلیمانی ناموں سے دو ذیلی فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ طیبی داؤدی فرقہ پاکستان میں بوہرا کے نام سے مشہور ہے۔ یہ لوگ سب کے سب اسماعیلی مستعالی طیبی داؤدی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ اسلام کے ظواہرات پر سختی سے عمل پیرا رہتے ہیں۔ البتہ اپنی عبادت گاہوں کو مسجد کے علاوہ جماعت خانہ بھی کہتے ہیں اور غیر بوہروں کو ان جماعت خانوں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔ جامعہ سیفیہ سورت انڈیا اور جامعہ سیفیہ کراچی پاکستان، یہ دو ہی بڑے دینی مدارس ہیں، جہاں پر رسمی دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان اداروں سے فارغ تحصیل طلباء پوری دنیا میں طیبی شیعوں کیلئے بطور مبلغ اور معلم دین کی خدمات انجام دیتے ہیں۔ ان کے موجودہ داعی حضرت محمد برہان الدین بن طاہر سیف الدین ہیں۔ یہ اپنے داعیوں کو منصوص کا درجہ دیتے ہیں اور تمام اجتہادی کاموں میں انھیں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ البتہ رسمی فقہی مسائل کیلئے مشہور فقہی کتاب 'دعائم الاسلام' کو مستند مواد اور رسالہ عملیہ سمجھتے ہیں۔ پاکستان میں بڑی تعداد میں اس فرقے کے ماننے والے بستے ہیں جبکہ ان کے برعکس سلیمانی نظریات کے حامل لوگ (قلیل تعداد میں) یمن میں دور حاضر میں بھی موجود ہیں۔ داعیوں کی قدرے تفصیل باب چہارم میں آئے گی۔



(1/12) فرقہ شیعہ اسماعیلیہ نزاریہ

نزاریہ فرقہ کے امام حضرت نزار کو مستعالیہ نے امام مستعال کے خلاف بغاوت کرنے کے جرم میں ۴۸۸ھ میں قتل کر دیا اور آپ کے مریدوں کو ملک بدر کیا۔ دولت فاطمہ کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) داعی قاضی نعمان نے تحریر کی تھی۔

## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

گیا۔ یہ لوگ مختلف مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے ایک بار پھر شمالی ایران میں ایک ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اس ریاست کا بانی حسن صباح تھا۔ ۱۶۶ سال قائم رہنے کے بعد یہ ریاست مغلوں کی یلغار کی وجہ سے اختتام کو پہنچی۔ تاریخ ائمہ اسماعیلیہ میں تحریر ہے۔ ”قلعہ الموت پر تاتاری قبضے سے اسماعیلی ریاست جو تقریباً ۱۷۱ سال پہلے قائم ہوئی تھی، ختم ہوئی۔ مغلوں کی بربریت اور اسماعیلی ریاست کی تباہی شیعہ زاریوں کو تاریخ کے اوراق سے نہیں مٹا سکی۔ کیونکہ تاتاریوں کے قلعہ الموت پر حملے سے پہلے الموت کے آخری امام حضرت رکن الدین خورشاہ اپنے فرزند حضرت امام شمس الدین محمد کو ایران کے شہر آذر بایجان بھیج چکے تھے۔“ (۴۷) رکن الدین خورشاہ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے شمس الدین محمد ۶۵۵ھ میں مسند امامت پر جلوہ افروز ہوئے۔ شمس الدین محمد کے تین فرزند قاسم شاہ، مؤمن شاہ اور کیا شاہ تھے۔ قاسم شاہ آپ کے جانشین امام ہوئے تو انہوں نے (بھائی) مؤمن شاہ کو شام میں دعوت کیلئے بھیجا تو مؤمن شاہ نے وہاں جا کر دعوت کا نظام بھی سنبھالا اور ساتھ ہی اپنی امامت کا دعویٰ کیا۔ امام قاسم شاہ نے ان کو امامت کے دعویٰ کرنے پر کوئی کارروائی کی ہو، اس حوالے سے کوئی مواد نہیں ملتا ہے۔ ممکن ہے کہ امام قاسم شاہ نے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی ہو۔ حالات کے پیش نظر وہ اس پوزیشن میں ہی نہ ہوں کیونکہ اولاً تو وہ خود خفیہ زندگی گزار رہے تھے۔ وہ کس طرح ان کو امامت کا دعویٰ کرنے سے روکتے۔ دوسری بات یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مؤمن شاہ نے امام ہونے کا دعویٰ نہ کیا ہو بلکہ ان کے مرنے کے بعد لوگوں نے انہیں امام سمجھا ہو۔ یہ اس لئے بھی ہو سکتا ہے کہ قاسم شاہ تقیہ میں ہونے کی وجہ سے امامت کا اعلان



## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

### ﴿باب اول﴾

نہیں کر رہے تھے تو مؤمن شاہ نے بھی اس راز کو فاش نہ کیا ہوا اور دنیا سے رخصت ہوئے ہوں۔ بہر حال وجوہات کچھ بھی ہوں، شمس الدین کے بعد نزاری مسلک امامت کے مسئلے میں دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ مؤمن شاہ کو امام ماننے والے شیعہ نزاری محمد شاہی کہلائے۔ یعنی مؤمنیہ کے مطابق امامت مؤمن شاہ کی نسل میں چلی۔ جیسا کہ جعفر سبحانی لکھتے ہیں۔ ”النزاریۃ المسموئیۃ الی ذہبت الی امامۃ مؤمن بن محمد ثم توالی الامامۃ فی نسلہ عبر العصور الی ان انتقلت الی الامام محمد بن حیدر (الامیر الباقر) (۱۱۷۹۔۱۲۱۰ھ) و هو آخر امام من أسرة مؤمن (۲۸)۔ نزاریہ مؤمنیہ فرقہ میں امامت مؤمن بن محمد میں آگئی اور ایک عرصے کے بعد ان ہی کے خاندان کے (بانیسواں) امام محمد بن حیدر (لاامیر الباقر) (۱۱۷۹۔۱۲۱۰ھ) کو امامت ملی، جو ہندوستان کے شہر اورنگ آباد میں ستر میں چلے گئے۔ وہیں سے ان کا سلسلہ امامت منقطع ہوا اور تقریباً یہ فرقہ اب مفقود ہو چکا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس فرقے سے تعلق رکھنے والے اسماعیلی بہت ہی قلیل تعداد میں شام کے پہاڑی علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔

مؤمن شاہی فرقے کے مقابلے میں قاسم شاہی سلسلے والوں میں امامت تاحال چل رہی ہے اور یہ لوگ دنیا کے تقریباً تمام ممالک میں شیعہ اسماعیلیہ (آغا خانی) کے نام سے پائے جاتے ہیں۔ آغا خان اسماعیلیوں کے چھالیسویں امام حسن علی شاہ کا لقب تھا، جو بادشاہ ایران کی طرف سے انہیں ملا تھا لیکن ۴۸ ویں امام نے اپنے پوتے شاہ کریم الحسنی پر امامت کیلئے نص کرتے وقت اس لقب کو



## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

recognise بھی کیا تھا۔ ”ہم اپنے پوتے کریم جو ہمارے فرزند علی سلمان خان کے بیٹے ہیں۔ ان کو آغا خان کے لقب اور اپنے شیعہ اسماعیلی مریدوں کے امام اور پیر کی حیثیت سے جانشین بننے کے لئے نامزد کرتے ہیں۔“ (۴۹)

شاہ کریم الحسینی اسماعیلیہ نزاریہ کے موجودہ اور انچاسویں امام ہیں۔ موجودہ اسماعیلیت کو سمجھنے کیلئے امام شاہ کریم الحسینی کی ایک تقریر کا اقتباس بہت اہم ہے، جو انہوں نے ۹ جنوری ۱۹۸۳ء کو ملائیشیا اور سنگاپور میں اپنی مسند نشینی کے موقع پر پیش کی تھی۔ ”اسماعیلی مسلمانوں کی امامت کی میری مسند نشینی کی یہ ۲۵ ویں سالگرہ ہے۔ اگرچہ آپ میں سے کچھ لوگ میری جماعت کے متعلق اچھی طرح باخبر ہیں، لیکن جو منصب میں سنبھالے ہوئے ہوں، اس کے بارے میں چند الفاظ کہنا مناسب ہوگا۔ اسماعیلی شیعہ مسلمان ہیں۔ جو اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کی وفات کے بعد مسلم ائمہ کی سربراہی کیلئے ان کے جانشین ان کے چچا زاد بھائی اور دادا حضرت علی تھے اور یہ سربراہی روحانی اور دنیاوی دونوں معاملات میں حضرت علی کے ذریعے نسل در نسل رسول ﷺ کے خاندان میں جاری رہنے والی تھی۔ آج ہم ان کے چند شیعہ فرقوں میں سے ایک ہیں۔ جس کی رہنمائی ایک موروثی امام کرتے ہیں۔ میرے دادا ۴۸ ویں امام تھے۔ میں ۴۹ امام ہوں۔ اسماعیلی ۲۵ سے زیادہ ممالک میں رہتے ہیں۔ جن میں افغانستان، انڈیا، پاکستان، شام، برطانیہ، امریکہ کینیڈا، جنوب مغرب چین، اسٹریلیا، انڈونیشیا اور یقیناً ملیشیا اور سنگاپور شامل ہے۔ تقریباً ڈیڑھ کروڑ کی اس جماعت کا امام ہونے کی ذمہ داری کی وجہ سے میں ضرورت کے تحت تمام قسم کے سماجی مسائل کا ایک طالب علم بن گیا





## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

### ﴿باب اول﴾

ہوں۔ میں یہ زور دیکر کہنا چاہوں گا کہ اسلام ایک ہمہ گیر دین ہے۔۔۔۔۔ میں ترقی پذیر اور ترقی یافتہ دنیا کے درمیان خلیج کو ختم کرنے میں مدد دینے کی توقع کی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ اعلیٰ تمنا امامت کیلئے خاص طور پر موزوں ہے۔“

مجموعی طور پر اسماعیلی نزاری اسلامی عقائد میں مسلمانوں سے اختلاف نہیں رکھتے ہیں۔ البتہ احکامات میں یہ کافی مختلف نظر آتے ہیں۔ کیونکہ عقائد اور اعمال کی بجا آوری حاضر امام کے احکامات کے تناظر میں ہوتا ہے۔ قرآن و احادیث کی حاضر امام کے روایات اور احکامات کے مطابق تشریح کرتے ہیں۔

کیونکہ اسماعیلیت کا مغز ”دین کو امام حاضر کی تشریح کے مطابق سمجھنا ہے“ یہی وجہ ہے کہ موجودہ نزاری اسماعیلی اسلام کے ظاہری احکام پر عمل امام کی تعبیر و تشریح کے مطابق کرتے ہیں۔ امام کے احکامات کے مطابق دین کی اصلیت، حقیقت اور



روح اس کا باطن ہے۔ یا رہے کہ اسماعیلیہ دین کے ظاہری احکام سے انکار نہیں کرتے ہیں بلکہ باطنی احکام کی طرح ظاہری احکام کو بھی اہم سمجھتے ہیں۔ قدیم اسماعیلی کے تمام فرقے شریعت کے احکام پر اسی طرح (استنباطی اختلافات کے ساتھ) سے عمل کرتے تھے جیسے دیگر مسلمان عمل کرتے ہیں، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج و زیارات وغیرہ بجالاتے تھے۔ آج بھی بہت سارے احکامات دین پر اسی طرح ہی عمل کرتے ہیں جس میں نکاح، تجہیز و تکفین، دفن و کفن وغیرہ جیسے احکام شامل ہیں۔ پاکستان کے شمالی علاقہ جات (گلگت و چترال) کے اسماعیلیوں میں سے ایک بڑی تعداد دیگر مسلمانوں کی طرح شریعت کے احکامات پر ظاہری عمل کرتے ہیں۔ عقائد اسماعیلیہ (تمام شیعہ فرقوں میں مشترک) میں اہم اصول یہ ہیں کہ ائمہ کو منصوص من

## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

اللہ سبحنا ضروری ہے اور انہیں نسل حضرت علی سے ہی ہونا بھی ضروری ہے۔ امام پر نص کا ہونا لازمی ہے یعنی سابقہ امام اپنے قائم مقام کا تعین کرے۔ تسلسل امامت کا ہونا بھی ضروری ہے لیکن نزاریوں کے علاوہ دیگر تمام اسماعیلی فرقوں میں امامت کا سلسلہ رک گیا ہے، جیسے قرامطہ سات (7) ائمہ کو مانتے ہیں حضرت محمد بن اسماعیل کو قائم القیامہ سمجھتے ہیں۔ دروزی سولہ (16) ائمہ کو مانتے ہیں۔ حضرت حاکم بالامر اللہ کو قائم القیامہ اور آخری امام سمجھتے ہیں۔ مستعالی اکیس (21) ائمہ کو مانتے ہیں۔ اکیسواں امام حضرت طیب کو امام غائب تصور کرتے ہیں۔ اسی طرح تمام شیعہ فرقوں کے نزدیک امامت بھائی سے بھائی کی طرف منتقل نہیں ہوتی ہے، سوائے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کے۔



مذہب اسماعیلیہ کے عقائد کی توجیہات زمانے کے تقاضے کے مطابق ہوتی رہی ہیں اور یہ توجیہات زیادہ تر فلسفیانہ اور تاویلی ہوتی ہیں۔ موجودہ اسماعیلی بھی اپنے عقائد کو فلسفیانہ انداز میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ایک عام انسان کو ان کے عقائد اور نظریات کو سمجھنا کافی دشوار ہے۔ امامت ان کے عقائد میں اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔ شیعہ اسماعیلی دین کے اصول اور فروع کا ایک منظم مجموعہ پیش کرتے ہیں، جنہیں سات ستون، دعائم الدین اور ارکان الدین کا نام دیا جاتا ہے اور اس مجموعہ کو حضرت جعفر صادق کی ایک حدیث کے مصداق قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ دعائم الاسلام کے مقدمہ میں تحریر ہے۔ ”امام جعفر الصادق سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ اسلام کی بنیاد سات ستونوں پر ہے۔ اول ولایت جو سب سے افضل ہے اور اسی ولایت دلی سے دوسرے تمام دعائم (ستون) کی

## شيعيت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

اصول دین اور فروع دین کی اس فہرست کو اکثر اسماعیلی مورخین نے نقل کیا ہے۔ جیسا کہ کتاب ”اعلام الاسماعیلیہ“ میں تحریر ہے کہ دعائم الدین کل سات ہیں۔ طہارۃ، صلاۃ، زکاۃ، صوم، حج، جہاد اور ولایت۔ لیکن اصول دین کی یہ فہرست قدیم کتب میں پائی جاتی ہے، جنہیں موجودہ اسماعیلی مستعالی فرقہ من عن قبول کرتا ہے اور ان پر عمل پیرا بھی ہے۔ جبکہ اس کے برعکس اسماعیلی نزاریہ کے تیسویں امام

کے یوم القیامہ کے اعلان اور اس کی فلسفیانہ توضیح کے بعد اب نزاری اسماعیلی شریعت اسلام کے احکامات پر دیگر مسلمانوں کی طرح عمل پیرا نہیں ہیں، جس کی وجہ سے اصول دین اور فروع دین کی مندرجہ بالا ترتیب کی جگہ میں فلسفیانہ تشریحات اصول اور فروع کی شکل میں نزاریوں کے پاس موجود ہے۔ اس حوالے سے علامہ نصیر الدین نصیر ہنزائی کی تالیفات کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔ خصوصاً ان کی کتاب ”سلسلہ نور امامت“ اس موضوع پر اہم ترین کتاب ہے۔ علامہ نصیر الدین ہنزائی دور حاضر کے مشہور اور معروف اسکالر ہونے کے علاوہ سینکڑوں کتابوں کے مصنف ہیں چونکہ موصوف خود اسماعیلی نزاری ہیں، اس لئے ان کی کتابوں سے اسماعیلیت کو بہتر انداز میں سمجھا جاسکتا ہے۔ موصوف نزاری مذہب کے موجودہ اصول دین اور فروع دین کے بارے میں رقم طراز ہیں۔ ”اصول دین چار ہیں؛ عقل کل، نفس کل، ناطق اور اساس۔ ان میں سے دو اصل؛ عقل کل اور نفس کل روحانی ہیں۔ دو اصل ناطق اور اساس جسمانی ہیں۔۔۔۔۔ فروع دین چھ ہیں؛ جدّ

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

### ﴿باب اول﴾

فتح، خیال، امام، حجت، داعی ان میں سے تین فرع: جد فتح اور خیال، روحانی ہیں۔ اور تین فرع: امام حجت اور داعی جسمانی ہیں۔ جد اسرافیل، فتح میکائیل اور خیال جبرائیل کے نام ہیں۔ امام سے مراد امام زمان، حجت کا مطلب اٹھائیس حجوتوں میں سب سے بڑا یعنی باب یا امام کا وہ فرزند جو لاحق نور ہو اور داعی سے مراد تین سو ساٹھ داعیوں میں سے وہ داعی ہے جو حجت اعظم کا لاحق ہو۔“ (۵۱)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذہب اسماعیلیہ حضرت مستنصر باللہ کی رحلت کے بعد امامت کی صحیح شناخت پر دو فرقوں میں تقسیم ہوا اور اسماعیلیت نزاریہ اور مستعالیہ کے ناموں سے دو مختلف سمتوں میں آگے بڑھی۔ مرور زمانہ کے ساتھ ان دونوں حصوں میں بھی امامت کے موضوع پر فرقے وجود میں آئے لیکن یہ تمام فرقے اپنے وجود کو قائم نہیں رکھ سکے اور ناپید ہوئے۔ اب اسماعیلی مذہب کے یہی دو گروہ نزاریہ اور مستعالیہ موجود ہیں۔

مجموعی طور پر مذہب اسماعیلیہ اسلامی عقائد میں مسلمانوں سے اختلاف نہیں رکھتا ہے۔ البتہ دیگر مسلمانوں کے برخلاف شریعت کے واضح احکام اور نصوص میں تاویلات کا قائل ہے۔ جس کی وجہ سے شرعی احکام کی بجا آوری کے طریقہ کار میں یہ مذہب مسلمانوں کے دیگر فرقوں کے مقابلے میں بہت زیادہ مختلف ہے۔



## حوالہ جات

- (۱) لوکس معلوف، المنجد، ص ۴۲۳، بحوالہ اللسان العرب، کلمہ شیعہ، قاموس الحیظ ماؤتشیع
- (۲) مودودی، سید ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۶۹، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، جولائی ۲۰۰۵
- (۳) طباطبائی، محمد حسین، الشیعہ فی الاسلام، ج ۱، ص ۱۴۷، موسسة مطبوعاتی اسماعیلیان، ۱۳۹۳ھ، قم
- (۴) سبحانی، جعفر، المذاهب الاسلامیہ، ص ۱۴۵، طباعة ۱۴۲۳ھ، موسسه امام صادق، قم، ایران
- (۵) شیخ مفید محمد بن النعمان، اوائل المقالات، ص ۴۲، المکتبۃ العالمی الالفیۃ المفید مھر، الاولی ۱۴۱۳ھ
- (۶) الشیعہ فی الاسلام، ص ۳۳،
- (۷) جواد مغنیہ، الشیعہ فی المیزان، ص ۱۵، نشر دارالتعارف للمطبوعات، سال نشر ۱۳۹۹ھ بیروت، لبنان
- (۸) القرآن، سورہ الشوریٰ ۴۲، آیت نمبر ۲۳
- (۹) حنبل، احمد، مسند احمد بن حنبل، جلد ۶، ص ۲۹۲، مطبوعہ مصر ۳۱۳ھ۔
- (۱۰) القرآن، سورہ الصفات ۳۷: آیت ۸۳



## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

- (۱۱) الترمذی، محمد بن عیسیٰ بن سؤرة بن موسیٰ بن الضحاک، أبو عیسیٰ، سنن الترمذی، عدد الاجزاء: ۵، ص ۳۳۱، مصدر الکتاب: موقع وزارة الاوقاف المصرية، <http://www//islamic-council.com>
- (۱۲) الشیعة فی المیزان، ص ۱۵،
- (۱۳) امین مصری، احمد، فجر الاسلام، ص ۳۳۳، فصل دوم، الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور، سن اشاعت ۲۰۰۳ء
- (۱۴) نوبختی، ابی محمد الحسن بن موسیٰ، فرق الشیعة، ص ۱۵، مطبعة الحیدریة، نجف، ۱۹۶۹م
- (۱۵) شہرستانی، ابی الفتح محمد بن عبدالکریم، الملل والنحل، ص ۱۵، دار المعرفۃ للطباعة والنشر، ۱۳۹۵ھ، بیروت، لبنان
- (۱۶) جواد مغنیہ، الشیع والشیع، ص ۲۳، نشر دار لتعارف للمطبوعات، سال نشر ۱۳۹۹ھ، بیروت، لبنان
- (۱۷) دفتری، اسماعیلی تاریخ کا ایک مختصر جائزہ ص ۴۷،
- (۱۸) صحیحی، دکتور احمد محمود، نظرة الامامة لدى الشیعة الاثنی عشریة، ص ۳۱، دار النطفة العربیة للطباعة والنشر بیروت، ۱۴۱۱ھ
- (۱۹) غزالی، ابو حامد، فضاخ الباطنیة، ص ۳۷، تحقیق عبدالرحمن بدوی، ناشر الدار القویة للطباعة والنشر القاہرہ، ۱۳۸۳ھ
- نوٹ: ابو حمزہ کی کتاب ”فضاخ الباطنیة“ جو المستظہری سے بھی پہچانی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ کتاب عباسی خلیفہ المستظہر باللہ کے حکم پر امام غزالی نے



## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

اسماعیلیت کے ابطال میں تحریر کی تھی، اس کے کل دس ابواب ہیں، باب نمبر ۴ میں اسماعیلی مذہب کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے جبکہ باب نمبر ۵ میں اسماعیلی تاویلات کے ابطال پر اپنے نظریات کے حق میں دلائل دیئے ہیں، باب نمبر ۷ میں اثبات امامت پر نص کی دلیل کو باطل قرار دے کر اس پر تفصیلی بحث پیش کی ہے۔

(۲۰) محسن الامین السید، اعیان الشیعہ، ص ۳۳، دارالتعارف للمطبوعات، بیروت،

۱۴۰۶ھ، بحوالہ: نخط مقریزی

(۲۱) اعیان الشیعہ، ص ۳۳

(۲۲) القرآن، سورہ النساء، آیت ۱۷۱

(۲۳) صدوق، ابو جعفر محمد بن علی بابویہ، اعتقادات، ص ۹۶، ناشر البلاغ

المبین، تاریخ طبع جنوری ۲۰۰۶ء، اسلام آباد

(۲۴) رے شہری، محمد حمزہ، اہل بیت قرآن و سنت کی روشنی میں، ص ۵۷۳ و

۵۸۳، مترجم ذیشان حیدر جوادی، موسسہ امام المہر چاچ ۱۳۸۲ھ، قم

خیابان انقلاب ایران، بحوالہ خصال ۱۰/۶۱۴۔

(۲۵) اعتقادات، ص ۱۰۲،

(۲۶) مہدی البشیرائی، سیرۃ الائمة، ص ۵۳۵، ۵۳۷، المطبعة موسسۃ الامام

الصادق، ۱۴۲۵ھ ق ۱۳۸۳ھ ش، بحوالہ: اختیار معرفۃ الرجال

: ۱۵۱۹ الحدیث ۹۹۷، وسائل الشیعہ، ۱۸/۵۵۴۔

(۲۷) بغدادی، عبدالقادر بن طاہر، الفرق بن الفرق، ص ۲۱۵، دار



﴿باب اول﴾

شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

المعرفة بيروت، لبنان 2003ء

(۲۸) طہ، ڈاکٹر حسین، حضرت عثمان تاریخ اور سیاست کی روشنی میں، صفحہ ۱۴۴، مترجم علامہ عبد الحمید نعمانی، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، طبع ششم فروری ۱۹۸۹ء

(۲۹) حضرت علی تاریخ اور سیاست کی روشنی میں، ص ۱۰۲، ج ۱

(۳۰) عبد اللہ بن سبا، جلد اول، ص ۳۶، مترجم سید قلبی حسین رضوی، سال طبع صفر

۱۴۲۷ھ، مجمع جهانی اہل بیت، قم

(۳۱) حضرت علی تاریخ اور سیاست کی روشنی میں، ص ۱۰۴

(۳۲) حضرت عثمان تاریخ اور سیاست کی روشنی میں، ص ۱۰۰ و ۱۴۴،

(۳۳) عبد اللہ بن سبا، جلد اول، ص ۱۲

(۳۴) عبد اللہ بن سبا، جلد اول، ص ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، جلد ۱،

(۳۵) عبد اللہ بن سبا، ص ۹۲، جلد ۱،

(۳۶) طوسی، شیخ الطائفہ ابی جعفر، تعلیقہ اختیار معرفۃ الرجال، ج ۲، ص ۳۲۴، نشر

موسسہ آل البیت قم تاریخ الطبع ۲۰۰۴

(۳۷) تعلیقہ الاختیار معرفۃ الرجال، ج ۲، ص ۳۲۴

(۳۸) الفرق بین الفرق، ص ۴۶،

(۳۹) قزوینی، سید امیر محمد کاظمی، الشیعة فی احکامهم وعقائدہم، ص ۲۲، جامعۃ

التعلیمات الاسلامیہ کراتچی، ۱۴۰۷ھ

(۴۰) علامہ مجلسی، بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۱۸۱، مؤسسۃ الوفاء، بیروت، لبنان





## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

### ﴿باب اول﴾

(۴۱) لجنة التأليف، اعلام الهداية، الامام الحسن، ج ۱، ۱، الفصل الاول، ص ۱۶۸، مركز الطباعة و النشر للمجمع العامى لاهل البيت، الطبعة الثالثة ۱۴۲۷ھ، ۵ق، بحواله بحواله الكافي: ۵۴۱/۱ ح ۱۰۷۱۲/۵، والتهذيب - ۶/۲۱۸ ح ۵۱۴ و

۳۰۱ ح ۸۴۵ وغنماني وسائل الشيعة: ۲/۱۳۶ ج ۱، ب ۱۱۔

(۴۲) الشيعة في عقائدهم واحكامهم، ص ۸۴، بحواله تفسير الامام العسكري: ۱۴۱: ع عنه في الاحتجاج: ۲/۲۶۳

(۴۳) سبحانی، جعفر، بحوث في الملل والنحل، ص ۹، ۱۰ جلد ۶، موسسه امام جعفر صادق، قم، ايران، ۱۴۱۸ھ، ق۔

(۴۴) طباطبائی، محمد حسين، پاسدران اسلام، ص ۶۰۱، مترجم محمد فضل حق، جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان، تاریخ ندارد۔

(۴۵) دیدار علی، اسماعیلی تاریخ، ص ۸۳، شیعہ امامیہ اسماعیلیہ ایسوسی ایشن گارڈن ایسٹ کراچی۔

(۴۶) دفتری، ڈاکٹر فرہاد، اسماعیلی تاریخ وعقائد، ص ۲۹۰، مترجم ڈاکٹر عزیز اللہ نجیب، نظر ثانی شیخ محمد اقبال، اقبال برادرز پبلشرز پاکستان چوک، کراچی اسماعیلی تاریخ، ج ۳، ص ۶۶

(۴۸) المذاهب الاسلامیہ، ص ۲۶۲، موسسه امام صادق، قم، ايران، ۱۴۲۳ھ

(۴۹) مسز زواہر مؤرخ، تاریخ ائمہ اسماعیلیہ، ج ۴، ص ۱۶۳، شیعہ امامی اسماعیلی طریقہ اینڈ ریلچس ایجوکیشن بورڈ گارڈن ایسٹ کراچی، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء



## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

(۵۰) قاضی النعمان، ابوحنیفہ بن محمد الفاطمی متوفی ۳۶۳ھ، دعائم الاسلام، ج ۱،

ص ۳، مترجم یونس شکیب مبارکپوری، شائع کردہ ادارہ ادبیات فاطمی

بدری روڈ سورت نمبر ۲،، دستیاب ITREB لائبریری کراچی۔

(۵۱) ہنزائی، نصیر الدین، سلسلہ نور امامت، ص ۳۲ تا ۳۵، خانہ حکمت، اے نور

ویلا، ۲۶۹ گارڈن ویسٹ، کراچی۔



### حوالہ جاتی آیات مع ترجمہ

- (۱) قُلْ لَا اسْتَلْكُمْ عَلَيْهِ اجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ. (۸)  
اے نبی! ان لوگوں سے کہہ دو کہ ”میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں، البتہ میرے قرابت کی محبت ضرور چاہتا ہوں۔
- (۲) وَ اِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَاِبْرَاهِيْمَ. (۱۰) اور بے شک حضرت ابراہیمؑ،  
حضرت نوحؑ کے شیعوں میں سے تھے۔
- (۳) يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى  
اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ..... (۲۲)  
اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی  
بات منسوب نہ کرو۔



## حوالہ جاتی احادیث مع ترجمہ

(۱) ”أَمَّا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى إِلَّا أَنَّهُ لَا نُبُوَّةَ بَعْدِي۔“

کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہارا مقام مجھ سے ایسا ہے جیسے ہارون کا موسیٰ سے تھا سوائے یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔“ (۱۱)

(۲) غالی کافر ہیں اور تفویض کرنے والے مشرک ہیں۔ (۲۴)

(۳) کذب ابن جسکہ علیہ لعنة الله۔ ابن جسکہ نے جھوٹ بولا ہے، اس پر اللہ کی لعنت ہے (۲۶)

(۴) وَاَمَّا الْحَوَادِثُ الْوَاقِیَةُ فَارْجِعُوا فِيهَا إِلَى رِوَاةٍ حَدِيثًا فَانْهَمِ حَاجَتِي عَلَيْكُمْ وَاَنَا حُجَّةُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ۔ پیش آنے والے حوادث (واقعات) میں ان کی طرف رجوع کرو جو ہماری جانب سے تم پر حجت ہیں اور ہم خدا کی جانب سے ان پر حجت ہیں۔ (۴۰)

(۵) يَنْظُرُ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مِمَّنْ قَدْ رَوَى حَدِيثَنَا فِي حِلَالِنَا وَحَرَامِنَا وَ عَرَفَ احْكَامَنَا، فَلْيَرْضَوْا بِهِ حُكْمًا فَانِي قَدْ جَعَلْتُهُ عَلَيْكُمْ حَاكِمًا، فَاِذَا حُكِمَ بِحُكْمِنَا فَلَمْ يَقْبَلْ مِنْهُ، فَانْمَا اسْتَخَفَّ بِحُكْمِ اللَّهِ وَ عَلَيْنَا رَدٌّ، وَ الرَّادُّ عَلَيْنَا رَادٌّ عَلَى اللَّهِ وَ هُوَ عَلَى حَدِّ الشَّرْكِ بِاللَّهِ. تم لوگوں میں یہ دیکھا جائے گا کہ



## ﴿باب اول﴾

## شیعیت کا مفہوم اور اس کی ابتدائی تاریخ

جو ہماری حدیثوں کو بیان کرتا ہے، حلال و حرام میں ہمارے احکام بتاتا ہے، پس تم لوگوں کو اس کا حکم ماننا ضروری ہے۔ بے شک میں نے اس کو تمہارے اوپر حاکم مقرر کیا ہے۔ اگر وہ ہمارے حکم کے مطابق حکم کرے اور اس کو نہ سنا جائے پس یہ اللہ اور ہمارے حکم نہ ماننے اور ہم سے منہ موڑنے کے مترادف ہے۔ جو ہم سے منہ موڑتا ہے، وہ اللہ سے منہ موڑتا ہے اور اللہ سے شرک کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ (۴۱)

(۶) فاما من كان من الفقهاء صائناً لنفسه حافظاً لدينيه مخالفاً لهواه مطيعاً لامر مولاه فللعوام ان يقلدوه وذلك لا يكون الا بعض فقهاء الشيعة لا جميعهم۔ فقهاء میں سے جو اپنے نفسوں کو بچانے والا ہو، (متقی و پرہیزگار ہو)، دین خدا کے حدود کا محافظ ہو، خواہشات نفسانی کی مخالفت کرے اور خدائی احکام و اوامر کی پابندی کرے تو عوام پر واجب ہے کہ اس کی تقلید کریں اور یہ صفات فقط ہمارے بعض پیروکار فقہاء میں ہیں نہ کہ سب فقہاء میں۔ (۴۲)

(۷) ہم اپنے پوتے کریم جو ہمارے فرزند علی سلمان خان کے بیٹے ہیں۔ ان کو آغا خان کے لقب اور اپنے شیعہ اسماعیلی مریدوں کے امام اور پیر کی حیثیت سے جانشین بننے کے لئے نامزد کرتے ہیں۔ (۴۹)



## باب دوم

### (2) عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

باب اول میں شیعیت کی ابتداء اور تاریخ کا جائزہ پیش کیا گیا۔ اس باب میں امام کے معنی اور مفہوم پر گفتگو کی گئی ہے نیز قرآن و احادیث کے تناظر میں امام کی شرعی حیثیت کی وضاحت کی گئی ہے۔

امام عربی زبان کا لفظ ہے۔ معروف ماہر لغت لولیس معروف نے اس کے چار معنی بیان کئے ہیں۔ ”الامام من یقتدی بہ ، الخیط یمد علی البناء لیبنی مستقیماً ، ما یمثل علیہ المثل ، الطریق الواضح . امام وہ ہوتا ہے جس کی اقتداء کی جائے ، وہ رسی جو سیدھے راستے کی علامت ہے، جس پر مثال قائم کی جاسکے، نمونہ یا صراط مستقیم۔ (۱)

ڈاکٹر شریعتی کے مطابق ”امام برتر انسانی خصوصیات کا حامل ہے تاکہ وہ انسان کیلئے نمونہ عمل اور اس کا رہبر و رہنما بنے اور بنتا ہے اور اس مفہوم میں امام ، ایک ”اسوہ“ ایک ”نمونہ“ ایک ”شہید“ ایک ”مظہر“ ایک ”علمی مثال“ اور مکتب کا ایک عینی تجسم ہے۔“ (۲) یوں لغت میں امام کے متعدد معنی ہدف، مقدم، رسی جو سیدھے راستے کی علامت ہو، شہید، مظہر، پیشوا، فرمانبردار، نمونہ، راہ، کتاب، مقتداء مقصد، آخذ، رہبر، اور صراط مستقیم کے بیان ہوئے ہیں۔ ان معنی میں سب سے مشہور معنی پیشوا اور رہبر کے ہیں۔ لفظی اعتبار سے رہنمائی اور پیشوائی کرنے والے کو امام کہا گیا ہے اور اس عمومی معنی میں امامت رہبریت کا دوسرا نام ہے اور اس رہبریت کیلئے کسی طرح کی شرط اور قید بھی نہیں ہے۔ اس لئے دنیاوی زندگی کے

## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

### ﴿باب دوم﴾

تمام شعبوں میں رہبریت کو ہی امامت کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسجد میں نماز پڑھانے والے کو بھی امام کے لقب سے نوازا جاتا ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں انسان کو رہنمائی کی ضرورت رہتی ہے۔ اسی لئے ہر شعبہ زندگی میں امام کی ضرورت سے انکار ممکن نہیں۔

لغوی اعتبار سے امام کے معنی اور مفہوم کو واضح ہونے کے بعد امام کی شرعی حیثیت پر بحث پیش کی جاتی ہے۔ شریعت محمدی میں امام سے مراد ایک ایسا شخص جو حضرت محمد ﷺ کے بعد امت کی پیشوائی اور رہبری کرے، امام کہلاتا ہے۔ علامہ مجلسیؒ امام کی اصطلاح کو یوں بیان کرتے ہیں۔ ”علم کلام میں امام سے مراد وہ شخص ہے، جو خدا کی جانب سے جناب رسول خدا ﷺ کی خلافت و نیابت کے لئے معین ہوا ہو۔“ (۳) اسی طرح شیخ مفید امام کی تعریف یوں کرتے ہیں۔ ”امام کسی است کہ در کارهای دینی و دنیوی جانشین پیغمبر بوده و ریاست عامہ داشته باشد۔ امام وہ ہے جو دینی اور دنیاوی دونوں امور میں پیغمبر اکرمؐ کا جانشین ہو اور حکومت کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں ہو۔“ (۴) لیکن اس فرق کے ساتھ کہ رسول ختم المرسل ﷺ شارع اسلام ہیں جبکہ امام شارع اسلام نہیں ہے، بلکہ امام تنفیذ اسلام کے لئے منصوب ہوا ہے تاکہ رحلت نبوی کے بعد معاشرہ اسلام کے سنہرے اصولوں پر گامزن رہے اور اسلام کے زیر سایہ ایک کتاب اور ایک رہبر کی ہدایات کے مطابق اسلامی معاشرہ قائم رہ سکے۔ جس طرح سے معاشرہ کی اقدار کو قائم رکھنے کیلئے ہدایت کار کی



۱۔ حیات القلوب کا اردو ترجمہ اثبات امامت کے نام سے کیا گیا ہے

## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

### ﴿باب دوم﴾

ضرورت سے انکار ممکن نہیں، اسی طرح امت محمدی کی پیشوائی اور رہنمائی کی ضرورت اور اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس رہنمائی اور پیشوائی کرنے والے کو امام، خلیفہ، امیر، ولی وغیرہ کی اصطلاحات سے پکارا جاتا ہے۔ عام طور پر شیعہ حضرت محمد ﷺ کے نائب کو امام جبکہ اہل سنت خلیفہ کی اصطلاح سے یاد کرتے ہیں۔ خلیفہ سے مراد حضرت محمد کے بعد آپ ﷺ کے خلف (پیچھے) آپ کا قائم مقام ہے۔ اسی طرح امام کا بھی تقریباً یہی مفہوم نکلتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے بعد امت کی رہنمائی اور پیشوائی کرنے والا آپ کا جانشین امام کہلاتا ہے۔ البتہ بعض اہل سنت علماء کے نزدیک امامت اور خلافت دونوں اصطلاحات الگ الگ مفہوم کی حامل ہیں کیونکہ رسول اللہ دو حیثیتوں یعنی روحانی اور دنیوی حوالے سے حاکم اعلیٰ تھے۔ رحلت کے بعد ائمہ معصومین آپ ﷺ کے روحانی نائبین امام کہلائے اور خلفاء راشدین دنیاوی اور سیاسی نائبین بنے اور خلفاء کہلائے۔ اس تقسیم کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ”حضور نبی اکرم ﷺ کی وراثت کے حاملین تین طرح کے ہیں۔ ایک وہ جنہوں نے آپ ﷺ سے حکمت و عصمت اور طہارت باطنی کا فیض حاصل کیا وہ آپ ﷺ کے اہل بیت اور خواص ہیں۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جنہوں نے آپ ﷺ سے حفظ تلقین اور رشد و ہدایت سے متصف قطیعتِ ظاہری کا فیض حاصل کیا، وہ آپ ﷺ کے کبار صحابہ کرام ہیں۔ جیسے خلفاء اربعہ اور عشرہ مبشرہ۔ تیسرا طبقہ وہ ہے، جنہوں نے انفرادی عنایات اور تقویٰ کا فیض حاصل کیا۔ یہ وہ اصحاب ہیں جو احسان کے وصف سے متصف ہوئے۔ جیسے حضرت انس، حضرت ابو ہریرہ اور ان کے علاوہ دیگر متاخرین۔ یہ تینوں





## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

### ﴿باب دوم﴾

مدارج حضور اکرم ﷺ کے کمال رسالت سے جاری ہوئے۔ (۵) اس نظریہ کو ڈاکٹر شریعتی نے یوں پیش کیا ہے۔ ”امامت اور خلافت کے عہدوں کی ایک دوسرے سے علیحدگی ہے۔ اس معنی میں کہ امامت رسالت پیغمبر کی الہی وراثت اور معنوی صورت ہے اور خلافت پیغمبر کی اس دنیا کی حکومت سے وابستہ وراثت اور سیاسی جانشینی ہے اور یہ سماجی پہلو کی حامل ہے یعنی چونکہ پیغمبر نبوت اور حکومت کے دو مناصب کے حامل ہیں، اس لئے ان کی رسالت دو الگ رشتوں میں آگے بڑھتی ہے۔ ایک خلافت اور دوسری امامت۔ اہلسنت کے بہت سے منصف اور معتدل حضرات اس نظریہ کے معتقد ہیں اور بعض صاحب نظر شیعہ معاصرین نے بھی یہی بات کہی ہے۔“ (۶)



دور حاضر میں اہل سنت کے بریلوی فرقہ کی اکثریت اسی مفہوم کی امامت اور خلافت کی قائل ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت شاہ اسماعیل شہید وغیرہ کے نظریات بھی تقریباً اسی طرح کے تھے اور اسی طرح پاکستان کے مشہور سنی عالم دین ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے تحریر کرتے ہیں۔ ”حضور ﷺ کی ذات مقدسہ سے تین طرح کی وراثتیں جاری ہوئیں۔ خلافت باطنی کی روحانی وراثت، خلافت ظاہری کی سیاسی وراثت، خلافت دینی کی عمومی وراثت۔“ (۷)

ہمارے نزدیک مذکورہ بالا نظریہ دین اور سیاست کی جدائی کے ممکنات کو

۱۔ ڈاکٹر صاحب نے ائمہ معصومین کی ولایت پر دو کتابیں ”السیف الجلی علی منکر ولایت علی“ اور ”القول المعتبر فی امام المنتظر“ بھی تحریر کی ہیں

## ﴿باب دوم﴾

## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

ظاہر کرتا ہے۔ امامت اور خلافت کا الگ الگ مفہوم سمجھنا دراصل سیاست کو اسلام سے الگ سمجھنا ہے۔ سیاست سے دین کو الگ سمجھنا ایک قدیم نظریہ ہے۔ اسلام سے وابستہ بہت سے لوگ اس نظریے کے قائل ہیں لیکن مسلمانوں کی اکثریت دین کو سیاست سے الگ تصور نہیں کرتی ہے۔ ان کے نزدیک دین اور سیاست کو الگ سمجھنا ایک مسیحی تعبیر ہے ناکہ اسلامی۔ کیونکہ نبوت اور امامت کے زمرے میں امارت اور حکومت بھی شامل ہے۔ شیعہ امام کو رسول اللہ کے صرف معنوی جانشین نہیں مانتے بلکہ جانشین مطلق تصور کرتے ہیں اور امام کو دین و دنیا دونوں کیلئے اپنا امام تصور کرتے ہیں۔ ”محمد ﷺ دنیوی اور روحانی دونوں حیثیتوں سے حاکم اعلیٰ تھے۔ ان کے خلیفہ یا جانشین کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ دونوں حیثیتوں سے ان کا جانشین ہو، اس کو امیر المؤمنین بھی ہونا تھا۔ یعنی مومنین کا قائد اور امام المسلمین بھی ہونا تھا یعنی معتقدین کا روحانی پیشوا۔ لاطینی مغرب کی ایک مثال سے یہ بات غالباً زیادہ واضح ہو سکے گی۔ وہ پاپائے اعظم بھی ہوگا اور امپریٹر یعنی دنیوی حکمران بھی۔“ (۸)

ان دونوں حیثیتوں کو عملاً آپ ﷺ اور ائمہ اہل بیت کی حیات طیبہ میں دیکھا جاسکتا ہے۔ البتہ ائمہ کی حیات طیبہ میں ایسے واقعات بھی نظر آتے ہیں، جس میں ائمہ امارت و حکومت کے مناصب کی تحقیر کرتے ہیں۔ اس کا مشاہدہ حضرت علی کے خطبہ شتقیہ میں کیا جاسکتا ہے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت علی بن ابی طالب حضرت عباس سے کہتے ہیں۔ ”والله ما كانت لي في الخلافة رغبة ولا في الولاية اربسة. خدا کی قسم مجھے خلافت کا کوئی شوق نہیں اور نہ ہی ولایت کی

## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

### ﴿باب دوم﴾

خواہش ہے۔“ (۹) یوں ائمہ معصومین بعض اوقات خود حکومت اور امارت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور بعض دفعہ حکومت اور امارت کی تحقیر کرتے ہوئے۔ یہ دو متناقض مفہام ہیں، جن کو بہتر انداز میں سمجھنے کیلئے ڈاکٹر شریعتی کی کتاب ”امت اور امامت“ اور محمد باقر مجلسی کی کتاب ”اثبات امامت“ کی تیسری جلد کا مطالعہ لازمی ہے۔ اجمالی طور پر اس مفہوم کو حضرت علی کی سیرت میں یوں سمجھا جاسکتا ہے۔ ”میں خود فرمانروائی کے عشق، طاقت کی ہوس اور خلافت کیلئے منصب طلبی کو ایک دمڑی کی حیثیت نہیں دیتا اور میرے نزدیک یہ عہدہ بکری کی بہتی ناک کے پانی سے بھی زیادہ ناقابل اعتنا ہے اور یہ جو تم دیکھ رہے ہو کہ میں اس کی طلب میں کوشاں تھا اور اب اسے منظور کر رہا ہوں تو یہ اس عہد کی بنا پر ہے جو اللہ نے علماء سے لے رکھا ہے کہ وہ ظالم کی شکم پوری اور مظلوم کی گرسنگی پر سکون اور قرار سے نہ بیٹھیں۔ میرا ہدف خلیفہ بننا نہیں بلکہ خلافت میرے لئے وسیلہ ہے تاکہ میں مظلوم کی داد رسی کروں۔“ (۱۰)



اس بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ امام اور خلیفہ لفظی اختلاف کے سواء کچھ نہیں، ورنہ دونوں کا مفہوم ایک ہے۔ جس طرح نبی امت کیلئے نمونہ عمل اور رہبر ہوتا ہے، اسی طرح امام بھی امت کیلئے رہبر اور نمونہ عمل ہوتا ہے۔ ابن خلدون کے مطابق ”خلافت دراصل اس کا نام ہے کہ دین کی حفاظت وغور پرداخت اور سیاست دنیا میں شارع علیہ السلام کی ٹھیک ٹھیک جانشینی و نیابت انجام دی جائے۔ اس کا نام خلافت بھی ہے اور امامت بھی اور قائم اور نائب کو خلیفہ بھی کہتے ہیں اور امام بھی۔“ (۱۱)

اس کا مفہوم یہ ہوا کہ نبی آخر الزمان کے بعد امت کی سیادت اور قیادت

## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

### ﴿باب دوم﴾

کرنے کا حق صرف اور صرف ایسے شخص کو حاصل ہے، جو سیاست دینی و دنیاوی میں انسانوں کی راہنمائی کرے۔ اس شخص کو خلیفہ اور امام کہا جاتا ہے۔ اس صورت میں نبی کے قائم مقام کا تعین کرنے کا حق انسانوں کو حاصل نہیں کیونکہ امامت اور خلافت نبوت کے مقاصد کو جاری اور ساری رکھنے کا نام ہے اور الہی احکامات کی تنفیذ کرنے کی ذمہ داری امامت کے وظائف میں شامل ہے۔ یہی وہ اسباب نظر آتے ہیں، جن کی بناء پر بعض نبیوں کو نبوت اور رسالت کے بعد امامت کا مقام عطا ہوا ہے۔ یوں امامت کا درجہ نبوت اور رسالت کے بعد اور آخری ہے۔ اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ شیعہ نظریے کے مطابق امام نہ نبی ہوتا ہے اور نہ رسول۔ شیعہ نقطہ نگاہ سے امام کو نبی اور رسول تصور کرنا کفر ہے اور جو کوئی ایسا عقیدہ رکھے گا خدا کی اس پر لعنت ہے۔ حضرت جعفر صادق نے فرمایا ہے۔ ”جس نے ہمیں نبی قرار دیا اس پر خدا کی لعنت ہے اور جس نے اس مسئلہ میں شک کیا اس پر بھی خدا کی لعنت ہے۔“ (۱۲) امام دراصل پیغمبر کا جانشین ہوتا ہے لیکن اس فرق کے ساتھ کہ پیغمبر ﷺ مکتب و مذہب کا بانی ہوتا ہے اور امام اس مکتب و مذہب کا محافظ و نگہبان ہوتا ہے، پیغمبر ﷺ پر وحی نازل ہوتی ہے لیکن امام پر وحی نہیں ہوتی۔ شیعوں کے نظریہ کے مطابق ”ائمہ کے متعلق وحی کا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔“ (۱۳) البتہ کمالات و شرائط اور صفات میں پیغمبر اور امام میں کوئی خاص فرق نہیں، سوائے یہ کہ نبوت کا سلسلہ آپ ﷺ پر ختم ہوتا ہے۔ لہذا نبی اور رسول کی اصطلاح کا اطلاق آپ ﷺ کے بعد کسی شخص پر نہیں ہو سکتا ہے۔ اس بات کو آپ ﷺ نے حضرت علی کی امامت کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ ”کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہارا مقام



## ﴿باب دوم﴾

## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

مجھ سے ایسا نہیں ہے جیسے ہارون کا موسیٰ سے تھا سوائے یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔“ (۱۴)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نبوت کے بعد رسالت پھر امامت کا اعلیٰ درجہ ملتا ہے۔ یہی وجہ کہ حضرت ابراہیم نبی بنے پھر رسالت عطا کی گئی، اس کے بعد امامت کے درجے پر فائز کئے گئے۔ اسی طرح آنحضور ﷺ نبی اور رسول بنے اور اشرف المخلوقات بنے۔ اپنی زندگی میں قوم کی سیادت اور قیادت کرتے ہوئے کائنات میں احکامات الہی کی تعمید کرتے ہوئے امام و رسول بنے اور اس دار فانی سے رخصت ہونے سے پہلے امامت کے اس اعلیٰ ترین عہدہ کو حضرت علی کے حوالے کیا۔ اسی لئے شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی آپ ﷺ کے بعد کائنات میں سب سے افضل اور عظیم ترین انسان ہیں۔



اسلامی نکتہ نگاہ سے خلیفہ اور امام کی اصطلاحات حضرت محمد ﷺ کے نائب کیلئے مخصوص ہیں۔ ان اصطلاحات کے علاوہ وصی، ولی، وزیر، امیر کی اصطلاحات بھی حضرت محمد ﷺ کے جانشین کیلئے استعمال کی گئی ہیں۔ خود پیغمبر خداؐ نے اپنے جانشین کے لئے ان اصطلاحات کو واقعہ ذی العشیرہ کے موقع پر فرمایا تھا ”اے بنی عبدالمطلب؛ میری اطاعت کرو تو تم سب زمین۔۔۔۔۔۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ اب تک پروردگار عالم نے دنیا میں جتنے پیغمبر بھیجے ہیں ان میں سے ہر ایک کیلئے وصی اور وزیر، وارث اور ولی مقرر فرمایا تھا تو آج تم میں کون ایسا جوان مرد ہے جو میرا وصی، وارث، ولی اور میرا وزیر بنے گا۔“ (۱۵)

مذکورہ بالا اصطلاحات میں سے امیر اور ولی کی اصطلاحات قرآن اور

## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

### ﴿باب دوم﴾

حدیث میں سب سے زیادہ استعمال ہوئی ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔  
 ”إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ  
 وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ . بے شک تمہارا ولی اللہ اور اس کا رسول اور وہ  
 ہیں جو ایمان لائے اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ در آنحالانکہ وہ رکوع کرنے والے ہیں۔“  
 (۱۶) اللہ کی ولایت کے بعد رسول کی ولایت اور اس کی ولایت جس نے حالت  
 رکوع میں زکوٰۃ دی۔ اکثر مفسرین اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ حالت رکوع  
 میں زکوٰۃ دینے کا منفرد واقعہ حضرت علی بن ابی طالب سے منسوب ہے۔ اس لئے یہ  
 آیت حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔۔ اسی طرح سے ولی سے مآخوذ لفظ  
 مولیٰ کو آنحضور ﷺ نے غدیر خم کے میدان میں حجۃ الوداع سے واپسی پر اپنے  
 آخری خطبہ میں بھی حضرت علی کے لئے استعمال کیا تھا۔  
 خلاصہ کلام یہ ہے کہ آیت ولایہ اور غدیر خم کا واقعہ حضرت علی بن ابی طالب کی ولایت  
 و وصایت اور خلافت پر واضح نص ہے۔ شیعہ ان نصوص سے نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ  
 حضرت علی بن ابی طالب، رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ بلا فصل ہیں۔



۱۔ ”من كنت مولیٰ فهذا علی مولیٰ۔ جس کا میں مولیٰ اس کا علی مولیٰ ہے۔ اس خطبہ کو خطبہ غدیر کے نام سے یاد  
 کیا جاتا ہے۔ اس خطبہ کی تفصیل سورۃ مائدہ کی آیت ۶۷ کے تناظر میں تمام شیعہ اور سنی تفاسیر میں دیکھی جاسکتی  
 ہے۔ اس خطبہ کو ابن حسن نجفی صاحب نے بہت خوب انداز میں مستند مواد سے اپنی ایک مختصر کتاب ”غدیر خم اور  
 خطبہ غدیر“ کے نام سے قلمبند کیا ہے۔ اسی طرح شہید مرتضیٰ مطہری نے ایک کتاب ”فلفہ ولایت“ کے نام سے  
 لکھی ہے۔ جس کو اردو ترجمہ کے ساتھ جامعہ تعلیمات اسلامی کراچی نے چھاپا ہے، ولایت ائمہ کے موضوع پر  
 یہ ایک نابغہ کتاب ہے۔

## (2/1) نص امامت

شیعہ ائمہ اہل بیت کو خلفاء رسول ثابت کرنے کے لئے جو عقلی اور نقلی دلائل پیش کرتے ہیں۔ ان دلائل کے لئے نص کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ نص عربی زبان کا لفظ ہے، اس کی جمع نصوص ہے۔ لویس معلوف نے نص کے معنی کو یوں تحریر کیا ہے۔ ”النص من الکلام: هو ما لا یحتمل الا معنی واحداً او لا یحتمل التاویل۔ کلام میں نص سے مراد وہ کلمہ جو ایک (واضح) معنی سے زیادہ معانی نہیں رکھتا ہو اور نہ ہی اس کلمہ کی تاویل ممکن ہو۔“ (۱)

شیعہ اپنے ائمہ کی امامت کو من جانب اللہ تصور کرتے ہیں اور ان کے عقیدے کے مطابق اس کا اعلان بحکم خدا رسول یا امام اپنے بعد کے امام کے بارے میں کرتا ہے۔ اس تعینی کو نص کا نام دیا جاتا ہے۔ سعد بن عبد اللہ ابی خلف الاشعری اہل نص کی اصطلاحی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

”النص: فی اصطلاح اهل العلم هو اللفظ الدال علی معنی غیر محتمل للنقیض بحسب الفہم و الاثر ما جاء عن النبی و الامام او یکون الامام او عن الصحابی و التابعی من قول او فعل، و عند الشیعة الامامية یجب ای یکون الامام منصوباً علیہ عن النبی لان العصمة من الامور الباطنية التي لا یعلمها الا الله ثم فلا بد من نص من یعلم عصمته علیہ او ظهور معجزة علی یدہ تدل علی صدقہ و الامام عندهم هو علی بن ابی طالب بالنص المتواتر علیہ من الله و رسولہ ثم بعده ولده من صلبه الائمة المعصومون حتی محمد بن



الحسن صاحب الزمان صلوات اللہ علیہم بنص کل سابق منهم علی لاحقہ۔ اہل علم کی اصطلاح میں نص وہ لفظ ہے، جو کسی معنی پر دلالت کرتا ہو، جس پر نفیض کا احتمال نہ ہو اور یہی مفہوم اور اثر سمجھ میں آتا ہے جو کچھ نبی اور امام سے وارد ہوا ہے۔ امام، صحابی اور تابعی کے قول و فعل سے بھی یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے اور شیعہ امامیہ کے نزدیک واجب ہے کہ امام پر رسول سے نص ہو۔ اس لئے عصمت ائمہ باطنی (شرائط) میں سے ہے، جس کو اللہ کے سواء کوئی اور نہیں جانتا۔ پھر لازم ہے کہ نص وہ کرے جو مخصوص کی عصمت سے واقف ہو، یا وہ کرے جو اپنی صداقت میں معجزہ دکھا سکتا ہو۔ پس ان (شیعہ) کے نزدیک حضرت علی پر اللہ اور اس کے رسول سے نص متواتر ہے۔ حضرت علی کے بعد آپ کے صلب سے ائمہ معصومین بھی پیدا ہوئے یہاں تک کہ محمد بن حسن صاحب الزمان تک سابقہ (ائمہ) سے نص پہنچ جاتی ہے۔“ (۱۸)



نص کا مترادف نصب، توقیف، وصیت وغیرہ کی اصطلاحات بھی شیعیت میں استعمال کی جاتی ہیں۔ قاضی نعمان اپنی مشہور ترین کتاب ”دعائم الاسلام“ جلد دوم میں نص اور توقیف کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”منصب امامت کا انعقاد نص اور توقیف ہی سے ہوتا ہے۔ رسول اکرمؐ نے اپنے وصال سے پہلے ہی حکم الہی کے مطابق ایک شخص کو اپنا جانشین امام اور خلیفہ مقرر کیا تھا، اس طرح امامت کا اجراء ہوا۔ رسول ﷺ نے لوگوں کو امیر المؤمنین علی بن طالب کی امامت و خلافت سے آگاہ کر دیا تھا اور آنحضرت ﷺ نے اپنا جانشین اور لوگوں کا امام مقرر کر دیا تھا اور پھر اسی طرح امیر المؤمنینؑ نے امام حسن کو



## ﴿باب دوم﴾

## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

امام مقرر فرمایا اور امام حسن نے امام حسین کو امام مقرر فرمایا اور امام حسین نے امام زین العابدین کو امام مقرر فرمایا اور امام زین العابدین نے امام محمد باقر کو امام مقرر فرمایا اور امام محمد باقر نے امام جعفر صادق کو امام پھر امام جعفر صادق کے بعد امام مقرر ہوتے رہے۔ جنہوں نے نص کے طریقے پر عمل کیا ہے، پس نص کا طریقہ نہایت واضح اور حجت قاطع ہے۔“ (۱۹)

ماہرین علم کلام نص کی دو قسمیں نص جلی و نص خفی کے نام سے بیان کرتے ہیں۔ اول الذکر نص کو نص شرعی بھی کہتے ہیں۔ اس کے دو موارد ہیں۔ مورد اول میں ائمہ کی امامت اور خلافت میں امام، وصی، خلیفہ جیسے الفاظ کے ساتھ قرآن اور حدیث میں وضاحت ہوئی ہو، جبکہ مورد ثانی میں ائمہ کی امامت میں واضح الفاظ نہ آئے ہوں بلکہ اس کے مقابلے میں مولیٰ، ولی جیسے عقلی اور نقلی قرائن ہوں۔ نص جلی کی ان دونوں اقسام سے شیعہ علی اور اولاد علی کی امامت کو ثابت کرتے ہیں۔ نص جلی کے مقابلے میں نص خفی (چھپی ہوئی نص) ہے۔ اس سے مراد ائمہ کی امامت کے ثبوت کیلئے کسی طرح کی کوئی نقلی واضح دلیل موجود نہ ہو۔ فرقہ زیدیہ اپنے ائمہ کی امامت کو نص خفی سے ہی ثابت کرتے ہیں ”در مقابل نص جلی نص خفی است کہ زیدیہ آن معتقدند و آن اینکه تنها صفات شایستگی های امام بیان نشود و فرد یا افراد خاص به عنوان امام تعیین نشود۔ از نظر آنان هر کسی اولاد فاطمہ الزہراء باشد و از صفات عام به احکام، شجاعت و زہد به خود دار بود و قیام نماید امام خواهد بود۔ نص جلی کے مقابلے میں نص خفی ہے۔ زیدیہ اسی کے معتقد ہیں۔ وہ یہ ہے کہ



## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

### ﴿باب دوم﴾

صرف امام کیلئے شانستہ صفات بیان نہ ہوں اور فرد یا خاص افراد امام کے عنوان سے معین نہ ہو، بلکہ ان کی نظر میں جو بھی نسل فاطمہ سے ہو اور شجاعت اور زہد جیسی عام صفات رکھتا ہو اور (ظلم کے خلاف) قیام کرے تو وہ امام ہوگا۔“ (۲۰) زید یہ کے علاوہ شیعیت کی نظر میں بھی ہر امام من جانب اللہ ہونے کے ساتھ ساتھ صفات شائستگی کا حامل ہوتا ہے، یہی عقیدہ معصومیت ہے۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ نص جلی سے مراد ائمہ من جانب اللہ ہیں اور نص خفی سے مراد ائمہ معصوم عن الخطا ہیں۔ البتہ اولاد فاطمہ میں صفات شائستگی کو محیط کرنے کی حد تک زید یہ بھی دیگر شیعہ فرقوں سے متفق نظر آتے ہیں۔ شیعہ عقائد کی رو سے ائمہ طاہرین کی امامت کا ثبوت بذریعہ نص ہونا واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر مورخین جن میں شہرستانی، ابن خلدون، شیخ مفید اور جعفر سبحانی قابل ذکر ہیں۔ جنہوں نے نص کو شیعیت میں ہونے کی بناء پر شیعہ کو ایک ممتاز مقام حاصل ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ورنہ دنیاوی حوالے سے رسول کی خلافت کے قائل تمام مسلمان ہیں۔



خلاصہ کلام یہ ہے کہ امامت کیلئے نص دراصل حکم الہی کا دوسرا نام ہے، جس کا اعلان پیغمبر خدا ﷺ نے آخری ذلحج کے موقع پر غدر خرم میں حضرت علی کی امامت سے کیا ہے۔ پھر دیگر ائمہ معصومین یکے بعد دیگرے اپنے بعد کے امام پر نص کرتے رہے ہیں۔ نص اور نصب پر متعدد آیات کے تناظر میں متعدد احادیث اور سیرت کے واقعات پیش کئے جاتے ہیں جن کا ذکر ہم طوالت کے خوف سے یہاں کرنے سے قاصر ہیں۔

## (2/2) ولایت ائمہ اہل بیت

نص کی گفتگو میں بحث یہاں تک پہنچی کہ ائمہ من جانب اللہ ہوتے ہیں۔ قرآن و احادیث میں ائمہ کیلئے امام، خلیفہ اور ولی جیسی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔ ان اصطلاحات میں سے ولی کی اصطلاح کافی اہم ہے، کیونکہ متعدد احادیث میں حضرت علی کے لئے ولی کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ یعنی شیعہ عقیدے کے مطابق حضرت علی اور دیگر ائمہ ولایت کے ایک خاص مفہوم کے ساتھ اللہ کے ولی ہیں، جس کا اظہار شیعہ اپنے کلمہ میں بھی ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ۔ شیعہ اسماعیلیہ بھی الفاظ کے اختلاف کے ساتھ اسی عقیدے کے قائل ہیں۔ البتہ مورخین اور محدثین کے ہاں معنی اور مفہوم کے حوالے سے یہ اصطلاح کافی متنازع ہے۔ قرآن اور احادیث کے تناظر میں اس اصطلاح کی تشریح اور تفسیر میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔



ولایت کے مادہ سے متعدد معنی اہل لغت نے لکھے ہیں۔ جن میں محبت، قرابت، صداقت، سرپرستی اور اولیٰ بالتصرف ہیں۔ صاحب غدر نے مولیٰ کے چھبیس (26) معانی تحریر کئے ہیں، حدیث میں تقریباً بہتر (72) سے زیادہ دفعہ لفظ ولایت استعمال ہوا ہے۔ آیت اور حدیث میں لفظ ولی یا مولیٰ کا استعمال ہوا ہے۔ علماء نے ان مختلف معانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان آیات اور احادیث کی مختلف تشریحات بیان کی ہیں، لیکن شیعہ ائمہ معصومین کی ولایت پر جتنے بھی قرآنی آیات اور احادیث پیش کرتے ہیں۔ ان تمام میں ولایت بمعنی ”اولیٰ بالتصرف“ مراد لیتے ہیں۔ جیسا کہ جعفر سبحانی رقم طراز ہیں۔

”اَنَّ المولى يراد به معان مختلفه ، فمنها المحب و الناصر ، فمن اين علم اَنَّ المراد بها المتولى و المالك للامر و لاولى بالتصرف؟ يلاحظ عليه: اَنَّ لفظ لا مولى ليس له آلا معنى واحد و هو الاولى. قال سبحانه: فاليوم لا يوخذ منكم فدية و لا من الذين كفرو، ما واكم النار، هى مولاكم ، و بنس المصير. ( الحديد ١٥ ) . ”قد فسره غير واحد من المفسرين بان المراد اَنَّ النار اولى بكم، غير اَنَّ الذى يجب التركيز عليه هو اَنَّ الاولى هو المعنى الوحيد للمولى اَنَّ كلاما ذكر من المعانى المختلفه له انما هى من موارد استعماله و متعلقاته. مولى کے متعدد معانی مراد لئے جاتے ہیں۔ ان (معانی) میں سے محبت، ناصر بھی ہیں۔ تو پھر کس طرح اور کیسے پتہ چلے گا کہ اس (آیت میں مولى) سے مراد دوست، حاکم یا اولیٰ بالتصرف کے ہیں؟ ملاحظہ کریں کہ لفظ مولى کے یہاں پر صرف ایک معنی ہے اور یہی بہتر معنی ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے۔ الغرض آج تم سے فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ کافروں سے تم (سب) کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ وہی (آگ) تمہاری رفیق ہے۔ اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ کچھ مفسرین نے اس (آیت) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ آگ (ٹھکانا) تمہاری رفیق ہے۔ جبکہ کسی ایک معنی (آگ) کو مرکزیت دینا واجب نہیں ہے۔ (پھر بھی دیا گیا) پس اس (آیت) میں مولى کے لئے ایک ہی معنی ہونا بہتر ہے اور (مولى کے) دیگر معانی کے لئے بھی دیگر مواقع اور متعلقات ہیں۔“ (٢١)

اسی طرح ڈاکٹر زاہد علی زاہدی اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں رقم طراز



## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

### ﴿باب دوم﴾

ہیں۔ لفظ ولی، مولیٰ، ولایت، ولایت اور موالی وغیرہ کی بحث کو لغات کی روشنی میں دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ دراصل ان تمام الفاظ کے ایک ہی معنی ہیں، لیکن وہ مختلف مواقع پر مختلف مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں۔ ا۔

کتاب ہذا میں طوالت کے پیش نظر ولی کے معنی اور اس کی تشریحات کو تفصیل سے بیان کئے بغیر صرف ان احادیث اور واقعات کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے جن کی بناء پر شیعہ ولایت ائمہ کا نظریہ رکھتے ہیں۔ دور حاضر کے مشہور مورخ فرہاد دفتری ولایت کے مفہوم کو یوں بیان کرتے ہیں۔ ”اصطلاح ولایہ جس کے معنی ائمہ کے ساتھ محبت اور اطاعت کے تاویل کے نام سے معروف ہے۔ اصطلاح ولایہ کے اصلی مفہوم کیلئے جس کو جدید دور میں ہنری کوربین نے بہت زیادہ استعمال کیا ہے۔ کسی بھی مغربی زبان میں مترادف موجود نہیں ہے۔ تاہم قیاساً اس کا ترجمہ Initiation کیا جاسکتا ہے۔ شیعہ عقیدے کے مطابق دائرہ نبوت جس میں مختلف انبیاء کے توسط سے شرائع کے ظاہر کا ابلاغ ہوتا ہے، آنحضور ﷺ کے ساتھ اختتام کو پہنچا ہے مگر اس کے بعد فریضہ ولایت کی دائمی ضرورت سامنے آتی ہے جس کا تعلق اسلام کے مقدس پیغام کے باطنی معنی کی تعبیر و تشریح سے ہوتا ہے۔



۱۔ عمیق مطالعہ کرنے والوں کے لئے علامہ امینی کی کتاب ”الغدير“ بہت اہم مواد ہے، جو ۲۱ جلدوں پر لکھی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر زاہد علی زاہدی کا پی ایچ ڈی کا مقالہ بعنوان ”حکومت اسلامی کا فکری تجزیہ بحولہ ولایت فقیہ“ کے دوسرے اور تیسرے باب کی طرف بھی رجوع کیا جاسکتا ہے، جس میں ولایت الہیہ پر بنیادی ماخذ کے حوالوں کے ساتھ تفصیل سے بحث کی گئی ہیں۔ اس کے ساتھ دور حاضر کے محقق شیخ جعفر سبحانی کی تصنیفات اہم ہیں خصوصاً الملل والنحل کی چھٹی ساتویں اور آٹھویں جلدیں اور کتاب الحمد ابوب الاسلامیہ اس سلسلے میں بنیادی مواد فراہم کرتے ہیں۔ اسی طرح مرتضیٰ مطہری کی کتاب ”فلسفہ ولایت“ اہم ترین کتاب اس موضوع پر ہے۔

## ﴿باب دوم﴾

## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

اور وہی شخص امام برحق ہوتا ہے، جس کا کام ہر زمانے میں فریضہ تاویل (یا ولایت) کی تکمیل ہے، جو امامت کا جزو لاینفک ہے۔ اس فریضہ کی انجام دہی کی وجہ سے ائمہ کو اولیاء اللہ کہا جاتا ہے۔“ (۲۲)

شیعہ اپنے ائمہ کی ولایت میں متعدد احادیث نقل کرتے ہیں۔ مشہور احادیث کی کتب ’وسائل الشیعہ‘ کی پہلی جلد میں ۲۹ اور ’مستدرک الوسائل‘ میں ۱۷ حدیثیں ولایت کے موضوع سے متعلق ہیں۔ شیعہ کتب احادیث میں سب سے قدیم کتاب ’اصول کافی‘ میں اس سلسلے میں ایک مشہور روایت موجود ہے۔ ”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور ولایت۔“ (۲۳)

قطع نظر کہ ولایت سے متعلق آیات اور احادیث میں کون سے معنی مراد لئے جائیں، یہ بات واقعات میں بلا اختلاف ثابت ہے کہ ولایت سے متعلق جتنی بھی احادیث ہیں، وہ ائمہ معصومین کی شان میں ہیں۔ البتہ قرآن میں یہ لفظ مسلمان مومن اور کافر سب کے لئے استعمال ہوا ہے۔ یعنی ولایت ممدوحہ اور ولایت مذمومہ دونوں طرح کی ولایت کا ذکر قرآن میں ہوا ہے۔ (۲۴)

بات یہاں تک پہنچی کہ امامت اور ولایت سے متعلق احادیث کا جو بھی معنی اور مفہوم لیا جائے لیکن ان کے مصداق میں اہل بیت کا ہونا اس قدر واضح ہے کہ جس سے انکار ممکن نہیں۔ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امامت اور ولایت پر خدا ہی کسی شخص کو نصب کرتا ہے۔ اس حوالے سے شیعہ متعدد آیات، احادیث اور واقعات کو پیش کرتے ہیں۔ آیات میں سب سے مشہور آیت سورہ مائدہ کی ۵۶ آیت ہے، جسے آیت ولایت بھی کہا جاتا ہے۔ (۲۵) اکثر محدثین اور مفسرین



کے نزدیک یہ آیت حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ دور حاضر کے پاکستان کے معروف شیعہ عالم محسن علی نجفی نے تفسیر الکوثر میں ۶ روایان کے نام کو نقل کیا ہے، جنہوں نے آیۃ ولایت کو حضرت علی کی شان میں نازل ہونے کی خبر دی ہے۔ اس کے علاوہ ان تمام مآخذ اور مصادر کا بھی ذکر کیا ہے، جہاں پر اس حدیث کو نقل کیا گیا ہے۔ جس میں تفسیر طبری، درمنثور سیوطی، سمرقندی، البحر المحیط، لباب النقول فی اسباب النزول واحدی، شواہد التنزیل، انساب الاشراف بلاذری، غرائب القرآن و نیشاپوری، کتاب الموقف قاضی یحییٰ، شرح مواقف جرجانی و تفتازانی، شرح تجرید قوشچی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ بعض مفسرین نے اس آیۃ کو حضرت علی کی شان میں نازل ہونے سے انکار بھی کیا ہے، جن میں سب سے مشہور ابن تیمیہ اور صاحب ابن کثیر ہیں۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: ”آیۃ ولایت کا آخری جملہ جو ہے اس کی نسبت بعض لوگوں کو وہم سا ہو گیا ہے کہ یوتون الزکوۃ سے حال واقع ہے یعنی رکوع کی حالت میں زکوۃ ادا کرتے ہیں، یہ بالکل غلط ہے۔ اگر اسے مان لیا جائے تو یہ نمایاں طور پر ثابت ہو جائے گا کہ رکوع کی حالت میں زکوۃ دینا افضل ہے حالانکہ کوئی عالم اس کا قائل ہی نہیں۔ ان وہمیوں نے یہاں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب نماز کے رکوع میں تھے کہ ایک سائل آگیا تو آپ نے اپنی انگوٹھی اتار کر اسے دے دی، والذین امنوا سے مرا بصقول عتبہ جملہ مسلمان اور حضرت علی ہیں۔ اس پر یہ آیۃ اتری ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی انگوٹھی کا قصہ ہے اور بعض دیگر مفسرین نے بھی یہ تفسیر کی ہے لیکن سند ایک کی بھی صحیح نہیں ہے، رجال ایک کے بھی صحیح اور ثقہ اور ثابت نہیں، پس یہ واقعہ بالکل ثابت شدہ اور صحیح



نہیں۔“ (۲۶)

لہذا صرف ابن کثیر اور ابن تیمیہ نے آیت ولایت سے انکار کیا ہے جبکہ بقیہ تمام قدیم مورخین نے اس آیت کی شان میں حضرت علی کی ولایت کو بیان کیا ہے۔ ابن کثیر اور ابن تیمیہ آیت ولایت کی شان نزول کے منکر تو بن گئے اور ساتھ ہی حدیث کی سند کو بھی کمزور لکھا، لیکن کن بنیادوں پر انہوں نے انکار کیا ہے۔ اس حوالے سے دونوں علماء کسی طرح کی عقلی و نقلی دلیل پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ دوسری طرف شیعہ اور سنی اکثر محدثین اور مورخین نے آیہ ولایت حضرت علی کی شان میں نازل ہونے کا اقرار کرتے ہوئے آپ ﷺ سے احادیث کو بھی نقل کیا ہے۔

مندرجہ بالا بحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیعیت کا نظریہ ولایت خاص اہمیت کا حامل ہے۔ شیعہ علماء ائمہ کی ولایت کی دو اقسام ولایت تکوینی اور ولایت تشریحی بیان کرتے ہیں۔ ولایت تکوینی جسے حقیقی ولایت بھی کہا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ائمہ معصومین دنیا میں مخلوق خدا پر تصرف کا حق رکھتے ہیں۔ لیکن کس حد تک ائمہ اہل بیت بنی نوع انسان پر تصرف کا حق رکھتے ہیں؟

ائمہ اہل بیت کی ولایت تکوینی الہی ولایت سے مختلف ہے۔ ائمہ کی ولایت درحقیقت حصول کمال کا دوسرا نام ہے۔ اللہ کے لئے حصول کمال یا قرب کا تصور ناممکن ہے کیونکہ اللہ محل حوادث نہیں ہے، جبکہ قرب الہی یا حصول کمال محل حوادث سے خالی نہیں ہے۔ البتہ ولایت تکوینی کے حاملین بندگی کی راہ پر چل کر اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں ان کا روحانی مرتبہ خود ایک حقیقت بن جاتی ہے۔ ایک انسان کے لئے اس حقیقت کی حد بندی کرنا ناممکن ہے۔ چونکہ





## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

### ﴿باب دوم﴾

ائمہ اہل بیت کی ولایت اسی روحانی حقیقت کا دوسرا نام ہے، جس کی وجہ سے ائمہ اہل بیت کے مدارج اور مراتب بھی لامحدود ہیں، جن کو مادی لحاظ سے معین کرتے ہوئے اس کی حد بندی کافی مشکل کام ہے۔ حصول کمال اور قرب الہی کے ذریعے کوئی بھی انسان ان روحانی مدارج اور مراتب کو پاسکتا ہے، لیکن انبیاء اور ائمہ کو جو اختیارات دیے گئے ہیں وہ ولایت اولیٰ بالتصرف کے ایک وسیع معنی میں انہیں حاصل ہیں۔ اسی مفہوم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کیلئے فرمایا۔ النَّبِيُّ أَوْلىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ۔ نبی اکرم ﷺ مومنین پر ان کے نفسوں سے زیادہ تصرف کا حق رکھتے ہیں۔۔۔۔۔ الخ“ (۲۷) ائمہ اہل بیت کو تصرف کا حق ایک مفہوم میں عام روحانی شخصیات کی ولایت سے مختلف ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ کی ولایت سے بھی الگ اور مختلف ہے۔ ائمہ اہل بیت کو اللہ نے بندوں پر مطلقاً تصرف کا حق نہیں دیا ہے، جیسا کہ بعض لوگ ائمہ اہل بیت کی ولایت تکوینی کو ولایت تکوینی مطلق تصور کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ نے ہر چیز کو پیدا کرنے کے بعد اپنی مخلوقات پر اپنے خاص بندوں (ائمہ اہل بیت) کو تصرف کا مطلقاً حق دیا ہے۔ اب مخلوقات خدا کے اعمال اور افعال کے اختیارات انہیں لوگوں کے پاس ہیں اور یہی لوگ خالق و مالک اور رازق ہیں۔ اس تصور کی عقیدہ توحید میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت حال میں تصرف مطلق کے حاملین خود اللہ کے بھی ولی قرار پائیں گے، جبکہ خالص توحید کے نظریے کے مطابق کوئی مخلوق خدا اللہ کا ولی نہیں ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذَّلِّ وَكَبْرُهُ تَكْبِيرًا۔ سلطنت میں کوئی اس کا سا جھی



نہیں اور نہ ہی اسے کسی طرح کی کمزوری ہے کہ کوئی اس کا سرپرست ہو، تو اس کی بڑائی اچھی طرح کرتے رہا کرو۔ (۲۸)

نہ صرف ولایت تکوینی بلکہ ولایت تشریحی میں بھی حاملین ولایت کے پاس شریعت سازی کا اختیار نہیں ہے، البتہ شریعت کی حفاظت، توضیح اور تشریح پیغمبر خدا کے حقیقی خلفاء کرتے ہیں اور یہی اصل ولایت ہے، جس کا اختیار اللہ کے خاص بندوں کو حاصل ہے۔ ڈاکٹر زاہدی نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے کہ تکوینی اختیارات بھی دو طرح کے ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو وہی ہے۔ یہ انبیاء کیلئے مخصوص ہے اور اس کا انحصار وحی الہی پر ہوتا ہے، جس میں انبیاء سے وقوع پزیر ہونے والے معجزات اور کرامات ہیں اور دوسری ولایت اکتسابی ہے۔ یہ ولایت باطنی پاکیزگی اور روحانی معرفت رکھنے والوں کو نصیب ہوتی ہے۔ اس ولایت کو اکتسابی کے علاوہ ولایت باطنی بھی کہا جاسکتا ہے، کیونکہ اس ولایت کے حاملین کو معنوی اور باطنی ہدایت کا فیض کل حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ باطنی طریقے سے اور ملکوتی وسائل سے لوگوں کی ہدایت کیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے۔ ”وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ“ اور انہیں (بنی اسرائیل) میں سے ہم نے کچھ لوگوں کو چونکہ انہوں نے صبر کیا تھا، پیشوا بنایا۔ جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ہماری آیتوں کا دل سے یقین رکھتے تھے۔“ (۲۹) تکوینی ولایت کافی حساس ہے، کیونکہ نظام آفرینش پر خدا کے علاوہ کسی اور کی حکومت ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ لہذا تکوینی ولایت سے مراد یہ لیا جائے گا کہ جس طرح وحی اور اس کی بناء پر قائم ہونے والے احکامات اور صاحب احکامات کی



## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

### ﴿باب دوم﴾

پیروی دراصل خدا کی پیروی ہے۔ اسی طرح جو شخص شارع اسلام کے جانشین کے طور پر معاشرہ کا حاکم ہو، اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ بھی خدا وحدہ لا شریک سے ایک خاص باطنی ارتباط رکھے تاکہ اس کی اطاعت بھی رسول کی اطاعت ہو، جس کے نتیجہ میں خدا کی اطاعت قرار پائے۔ ورنہ اصل اور حقیقی ولایت تو خدا ہی کی ولایت ہے۔ رسول اور اماموں کی ولایت تبعی ہے، جو حکم الہی پر منحصر ہے۔ ولایت تشریحی سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ خاص بندے جو اللہ کے نظام کو تعفیذ کرنے کیلئے اللہ کے واضح اور نجات دہندہ اصولوں کو معاشرہ میں پیش کرتے ہیں، ان اصولوں کی مدد سے معاشرے کی اصلاح کرتے ہیں۔ (۳۰)

بحث کا سیر حاصل یہ ہے کہ امامت نبوت کی طرح ایک الہی منصب ہے۔ عقلی اور نقلی دلائل کے مطابق ضروری ہے کہ ہر زمانے میں ایک امام اور رہنما ہو، جو پیغمبر اسلام ﷺ کی جگہ انسانوں کو دنیا اور آخرت کی بھلائی کا راستہ دکھائے اور لازمی ہے کہ امام ولایت کا مالک بھی ہوتا کہ جس طرح آنحضور ﷺ انسانوں میں تصرف کا حق رکھتے تھے، اسی طرح امام بھی عوام میں حق تصرف رکھے، جس سے وہ الہی نظام کی تعفیذ کر سکے۔ معاشرے میں انصاف قائم کرے اور ظلم و ستم کا خاتمہ کر دے۔



### (2/3) عصمت ائمہ اہل بیت رسول ﷺ

شیعہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ دونوں کے نزدیک امام کا معصوم (عن الخطاء) ہونا ضروری ہے۔ ان کے عقیدہ کے مطابق انبیاء اور ائمہ ہر طرح کے چھوٹے اور بڑے گناہوں اور غلطیوں سے بری ہوتے ہیں۔ یہی عقیدہ عصمت ہے۔ مشہور

## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ ﴿باب دوم﴾

شیعہ عالم اور فلسفی علامہ حلی نے باب حادی عشر میں عصمت کی تعریف یوں کی ہے۔ ”العصمة لطف خفی یفعل اللہ تعالیٰ بالمکلف بحيث لا یكون له داع الى ترک الطاعة و ارتکاب المعصية مع قدرته على ذالک۔ عصمت ایک ایسا پوشیدہ لطف (الہی) ہے جس کو اللہ تعالیٰ مکلف (رسول و امام) کو عطا کرتا ہے در حال یہ کہ وہ قدرت رکھنے کے باوجود اطاعت الہی کو نہیں چھوڑتا اور ارتکاب معصیت نہیں کرتا۔“ (۳۱)

حاملین عصمت کو تین گروہوں میں تقسیم کر کے تجزیہ کیا جائے تو بات زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ یعنی انبیاء، ائمہ اور عام انسانوں کی عصمت۔ انبیاء کی عصمت میں شیعہ مع اسماعیلیہ متفق نظر آتے ہیں۔ اکثر روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیعوں کا قدیم ترین نظریہ ہے کہ انبیاء مطلقاً معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں۔ جبکہ دیگر اسلامی فرقوں میں اس حوالے سے دورائے ہیں کہ کچھ انبیاء کی عصمت مطلقہ کے قائل ہیں تو کچھ نہیں ہیں۔ بعد الذکر نظریہ کے حامل بھی دو طرح کے نظریات رکھتے ہیں۔ کچھ کا کہنا ہے کہ تبلیغ رسالت میں غلطی کا احتمال پیغمبروں میں نہیں پایا جاسکتا۔ البتہ دوسرے معاملات زندگی میں انبیاء سے غلطی اور گنہگار سرزد ہونا محال از امکان نہیں، جبکہ کچھ انبیاء میں تبلیغ رسالت میں بھی غلطی کے سرزد ہونے کے قائل ہیں۔

عصمت کے حوالے سے تیسرا گروہ یعنی عام انسانوں میں عصمت کا پایا جانا۔ انبیاء اور ائمہ کی طرح دیگر لوگ معصوم عن الخطاء نہیں ہیں اور نہ ہی مسلمانوں کا ایسا کوئی عقیدہ ہے کہ عام انسان بھی معصوم ہوتا ہے، البتہ شیعہ سنی کتابوں میں بہت سارے اللہ کے برگزیدہ بندوں کے بارے میں تفصیل پائی جاتی ہے کہ وہ لطف الہی



## ﴿باب دوم﴾

## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

اور تقویٰ کے کمال کی وجہ سے گناہوں سے دور رہے ہیں۔ بات گروہ ثانی کے بارے میں ہے کہ آیا خلیفۃ الرسول معصوم ہوتا ہے یا نہیں۔ اثنا عشری اور اسماعیلی شیعوں کا یہ متفقہ نظریہ ہے کہ امام ظاہری اور باطنی پوری زندگی میں ہر طرح کے گناہ اور غلطی سے پاک ہوتا ہے۔ البتہ علامہ مجلسی کے مطابق ابن بابویہ اور ان کے استاد محمد بن الحسن یہ دو شیعہ علماء ایسے گزرے ہیں کہ جو ائمہ کے لئے عصمت مطلقہ کے قائل نہیں تھے بلکہ ان کی رائے یہ ہے کہ امام احکام خداوندی کے تنفیذ اور تبلیغ الہی کرنے میں معصوم عن الخطاء ضرور ہیں لیکن عام زندگی کے معاملات میں غلطی کا سرزد ہونا امام کیلئے جائز ہے۔ ان دو علماء کے علاوہ شیعیت میں امام پیغمبر کی طرح ہی معصوم ہوتا ہے۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ امام عہدہ امامت کے زمانے میں ہی معصوم نہیں ہوتا ہے بلکہ پوری زندگی معصوم ہونا لازمی ہے۔ ”امامت کے لائق وہ شخص نہیں ہے جس نے کسی فعل حرام کا ارتکاب کیا ہو، خواہ وہ صغیرہ ہو یا کبیرہ۔ اگرچہ اس کے بعد توبہ کرے۔“ (۳۲)



امامت کیلئے عصمت کی شرط کس لحاظ سے ہے۔ کیا امام فرشتوں کی طرح معصوم عن الخطاء ہے یا یہ کہ عصمت امام کیلئے ایک لطف الہی ہے۔ شیعہ نکتہ نظر سے امام آخر الذکر کی وجہ سے معصوم ہے۔ امام کا گناہ اور غلطی نہ کرنا پیغمبروں کی طرح اور ایمان اور یقین کے اعلیٰ درجے کی بناء پر ہے۔ ”(عصمت) خدا کا ایک لطف ہے جس کے سبب ترک اطاعت و ارتکاب معصیت کی خواہش بندہ کو نہیں ہوتی ہے اور اس کے چار اسباب ہیں۔ پہلے یہ کہ اس کے نفس یا بدن میں ایسی خاصیت ہوتی ہے، جس سے وہ ملکہ ہو جاتا ہے، جو فتن و فجور سے روکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کو

## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

### ﴿باب دوم﴾

گناہوں کا عیوب اور طاعت کی نیکیوں اور فضیلتوں کا علم حاصل ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ وحی الہام الہی کے تابع ہونے کے سبب ان علوم میں اور بھی تائید حاصل ہوتی ہے۔ چوتھے یہ کہ خدا اس سے فعل مکروہ اور ترک اولیٰ پر مواخذہ کرتا ہے تاکہ وہ جانے کہ جب غیر واجب امور میں حق تعالیٰ اس پر کام کو تنگ کرتا ہے، تو واجبات و حرام میں اس کے ساتھ تساہل نہ کرے گا۔ الغرض یہ امور کسی میں جمع ہو جائیں گے تو وہ معصوم ہوگا۔ (۳۳)

یقین و اطمینان میں کمی اور ضعف نفس کی وجہ سے انسان خطار کار ٹھرتا ہے۔ انسان نفس پر مکمل گرفت حاصل کرے، یقین و اطمینان میں حد کمال کو پہنچے تو وہ ہر چھوٹے بڑے گناہوں سے بری ہو سکتا ہے۔ پس ائمہ معصومین اسی عنوان سے معصوم ہیں کہ وہ انبیاء کی مانند اپنے نفوس پر اختیار رکھتے ہیں اور یقین و اطمینان میں کامل ہیں۔ قرآن مجید نے ایسے ہی نفس کو نفس مطمئنہ کا نام دیا ہے۔ شیخ صدوق نے محمد بن عمیر اور ہشام (حضرت جعفر صادق کے خاص شاگرد) کا وہ مکالمہ کو جو عصمت ائمہ پر ہوا تھا، اپنی کتاب امالی میں درج کیا ہے۔ جس میں ہشام نے کہا تھا کہ گناہ کرنے کی علتیں اور اسباب ہوتے ہیں، امام ان علتوں اور اسباب سے واقف ہوتا ہے۔ اس لئے امام اسباب اور علل گناہ کے ادراک رکھنے کی وجہ سے گناہ کرنے سے مطلقاً پرہیز کرتا ہے۔ پس ائمہ کے لئے عصمت ایک باطنی ملکہ ہے، جو تقویٰ اور ہدایت باطنی کے کمال کا مظہر اور الہی عطیہ کے طور پر ائمہ کیلئے لازمی ہے۔ یہ وہ ملکہ ہے جو امام کو گناہ نہ کرنے پر مجبور نہیں کرتا ہے اور نہ ہی امام سے گناہ



## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

### ﴿باب دوم﴾

کرنے کی تمام قوتوں کو سلب کرتا ہے بلکہ امام کے پاس بحیثیت بشر گناہ کرنے کی تمام قوتیں موجود ہوتی ہیں لیکن امام تقویٰ الہی اور گناہ اور ثواب کے نتائج کا ادراک رکھنے کی وجہ سے گناہ کرنے سے باز رہتا ہے اور یہی عصمت ائمہ ہے۔

شیعہ ائمہ کی عصمت پر عقلی اور نقلی دونوں طرح کے دلائل پیش کرتے ہیں۔ علامہ مجلسی نے ان دلائل کو حیات القلوب کی تیسری جلد میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔ رعایا سے خطا جائز ہے تو پھر عقلاً یہ ضروری ہوتا ہے کہ کوئی نہ کوئی ہو جو رعایا اور امت کو خطا سے محفوظ رکھے اور اگر امام اور پیشوا میں خطا ممکن ہو تو پھر کسی اور پیشوا کی ضرورت پڑے گی۔ اس طرح تو تسلسل لازم آئے گا اور وہ محال ہے۔ لہذا آخر میں ایک امام تک نوبت آئے گی، جس کیلئے خطا جائز نہ ہو تو پھر وہی امام ہوگا۔ دلیل تسلسل کو علامہ حلی نے بھی کشف المراد میں لکھا ہے۔ دوسری اہم ترین عقلی دلیل یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ رسول وحی کی قراگاہ اور حکم کا معدن ہے اور قیامت تک لوگوں کی طرف اللہ کی رسالت کا پہنچانا آپؐ پر واجب ہے اور امام اس امانت کے ادا کرنے میں رسول کا قائم مقام ہے۔ اس لئے امانت کے ادا کرنے والے کیلئے ضروری ہے کہ وہ ایسا امین ہو، جس کیلئے خیانت کا منسوب کرنا ناجائز ہو۔ ایک اہم بات یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ امام معصوم نہ ہو تو ممکن ہے کہ بعض احکام میں رسول کی راہ پر نہ چلے، جس کا نتیجہ ظلم اور امت کا افتراق ہوگا، جبکہ عصمت اتفاق جماعت کا سبب ہے۔ ان تمام باتوں میں سب سے اہم اور مشہور دلیل عصمت ائمہ میں یہ پیش کی جاتی ہے کہ امام بھی پیغمبر ہی کی طرح دین کی



حفاظت کرنے اور اس کو تحفیذ کرنے والا ہوتا ہے، لہذا امام کو بھی پیغمبر کی طرح معصوم ہونا چاہیے۔ لہذا وہ تمام دلائل جو پیغمبر کی عصمت میں پیش کئے جاتے ہیں، امام کی امامت کیلئے بھی ثابت ہیں۔ خواجہ نصیر الدین طوسی اور علامہ حلی نے عصمت امامت پر پانچ عقلی دلائل پیش کئے ہیں۔ جن میں دلائل تسلسل و ملازمہ اور قضیہ کبریٰ و صغریٰ کا نتیجہ بھی شامل ہیں۔ ان دلائل کی تفصیلات کو علامہ حلی کی کتاب ”باب حادی عشر“ جس کی شرح علی محمدی نے ”کشف المراد“ کے نام سے کی ہے، اس میں دیکھا جاسکتا ہے۔ عقلی دلائل کے علاوہ امام کی عصمت پر نقلی بنیادوں سے بھی بحث کی جاتی ہے۔

اس حوالے سے کئی ایک احادیث اور آیات مشہور ہیں۔ اس حوالے سے سب سے مشہور آیت سورہ احزاب کی آیت نمبر ۳۳ ہے جس کو آیت تطہیر بھی کہا جاتا ہے۔ ”بے شک اللہ چاہتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے ہر نجاست کو دور رکھے اور تمہیں اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جس کا تم حق رکھتے ہو۔“ (۳۳)

رجس کے اردو معنی پلیدیگی اور آلودگی کے ہیں، لفظ رجس ظاہری اور باطنی دونوں طرح کے معانی میں قرآن میں استعمال میں ہوا ہے۔ جیسے کہ اس آیت میں رجس سے مراد ظاہری آلودگی ہے۔ ”مگر مردار، بہتا ہوا خون، یا سور کا گوشت تو بیشک یہ چیزیں ناپاک اور حرام ہیں۔“ (۳۵) اور اسی طرح رجس باطنی ناپاکی کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ ”مگر جن لوگوں کے دل میں (نفاق کی) بیماری ہے تو انکی پچھلی خباثت پر اس صورت نے ایک خباثت اور بڑھادی ہے۔“ (۳۶) لہذا امام ظاہری اور باطنی ہر دو جہت سے معصوم ہوتا ہے۔





## ﴿باب دوم﴾

## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

بہت سارا مستند مواد اس بات کی تائید کرتا ہے کہ آیت تطہیر پانچ افراد کی شان میں نازل ہوئی یعنی حضرت رسول خدا ﷺ، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین کیلئے۔ اکثر محدثین نے تطہیر سے مراد عصمت ہی لیا ہے۔ اس آیت میں صرف پختن ۲ کی طہارت اور عصمت کا ذکر ہے لیکن شیعہ نکتہ نظریہ ہے کہ تمام ائمہ اہل بیت معصوم عن الخطا ہیں۔ اس سلسلے میں شیعہ متعدد روایات کو حضرت محمد ﷺ سے بیان کرتے ہیں، جس میں آپ ﷺ نے دیگر ائمہ کی عصمت پر اس آیت کا اطلاق کیا ہے۔ جیسا کہ ابن عباس سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے ”میں اور علی، فاطمہ، حسن، حسین اور نسل حسین سے نو فرزند معصوم ہیں۔ خدا، رسول ﷺ اور اولی الامر کے علاوہ کسی اور کی اطاعت واجب نہیں ہے اور اولی الامر کی پیروی اس لئے واجب ہے کہ وہ معصوم ہیں۔ گناہوں سیدور، خدا کے حکم کے خلاف کوئی حکم نہیں کرتے۔“ پس امام وہ شخصیت ہے جو گناہ اور معصیت سے مبرا اور ہر عیب سے پاک ہوتی ہے۔

(2/4) علم امام

شیعہ اثنا عشری اور اسماعیلی عقیدے کے مطابق امام دین کا سرپرست اور عالم کا پیشوا ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ وہ ان تمام مسائل کا علم رکھتا ہو، جن سے لوگوں کو دنیا و آخرت میں واسطہ پڑتا ہے۔ امام نہ صرف حقائق ظاہریہ سے

۱۔ اہل سنت کے بنیادی مآخذ یا صحیح المودہ، درمنثور ج ۵، مسند احمد حبل ج ۱، تفسیر رازی ج ۱، خصائص کبریٰ ج ۱۲ اور صواعق ابن حجر کی طرف رجوع کیجئے۔

۲۔ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اہل بیت رسول کی پانچ اہم شخصیات حضرت محمد ﷺ، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین کے لئے پختن پاک کی اصطلاح استعمال کرتی ہے، جس کی وجہ ان کی شان میں سورہ احزاب کی آیت ۳۳ کا شان نزول بتایا جاتا ہے



## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

### ﴿باب دوم﴾

واقف ہوتا ہے بلکہ وہ حکم خدا کے مطابق تمام کائنات کا باطنی علم بھی رکھتا ہے۔ کیونکہ بحیثیت امام و رہبر کے کائنات کے علم میں امام کو کسی اور کا محتاج نہیں ہونا چاہئے۔ امام کیلئے ضروری ہے کہ وہ رعایا میں حلم، عبادت، سخاوت، شجاعت اور دیگر شرائط میں افضل ہو۔ اگر امام رعایا میں افضل نہ ہوتا تو پھر خدا کبھی بھی اولی الامر کی اطاعت رعایا پر واجب نہیں کرتا، کیونکہ اس صورت میں مفضول پر فاضل کی اطاعت لازم آتی جو کہ عقلی اور شرعی طور پر صحیح نہیں ہے۔

عقلًا و نقلًا یہ بات لازم آتی ہے کہ امام کو شرعی احکام کے اجراء اور بنی نوع انسان کی ہدایت کیلئے تمام انسانوں میں تمام خصوصیات میں اعلیٰ و ارفع ہونا چاہئے۔ اسی تناظر میں امام کا علم تمام انسانوں سے زیادہ ہونا چاہئے لیکن اس کی حد کتنی ہے؟ نیز امام کے لئے علم غیب بھی ضروری ہے؟



یقیناً عالم غیب و شہادہ کی ذات صرف اور صرف خدا کی ذات ہے۔ اس حوالے سے قرآن میں متعدد آیات موجود ہیں۔ (۳۷) ان آیات کی روشنی میں تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ خدا کے سواء کوئی اور انسان چاہے نبی، رسول یا امام ہو، غیب کا علم نہیں رکھتا یعنی غیب مطلق پر کوئی بھی آگاہ نہیں ہے لیکن دوسری طرف متعدد آیات ایسی بھی ہیں، جو غیر خدا کیلئے غیب کا اثبات کرتی ہیں۔ ”خدا تم کو غیب کی باتوں سے آگاہ نہیں کرے گا، البتہ خدا اپنے رسولوں میں جس کو چاہتا ہے اسکو (غیب کیلئے) منتخب کر لیتا ہے۔“ (۳۸) ظاہراً ان آیتوں میں تضاد نظر آرہا ہے، لیکن حقیقتاً تضاد نہیں ہے۔ بلکہ اول الذکر آیات میں غیب مطلق مراد ہے۔ جنہیں غیب ذاتی یا استقلالاً بھی کہا جاسکتا ہے، جو صرف خدا ہی کیلئے سزاوار ہے۔ دوسری

قسم کی آیات میں غیب نسبی مراد ہے کہ اللہ نے انبیاء اور ائمہ کو یہ صلاحیت عطا کی ہے کہ رسول یا امام حکم خدا کے مطابق علم کو جانتے ہیں۔ چاہے یہ علم حدوثی ہو یا علم غیبی، ان کو علم ظاہر اور علم باطن سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ پس شیعہ ائمہ کیلئے ثانی الذکر کے تحت علم غیب رکھنے کے قائل ہیں۔ ورنہ ذاتی اور مطلق علم غیب کا مالک تو صرف خدا کی ذات ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء اور رسولوں کو علم حدوثی اور علم غیبی (غیب نسبی) وحی کے ذریعے ملا ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ وحی کا سلسلہ بند ہوا ہے تو پھر ائمہ رسول اور نبی کی طرح علم غیب کو کیسے جانتے ہیں؟ ائمہ کو یہ علم کون سے ذرائع سے ملتا ہے؟ اس حوالے سے مجتبیٰ موسوی لاری تحریر کرتے ہیں۔ ”امام کے عمیق ترین و دقیق ترین علوم کا مآخذ و سرچشمہ عالم غیب سے الہام کا ہوتا ہے۔ ائمہ اپنے وسیع عقول و کامل علوم اور وسعت فکر اور دینی بے پناہ معلومات کی بناء پر مسائل کے جوابات اور احکام اسی قرآن سے استنباط کرتے ہیں۔ تیسرا ذریعہ وہ انبیاء کی کتب و صحیفے تھے، جو رسول خدا سے ائمہ معصومین کو میراث میں ملے تھے۔“ (۳۹)



لہذا قرآن کے نزدیک اللہ کے برگزیدہ بندے بوقت ضرورت غیب سے رابطہ پیدا کر سکتے ہیں، لیکن ہر وقت اس پر قادر نہیں کیونکہ بنیادی طور پر یہ لوگ بشر ہیں۔ ظاہری طور سے عام امور انجام دیتے ہیں۔ شرعی تکالیف کے پابند ہیں۔ حضرت جعفر صادق بن حضرت محمد باقر نے اس بات کو یوں اجاگر کیا ہے۔ ”ہمارے علم و عدم علم کی بنیاد خدائی منشاء پر ہے وہ جب چاہتا ہے ہم جان لیتے ہیں اور وہ نہ چاہے تو نہیں جان سکتے ہیں۔ امام دوسرے افراد کی طرح پیدا بھی ہوتا ہے اور کھاتا پیتا بھی ہے اور بول براز بھی کرتا ہے۔ وہ خوش اور رنجیدہ بھی ہوتا ہے۔ وہ ہنستا اور

## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

### ﴿باب دوم﴾

روتا بھی ہے۔ وہ مرتا اور دفن بھی ہو جاتا ہے اور اس کے علم میں اضافہ بھی ہوتا ہے لیکن اس کا امتیاز دو چیزوں میں ہے۔ ایک علم اور دوم قبولیت دعا۔ امام تمام حوادث کے وقوع سے پہلے اطلاع دے سکتا ہے کہ اس کے پاس رسول اللہ ﷺ کا عہد ہوتا ہے جو اسے وراثت میں ملتا ہے۔“ (۴۰)

ان روایات سے یہ بات اجاگر ہوتی ہے کہ امام کیلئے ممکن ہے کہ جب بھی چاہے مرضی الہی کی موافقت کے ساتھ باطنی امور کی پیشگوئی کرے اور یہ سب کچھ منشاء الہی کے عین مطابق ضرورت کے حساب سے ہوگا۔ لہذا یہ ائمہ کیلئے نبی اور کسی علم ہوگا، جسے وہی علم بھی کہا جاسکتا ہے۔ جس کا استعمال روزمرہ کی زندگی میں ائمہ کیلئے ثابت نہیں۔ پس خدا وحدہ لا شریک کے علاوہ کوئی بھی انسان چاہے نبی ہو یا امام مطلقاً عالم الغیبہ والشہادہ کا مصداق نہیں ہے۔

(2/5) امام کا ہاشمی ہونا

شیعہ اثنا عشری اور اسماعیلی دونوں امام کے شرائط میں ایک شرط ہاشمی ہونا قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح تمام مسلمان بھی خلیفۃ الرسول کے لئے قریشی ہونے کی شرط قرار دیتے ہیں۔ شیعوں کا نظریہ ہے کہ امام کا قریشی ہونے کے ساتھ ہاشمی ہونا بھی لازمی ہے جبکہ اس کے برعکس دیگر مسلمانوں کا نظریہ ہے کہ امام کا صرف قریشی ہونا ہی لازمی ہے۔ یوم سقیفہ پر حضرت ابو بکر کی خلافت کے قیام کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہی قرار دی جاتی ہے۔ اسی طرح شیعہ بھی ائمہ اہل بیت کی خلافت میں بھی اسی دلیل سے تائید حاصل کرتے ہیں کیونکہ بنی ہاشم نسل قریش ہی میں سے ہیں۔

اگر احادیث کا طائرانہ جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام کا



## ﴿باب دوم﴾

## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

قریشی ہونا لازمی ہے لیکن قریش کی کس شاخ میں امامت کو ثابت کیا جائے۔ کوئی ایک حدیث بھی نہیں پائی جاتی ہے، جس میں امامت کو قریش کی شاخ بنی ہاشم میں ہونے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہو بلکہ اس کے برعکس متعدد ایسی احادیث ہیں، جن میں امامت کو بنی ہاشم کیلئے مخصوص کیا گیا ہے۔ جیسا کہ صاحب ینایع المودہ اور چند دیگر مورخین نے متعدد ایسے روایات کو لکھا ہے، جس میں آپ ﷺ نے واضح طور پر امام کو بنی ہاشم کیلئے مخصوص فرمایا ہے۔ نیز ان روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے بارہ خلفاء کے نام بھی بتادیئے ہیں جبکہ ایک دوسری روایت کتاب ”مناقب“ سے بھی نقل کی ہے جس میں بارہ ائمہ کے اسماء مبارک ان کے القاب سمیت بیان کئے گئے ہیں۔ ان تمام بارہ شخصیتوں کا تعلق بنی ہاشم سے ہے۔ شیعوں کی کتب کلام میں اس حوالے سے متعدد احادیث تو اتر کے ساتھ موجود ہیں۔ اس سلسلے میں ایک روایت کتب اہل سنت میں بھی تو اتر کے ساتھ آئی ہے۔ (۴۱)۱

## (2/6) امام کا ججت خدا ہونا

شیعہ نظریہ کے مطابق زمین ججت خدا سے خالی نہیں رہتی ہے۔ ہر زمانے میں زمین پر اللہ کی طرف سے ہادی کا ہونا لازمی ہے، جو خدا کی طرف سے نصب شدہ ہو۔ ہر پیغمبر اپنے جانے سے پہلے حکم خدا کے مطابق اپنے جانشین کا تقرر فرما کر

۱۔ اس سلسلے میں جو روایت کتب اہل سنت میں آئی ہے جو بارہ خلفاء بنی ہاشم ہونے کو واضح کرتی ہے ”جابر بن سمرہ کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ رسول اکرم ﷺ کے پاس تھا جب آپ ﷺ سے یہ سنا کہ میرے بارہ خلفاء ہوں گے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کی آواز دھیمی ہو گئی اور میں کچھ نہ سمجھ سکا تو بابا سے دریافت کیا کہ دھیمی آواز میں آپ ﷺ نے کیا فرمایا تھا تو انہوں نے بتایا کہ ”کھلم من بنی ہاشم“ فرمایا تھا۔ اس کو عبد الملک بن عیمر، سماک بن حرب، سلیم بن قیس اور سلمان فارسی نے الگ الگ روایت کیا ہے۔

دنیا سے رخصت ہوا ہے۔ حضرت آدمؑ سے لیکر آخری نبی حضرت محمد ﷺ تک وصیت متصل رہی ہے۔ نبی آخر الزماں ﷺ بھی اپنے وصی کا خود انتظام کر کے رحلت فرما گئے ہیں۔ ائمہ معصومین سے متعدد ایسی روایات بیان کی گئی ہیں، جن کے مطابق زمین ایک لمحے کیلئے بھی حجت خدا کے بغیر خالی نہیں رہ سکتی اور اگر ایسا ہو تو زمین دھنس جائے گی۔ ایک روایت حضرت جعفر صادق سے بہت مشہور ہے کہ اگر زمین میں دو آدمی مرد باقی ہوں تو ان میں سے ایک امام ہوگا۔ حضرت نے فرمایا کہ آخر میں جس کی وفات ہوگی، وہ امام ہوگا تا کہ خدا پر کوئی حجت قائم نہ کر سکے کہ تو نے مجھے بغیر حجت کے چھوڑ دیا تھا۔ روایات کے ساتھ ساتھ متعدد قرآنی آیات بھی اس موضوع پر موجود ہیں، ۱۔ جس میں مشہور ترین آیت ”وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ“ ہے۔ جس کی تفسیر میں حضرت جعفر صادق بن محمد باقر نے فرمایا کہ ”اس سے مراد وہ ائمہ ہیں، جو اپنے اپنے زمانہ میں قوم کے ہادی ہوتے ہیں۔ جس قوم میں وہ ہوتے ہیں۔ ان کے بعد ائمہ اطہار یعنی ہر زمانہ میں ایک امام ہے۔ جو لوگوں کی خدا کی راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے اور ان سے حلال و حرام بیان کرتا ہے۔“ (۴۲)

الغرض زمین کبھی حجت خدا سے خالی نہیں رہی۔ چاہے حجت خدا ظاہر و مشہور ہو یا غائب و مستور ہو۔ امام کے ظاہر اور پوشیدہ ہونے کی دونوں صورتوں میں حجت خدا ہونا ثابت ہے۔ جس طرح لوگ آفتاب سے فائدہ حاصل

۱۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمَمَةٍ رَّسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَمَا كَانَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ سورہ قصص، آیت ۵۹۔ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ سورہ عہد آیت نمبر ۷۔ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا لَهَا نَذِيرٌ سورہ فاطر آیت نمبر ۲۴

کرتے ہیں، چاہے ظاہر ہو یا زیرِ ابر پوشیدہ ہو۔ شیخ صدوق نے حجت خدا پر ۶۵ روایتوں کو کتاب ”اکمال الدین“ میں جمع کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس روز سے زمین پیدا کی گئی ہے، کبھی عالم و حجت خدا سے خالی نہیں رکھی گئی۔ جو امور حق کو زندہ کرتا ہے، جس کو لوگ ضائع و برباد کرتے ہیں۔ پھر یہ آیت پڑھی۔ يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (۴۳)۔ چاہتے ہیں کہ بھادیں روشنی اللہ کی اپنے منہ سے اور خدا اپنے نور کو کامل کرنے والا ہے اگرچہ کافروں کو یہ ناپسند ہی کیوں نہ ہو۔“ ائمہ طاہرین کے حجت خدا ہونے پر حدیث ثقلین سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ حدیث اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان مشہور و معروف ہے۔ ”میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، قرآن اور میرے اہل بیت، یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے جدا نہ ہونگے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں۔“ (۴۴) یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ کے بعد قرآن اور اہل بیت حجت ہیں، جن سے متمسک رہنے میں ہی راہ نجات ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث کی رو سے حجت میں قرآن بھی شامل ہے تو پھر امامت کو عترت تک محدود کیوں کیا جاتا ہے؟ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ کے بعد حجت نہ عجم میں سے ہوگا نہ ہی قبائل عرب میں سے کوئی دوسرا ہوگا۔ رسول اللہ نے اپنے کلام کو مشروط کر دیا کہ یہ دونوں (قرآن اور عترت) ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے۔ پس آپ ﷺ نے بتا دیا کہ حجت خدا رسول اللہ ﷺ کی عترت میں سے ہے، جو کتاب خدا سے کبھی جدا نہیں ہوگی۔ وہ ہستی



جو کتاب سے جدا نہیں ہوگی اور جس سے متمسک رہنا امت پر فرض قرار دیا گیا ہے۔ ضروری ہے کہ اس ہستی کو کتاب کا مکمل علم ہوتا کہ اس سے متمسک کرنا ممکن ہو۔ اگر دین میں سے کچھ حصہ ایسا ہو، جسے وہ نہیں جانتی ہو تو اس سے متمسک کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں غلطی کا امکان رہے گا اور غلطی کرنے کی صورت میں وہ قابل اعتماد نہیں رہے گا اور حجیت کے دائرے سے خارج ہو جائیگا۔ اس لئے ضروری ہے کہ حجتِ عترت ہی میں سے ہو۔ بعض دفعہ قرآن کو بھی امام زماں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ ایک غیر معتبر تعبیر ہے کیونکہ امام سے کتاب مراد لینا مجاز اور ظاہر کے خلاف ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے امام کے ساتھ زمانہ کی شرط بھی رکھی ہے۔ جیسا کہ ایک مشہور اور متفق علیہ حدیث ہے۔ ”مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ إِمَامَ زَمَانِهِ مَاتَ مِيتَةَ الْجَاهِلِيَّةِ“ (۴۵) جو شخص اپنے زمانے کے امام کی معرفت کے بغیر مر گیا، اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔“ حدیث میں موجود لفظ زمانہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں ایک امام ہوتا ہے۔



(217) معرفت امام

شیعہ نقطہ نگاہ کے مطابق امام کی معرفت حاصل کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے اور کوئی امام برحق کی معرفت حاصل نہ کرے اور ایسی حالت میں مر جائے تو اسلام کی نظر میں وہ جہالت کی موت ہی مرے گا۔ علامہ مجلسی نے معرفت امام پر مشتمل ان تمام آیات، روایات اور احادیث کو حیات القلوب کی تیسری جلد کے پانچویں فصل میں جمع کی ہے۔ ایک روایت میں حضرت محمد باقر سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی۔ اَوْ مَن كَانَ مَيِّتًا فَأَخْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي



## ﴿باب دوم﴾

## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا كَذَلِكَ زُيِّنَ  
 لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۴۶) جو شخص کہ مردہ ہوتا ہے تو ہم اس کو زندہ  
 کرتے ہیں اور اس کے لئے ایک نور قرار دیتے، جس کی روشنی میں لوگوں کے  
 درمیان راستہ چلتا ہے۔ اس شخص کے مانند ہے، جس کی مثال اور صفت یہ ہو کہ وہ  
 کفر و ضلالت کی تاریکی میں ہو اور کبھی اس سے باہر نہیں آتا۔“ تو حضرت محمد باقر نے  
 فرمایا کہ مردہ سے مراد ہے جو کچھ نہیں جانتا اور عقائد حقہ کا علم نہیں حاصل کرتا اور وہ  
 جو نور کے ذریعہ سے لوگوں کے درمیان راہ چلتا ہے، وہ امام ہے۔ جس کی لوگ  
 پیروی کرتے ہیں اور جو شخص تاریکیوں میں ہے۔ وہ ہے جو اپنے امام کو نہیں پہچانتا۔  
 خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر دور اور ہر زمانہ میں ایک معصوم امام موجود ہوتا ہے  
 لہذا لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ اسکو تلاش کر کے اسکی معرفت حاصل کریں اور اس  
 کی امامت کو تسلیم کریں۔ زمانے کے امام کی معرفت اور اس کی اطاعت لوگوں پر  
 فرض ہے۔



## (2/8) اطاعت امام

امام اولی الامر ہے جس کی اطاعت قرآن میں واجب کردی گئی  
 ہے۔ (۴۷) علامہ ابن خلدون اولی الامر کی تشریح یوں پیش کرتے ہیں۔ ”تمام  
 مخلوق پر امام کی اطاعت واجب ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ کی اطاعت  
 کرو، اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے ارباب امر کی اطاعت کرو۔“ (۴۸)

شیعہ نظریہ کے مطابق امام کی پیروی واجب اور ضروری ہے اور جو اماموں  
 کی پیروی کرے گا، وہ نیکی پائے گا۔ ورنہ بربادی اور تباہی کے گڑھے میں گر جائے

گا۔ کیونکہ امام کی اطاعت درحقیقت خدا کی اطاعت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے۔ ”من اطاعنی فقد اطاع اللہ و من عصانی فقد عصی اللہ و من اطاع الامام فقد اطاعنی و من عصی الامام فقد عصانی (۴۹)۔ جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے امام کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امام کی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی۔“

## (2/9) تعدد و تسلسل امامت



تسلسل امامت سے مراد رسول کے بعد ان کے نائبین کا ہر زمانہ میں موجود ہونا ہے اور یہ سلسلہ تاحال جاری اور ساری ہے۔ امام کی صفات یعنی من جانب اللہ ہونا، معصوم عن الخطاء ہونا، قرشی ہاشمی ہونا، یعنی نسل فاطمہ سے ہونا، مرد ہونا، حجت خدا ہونا اور اپنے زمانے میں ہر طرح سے افضل ہونا ضروری ہے اور دیگر شرائط میں شیعہ اثنا عشری اور اسماعیلی ہم نظریہ ہیں۔ یہاں تک کہ ہر زمانہ میں تسلسل کے ساتھ ساتھ ایک کے بعد دوسرے ہادی کے ہونے میں بھی کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے۔ البتہ اس تسلسل کو شیعہ اثنا عشری بارہ امام تک مخصوص کرتے ہیں، جبکہ اسماعیلیہ مستعالیہ بیس ائمہ تک مخصوص کرتے ہیں۔ اسماعیلیہ نزاریہ ائمہ کی تعداد کو مخصوص نہیں سمجھتے ہیں بلکہ ائمہ اہلبیت کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ اس وقت ہر ہانس پرنس کریم آغا خان انچاسویں امام ہیں۔ اجمالی طور پر اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ میں تسلسل امامت کے عنوان میں کوئی بنیادی اختلاف موجود نہیں ہے۔ کیونکہ اسماعیلیہ نزاریہ کے امام دور اظہار میں جلوہ افروز ہیں تو مستعالیہ کے امام دور ستر میں امامت کو جاری و ساری

## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

### ﴿باب دوم﴾

رکھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح اثنا عشری اپنے بارہویں امام کی امامت کو دور غیبت میں جاری و ساری رہنے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

امام کے قرشی ہونے کی بحث میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ شیعہ اور سنی دونوں کے نزدیک بہت ساری احادیث تواتر کے ساتھ آئی ہیں، جو بتاتی ہیں کہ ائمہ کی کل تعداد بارہ ہے، جو سب کے سب قرشی ہیں۔ جس طرح سے ائمہ کے قرشی ہونے کی حد تک امت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح ائمہ کی تعداد بارہ ہونے میں بھی کوئی اختلاف نظر نہیں آتا ہے۔ البتہ بارہ کے مصداق کے حوالے سے اہل سنت کے درمیان مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔ شیعہ اثنا عشریہ میں بارہ خلفاء کے مصداق میں کسی طرح کا اختلاف نہیں ہے۔ شیعہ محدثین نے مختلف ادوار میں ان احادیث اور روایتوں کو جمع فرمایا ہے جو ائمہ کی تعداد بارہ بیان کرتی ہیں۔ علامہ مجلسی نے بحار الانوار کی جلد دوم میں ایک پورا باب ”ما جاء فی الاثنی العشر“ کے نام سے تحریر کیا ہے، جس میں چوبیس احادیث کو جمع فرمایا ہے۔ اسی طرح شیخ صدوق نے ”الخصال“ نامی کتاب میں تقریباً پچاس سے زائد احادیث اور روایتوں کو جمع فرمایا ہے۔ اسی طرح اہل سنت محدثین کی کتب میں بھی بارہ خلفاء کے ثبوت میں تواتر کے ساتھ روایات موجود ہیں۔ (۵۰)

مشہور عالم دین خواجہ نصیر الدین طوسیؒ نے اپنی مشہور کتاب تجرید



۱۔ اپنی ایک کتاب ”التجرید الاعتقاد“ کے نام سے تحریر کی ہے، جس کی شرح علامہ حلیؒ نے تالیف کی، یہ اتنی عظیم شرح ہے کہ علماء کہتے ہیں کہ ”لو لا کشف المراد لما فہمنا مراد تجرید الاعتقاد“۔ اگر کشف المراد کی شرح نہ ہوتی تو تجرید الاعتقاد کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ حالیہ دنوں میں اس شرح کی بھی شرح بنام ”شرح کشف المراد“ علی محمدی نے تحریر کی ہے۔

## ﴿باب دوم﴾

## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

الاعتقاد میں ائمہ کے تعداد بارہ ہونے پر دلائل کو تحریر کیا ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ شیعہ اسماعیلیہ ان تمام احادیث کو قبول کرتے ہیں، جن میں ائمہ کی تعداد بارہ بیان ہوئی ہیں۔ البتہ ان احادیث کی تاویل کے قائل ہیں۔ ان احادیث کے مطابق حضرت مہدی بارہویں امام ہیں، جن کا نام محمد ہے۔ اس حد تک شیعہ اسماعیلیہ اور اثنا عشریہ میں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا ہے۔ البتہ اسماعیلیہ حضرت امام مہدی کے مصداق میں شیعہ اثنا عشری سے اختلاف کرتے ہوئے حضرت عبید اللہ المہدی کو چند تاویلوں کے ذریعے امام مہدی کا مصداق قرار دیتے ہیں اور امام مہدی سے متعلق نظریات کو ان ہی سے منسوب کرتے ہیں۔ اسماعیلیہ کے مطابق حضرت عبید اللہ، امام مہدی کے مصداق ہیں ساتھ اسی امام مہدی سے نسل امامت کا جاری و ساری رہنے کا نظریہ بھی رکھتے ہیں۔

## (2/10) نظریہ مستقرہ و مستودعہ

شیعہ اثنا عشریہ کے نزدیک تمام ائمہ مقام امامت میں سب کے سب مساوی ہیں۔ ان کے نزدیک امامت کے عنوان سے مستقرہ و مستودعہ کا کوئی نظریہ موجود نہیں ہے۔ یہ مذہب اسماعیلیہ کا ایک نظریہ ہے۔ یہ ایک فلسفیانہ نظریہ ہے جس کو سمجھنا کافی مشکل ہے۔

نظریہ مستقرہ اور مستودعہ کے مطابق ہر دور میں ائمہ مستقر کی کل تعداد سات ہوتی ہے۔ اولین امام ناطق اور اساس کی حیثیت رکھتا ہے اور آخری امام مہم ہوتا ہے۔ مشہور زاری عالم ڈاکٹر عزیز اللہ نجیب نے اپنے ایک انٹرویو میں نظریہ

۱۔ اسماعیلی نظریہ کے مطابق امامت کا نظریہ فلسفیانہ اور مشکل ہونا حکمت پر مبنی ہے کیونکہ حکمت اور حقیقت کی سمجھ ہر کسی کو نہیں ہوتی۔



## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

### ﴿باب دوم﴾

مستقرہ و مستودعہ کو یوں بیان کیا ”ناطق دور نبوت میں ہوتا تھا اب دور امامت ہے ناطق اس مفہوم میں نہیں جس مفہوم میں دور نبوت میں تھے۔ نیز نزاریوں کے نزدیک ائمہ سات نہیں بلکہ سات کے دائروں کی شکل میں قیامت تک لا تعداد ہیں۔ یہ بھی واضح ہو کہ امام مستودع کا ہر دور میں ہونا ضروری نہیں وہ صرف امام مستقر کا ایک امین یا حجاب ہوتا ہے اور اس کا براہ راست امام کا بیٹا یا پوتا ہونا بھی ضروری نہیں وہ امام کا بھائی اور عم زاد بھی ہو سکتا ہے اس لئے کی امامت اس کی نسل سے جاری نہیں ہوتی ہے۔“

بہر حال قدیم اسماعیلی مواد میں سات کے عدد کی اہمیت اور فضیلت بہت زیادہ بیان ہوئی ہے۔ مشہور اور معروف داعیوں نے سات کے عدد کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے ائمہ مستقرہ سب سے لکھا ہے۔ ا

مشہور اسماعیلی داعی ابو یعقوب بختانی نے اس نظریہ پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ جس کو خلاصائیوں بیان کیا جاتا ہے۔ ”اسی طرح واجب ہے کہ ائمہ کی تعداد ہر دور میں سات کے عدد پر تمام ہو کیونکہ تعداد مطلقہ سات کا عدد ہے، وہ اس طرح ہے کہ خط، سطح، جسم، مکان و زمان، عدد اور قول سے عبارت ہے کیونکہ عدد مطلقہ صرف ان اقسام میں وجود رکھتا ہے، ان کے غیر میں وجود نہیں رکھتا۔ واجب ہے کہ ائمہ کی تعداد مساوی ہو مطلقہ عدد کے۔“ ائمہ مستقر کا ہر زمانے میں ہونا واجب اور لازم ہے۔

۱۔ عام طور پر اسماعیلیوں کو شش امامی (چھ اماموں کے ماننے والے) کہا جاتا ہے در حالانکہ یہ اصطلاح بالکل غلط ہے۔ یہ صرف حضرت جعفر صادق (شیعہ اثنا عشریوں کے چھٹے امام) کے بعد سے اپنے سلسلے امامت کو الگ کرنے کی وجہ سے شیعہ اثنا عشریوں (ایران) میں اسماعیلیہ شش امامی سے مشہور ہوئے ورنہ چھ اماموں کا ان کا کوئی عقیدہ کبھی نہیں رہا ہے۔



حضرت آدم امام مستقر تھے تو ان کے وصی شیث بن آدم تھے۔ ان کے دور کے اماموں کی تعداد چھ ہوتی ہے، جو امام ناطق یا اساس کیلئے حدود کہلاتے ہیں یعنی ہر ناطق کے چھ حدود ہوتے ہیں۔ آخری اور ساتواں حدود امام متم اور ناطق کے مثل ہوتا ہے۔ متم اس لئے کہ سات مستقر ائمہ کی سیریز ان پر تمام ہوتی ہے۔ اس لئے امام متم کہلایا جاتا ہے اور ناطق کے مثل ہو کر ناطق اس لئے کہلاتا ہے کہ شریعت ظاہر کو معطل یا منسوخ کرتا ہے اور شریعت کے باطن کا اجراء کرتا ہے۔ حضرت آدم ناطق ہیں اور ان کے چھ حدود جنہیں نائب، وصی اور باب بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے آخری اور ساتویں وصی حضرت نوح ہیں، جو امام متم ہونے کی حیثیت سے ناطق کے مثل ہیں۔ اس لئے یہ دوسرے امام ناطق بھی ہیں۔ انہوں نے حضرت آدم کی شریعت کے ظاہر کو معطل کیا۔ ان کے چھ حدود اور نائب ہیں۔ آخری نائب اور باب جو ناطق کی حیثیت رکھتے ہیں، وہ حضرت ابراہیم ہیں۔ جنہوں نے شریعت نوح کے ظاہر کو معطل کیا، یہ تیسرے ناطق قرار پاتے ہیں۔ ان کے باب اور وصی حضرت موسیٰ ہیں جو چوتھے ناطق ہیں، جنہوں نے حضرت نوح کی شریعت کو معطل کیا۔ ان کے آخری امام متم اور ناطق حضرت عیسیٰ ابن مریم ہیں، جنہوں نے شریعت موسیٰ کو معطل کیا اور پانچویں ناطق کا مقام حاصل کیا۔ ان کے آخری متم امام حضرت محمد ﷺ بن عبد اللہ ہیں، جنہیں چھٹا ناطق ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کے اوصیاء اور حدود بھی کل چھ ہیں۔ مولانا امام المعز لدین اللہ کی ایک دعا کے مطابق مندرجہ ذیل چھ ائمہ ان کے حدود ہیں۔ (۱) حسن بن علی (۲) حسین بن علی (۳) علی بن حسین (۴) محمد بن علی (۵) جعفر بن محمد اور (۶) اسماعیل بن جعفر ہیں۔ (۵۱)



## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

### ﴿باب دوم﴾

ساتواں امام مہتمم اور ناطق ہونے کے علاوہ سابع قائم بھی ہے۔ جس طرح چھ اوصیاء کی عظمت کی وجہ سے چھ کا عدد مقدس بنا ہے اور اللہ نے زمین اور آسمان کو چھ دنوں میں خلق فرمایا ہے۔ اسی طرح سات ائمہ مستقر کی عظمت کا اندازہ بھی سات کے عدد کے تقدس سے لگایا جاسکتا ہے۔ قدیم اسماعیلیہ مواد کے مطابق اسماعیلیہ نظریے کے مطابق اللہ کا دین سات ناطقوں پر مشتمل ہے، جس کے اول حضرت آدم اور آخری محمد بن اسماعیل ہیں۔ آپ ساتویں امام مہتمم اور ناطق ہیں۔ آپ سے ساتواں دور شروع ہوتا ہے۔ آپ کے بعد آنے والے ائمہ سب کے سب آپ کے خلفاء ہیں، جو ائمہ مستودع کہلائے جاتے ہیں۔ مستودع اس لئے کہ یہ امام مستقر کی حیثیت سے امامت کی شان و شوکت کو جاری و ساری کرتا ہے۔ محمد بن اسماعیل کا دور آخری دور ہے، جس کے ناطق آپ خود ہیں۔ اسی لئے آپ کو خاتم الطغاء اور خاتم الرسل بھی کہا جاتا ہے۔



جیسا کہ حضرت معز لدین اللہ اپنی ایک دعا میں عرض گزار ہیں۔ ”درود بھیج تو (اللہ) قائم بالحق اور ناطق بالصدق پر جو اپنے نانا رسول سے نویں اور اپنے باپ کوثر سے آٹھویں اور اپنے آباء سے ساتویں ہیں اور جو آدم سے ساتویں رسول اور شیث سے ساتویں وصی اور نیک اماموں سے ساتویں امام ہیں۔ درود اللہ کا ان سب پر جس طرح فرماتا ہے کہ ”پیدا کیا ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دن میں پھر بلند ہوا وہ اللہ آسمان کی طرف۔“ تو مراد اس سے ناطقوں کے امر کا بلند ہونا ہے، قائم سابع سے۔ درود اللہ کا ان پر۔ جیسا کہ ابھی ہم نے ان کا ذکر کیا ہے اور وہ ایسے

۱۔ موجودہ اسماعیلیہ فرقے نزاریہ اور مستعلیہ ان نظریات کو تسلیم نہیں کرتے ہیں البتہ ان نظریات کو قریباً مطلق فرقہ آج بھی تسلیم کرتے ہیں۔

ہیں جنہیں تو نے مشرف، معظم اور مکرم کیا اور جن کے ذریعے سے تو نے عالم طبائع کو ختم کیا۔ اور شریعت محمدی کے ظاہر کو معطل کیا اور جن کی وجہ سے تو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا، جس طرح وہ جو روستم سے بھردی جائے گی۔ جیسا کہ تیرے نبی نے اس کے متعلق خبر دی ہے۔ فرمایا آپ نے کہ ”مہدی ہم اہل بیت سے ہیں۔ ان کی ناک اٹھی ہوئی اور آنکھیں سرگیں ہوں گی۔ وہ قرآن کے مترجم ہیں اور اس کی برہان کو روشن اور ظاہر کرنے والے ہیں۔ وہ روز قیامت، روز بعثت، روز فصل، روز تغابن اور روز نشور ہیں۔ اس روز ظالموں کا عذر مقبول نہ ہوگا۔ وہ صاحب نشو ہیں، جس کو تم نہیں جانتے۔ وہ تمام الکلمہ اور اول الفکر ہیں وہ سدرۃ المنہج ہیں جس کے پاس جنت الماویٰ ہے۔ وہ جبارین کو مغلوب کرنے والے، متیقن کی تائید کرنے والے اور روز جزا کے قائم مہدی باللہ امیر المومنین ہیں۔ درود بھیج تو ان خلفاء راشدین پر جو حق سے عدل و انصاف کرتے ہیں۔ اے اللہ توفیق دے تو ان کو اصلاح و فلاح کی اور اس راز کو قوت دینے میں ان کی مدد کر، جو حق مبین ہے۔“ (۵۲) اس دعا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد بن اسماعیل کی حیثیت نہ صرف ساتویں اور آخری ناطق کی ہے بلکہ آپ ساتویں رسول بھی ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی شریعت کے ظاہر کو بعد میں آنے والے نبی کے قیام سے معطل کیا۔ اسی طرح حضرت محمد اسماعیل بن جعفر صادق کے قیام نے محمدؐ کی شریعت کے ظاہر کو معطل کیا۔ آپ قائم بالحق ناطق بالصدق، مہدی باللہ، یوم قیامت اور یوم جزا ہیں۔ آپ سے ساتواں دور شروع ہوا، جس سے عالم طبیعت کی انتہا اور دور روحانی کی ابتدا ہوئی۔ آپ کی نسل سے جوائمہ ہوئے اور آئندہ ہوں





## ﴿باب دوم﴾

## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

گے، وہ سب آپ کے خلفاء راشدین ہیں، جو حق سے حکومت کرتے ہیں۔ حضرت امام محمد اسماعیل کی حیثیت دیگر تمام ائمہ سے منفرد ہے کیونکہ آپ کا کوئی متم نہیں ہے، اور نہ ہی آپ خود متم ہیں۔ آپ کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ آپ سے دور ستر پورا ہوا اور دور کشف شروع ہوا اور چھٹے رسول کی شریعت منسوخ ہوئی۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت معز لدین اللہ نے اپنی دعا میں آپ کیلئے قائم بالحق، ناطق بالصدق، آدم سے ساتویں رسول کہا ہے۔ ائمہ مستقر سات کے عدد کے برابر میں ہونے میں اسماعیلیت کے آپس میں دورائے نہیں پائی جاتی اور نہ ہی محمد بن اسماعیل کے آخری امام مستقر اور سابع النطقاء ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسماعیلیہ مستعالیہ کے نظریہ کے مطابق حضرت علی بن ابی طالب امام نہیں ہیں، بلکہ رسول اللہ کے باب الابواب اور وصی ہیں اور امامت کی اساس ہیں۔ حضرت حسن ابن علی پہلے امام ہیں اور ایسا ہونے میں سات کا عدد مصداق کے مطابق ہوگا لیکن موجودہ اسماعیلی نزاری حضرت علی ابن ابی طالب کو پہلا امام مانتے ہیں۔ حضرت حسن ابن علی کو امام مستقر کی حیثیت سے تسلیم نہیں کرتے لیکن قدیم اسماعیلی اور غیر اسماعیلی تحریرات میں اس عقیدے کی تائید نہیں ملتی ہے لیکن اسماعیلی مذہب کا دوسرا فرقہ اسماعیلیہ مستعالیہ فرقہ کے نزدیک اب بھی حضرت حسن بن علی ہی پہلے امام ہیں۔



جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ اسماعیلی فرقے بالخصوص قرامطیہ کے نزدیک ائمہ کی تعداد سات ہے، جن کے آخری امام حضرت محمد بن اسماعیل ہیں۔ محمد بن اسماعیل کے بعد بننے والے تمام ائمہ ان کے خلفاء اور ناسبین کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے مطابق حضور ﷺ نے جس مہدی کی توصیف اور پیشگوئی کی تھی، اس سے مراد بھی

## ﴿باب دوم﴾

## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

محمد بن اسماعیل ہیں۔ سات ائمہ اور محمد بن اسماعیل کے بارے میں جن نظریات کا ذکر ہوا، موجودہ اسماعیلی مذہب ان نظریات کا قائل نہیں ہے۔ البتہ یہ تمام نظریات اب بھی اسماعیلیت کی قدیم شاخ مذہب قرامطہ میں پائے جاتے ہیں۔

(2/11) فرقہ قرامطہ

اسماعیلی سلطنت کے مغرب میں قیام کے بعد حضرت عبداللہ المہدی نے امامت کا دعویٰ کیا۔ ۶۹۲ھ میں عبداللہ المہدی کے مغرب میں ظہور کے بعد اسماعیلی نظریہ امامت میں ایک بنیادی تبدیلی آئی کہ امام مستودع کا مقام بھی امام مستقرہ کے برابر کیا گیا اور امامت کو سات کے بجائے آگے بھی جاری و ساری کیا گیا۔ مذہب اسماعیلیہ میں ائمہ مستقرہ کی تعداد سات ہونے کا نظریہ شروع سے موجود تھا جبکہ عبداللہ المہدی گیارویں امام تھے۔ اس لئے انہیں اپنے کو امام مستقر کے طور پر منوانے میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بعض اسماعیلی خصوصاً بحرین کے اسماعیلیوں نے انہیں نظریہ مستقرہ کے مطابق امام مستقر تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ یوں امامت مستقرہ کو سات ائمہ سے آگے جاری کرنے پر اختلاف پیدا ہوا۔ عبداللہ المہدی نے سب سے پہلے اپنے کو امام مستقر کے طور پر متعارف کرایا تو اکثر اسماعیلیوں نے اپنے اس قدیم عقیدہ میں تبدیلی کو قبول کرنے سے انکار کیا اور استقراری امامت کو سات ائمہ پر ہی منبج مانا۔ اسی نظریہ پر باقی رہنے والے قدیم اسماعیلی بعد میں قرامطہ سے مشہور ہوئے۔ اس کے برعکس جن اسماعیلیوں نے عبداللہ المہدی کی امامت کو قبول کیا اور استقراری امامت کے نظریہ کے مطابق آپ کو امام مستقر قبول کیا۔ یہ لوگ شیعہ اسماعیلی کے قدیم نام اسماعیلی ہی سے مشہور



## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

### ﴿باب دوم﴾

رہیں، جو فاطمین سے بھی پہچانے جاتے ہیں۔ اس بحث کو فرہاد دفتری یوں نقل کرتے ہیں: ”۲۸۶ھ/۸۹۹ء میں امامت کے مسئلے میں اولین اہم تفرقہ پیدا ہوا جس کی وجہ سے متحدہ اسماعیلی تحریک میں شگاف پڑ گیا۔ اب اسماعیلی دوحریف کیپیوں یعنی وفادار اسماعیلی اور منحرف قرامطیوں میں تقسیم ہو گئے۔ وفادار اسماعیلیوں نے جو اسماعیلی امامت میں تسلسل کے حامی تھے، فاطمی خاندان کے بانی (عبداللہ المہدی) اور ان کے جانشینوں کو بطور ائمہ تسلیم کیا۔ قرامطیوں نے جو بحرین میں متمرکز تھے، فاطمی خلفاء کی امامت کو تسلیم نہیں کیا اور مرور زمانہ کے ساتھ انہوں نے فاطمیوں کی مخالفت کی۔۔۔۔۔ محمد بن اسماعیل کی وفات کے بعد مبارکہ کے فرقے بن گئے۔ ایک جماعت نے جو اکثریتی جماعت تھی اور جسے امای مل و نخل نویسوں نے منحرف قرامطیوں کا قریبی پیشرو کہا ہے، محمد بن اسماعیل کی وفات سے انکار کیا۔ انہوں نے محمد کو اپنا ساتواں اور آخری امام مانا اور مہدی یا قائم کی حیثیت سے ان کی عنقریب رجعت کا انتظار کیا۔۔۔ ایک اور جماعت نے جو بہت چھوٹی اور نہایت غیر معروف تھی محمد بن اسماعیل کی وفات کا اقرار کیا اور ان کے بعد ان کی نسل میں امامت کے تسلسل کی قائل ہو گئی۔“ (۵۳)



یہی وجہ تھی کہ عبداللہ المہدی کے اعلان امامت کے بعد شیعہ اسماعیلیہ ہمیشہ کیلئے دو فرقوں اسماعیلیہ فاطمیہ اور اسماعیلیہ قرامطہ میں منقسم ہوئے۔ قرامطہ نے ابو عبد اللہ کی امامت کو قبول کرنے سے انکار کیا اور اپنے قدیم بنیادی نظریات کے ذریعے ابو عبد اللہ کی امامت کے خلاف دلائل بیان کئے تو دوسری طرف ابو عبد اللہ نے امامت سے متعلق قدیم نظریات میں اعتدال پیدا کرنے کیلئے ایک اصلاحی

## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

### ﴿باب دوم﴾

تحریک چلائی تاکہ اپنے مقام امامت کو قدیم اسماعیلی نظریات اور اصل واقعات کے ساتھ ہم آہنگ کیا جاسکے۔ اس اصلاحی تحریک کے ذریعے آپ نے اپنے اور اپنے اسلاف (ائمہ مستورین) کے رتبے کو مہدی منتظر کے حجت کے مقام سے امام کے مقام تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد ائمہ کا تسلسل جاری و ساری رہا۔ یوں اب اسماعیلی ائمہ کی تعداد نہ تو سات رہی اور نہ بارہ رہی۔

عبداللہ المہدی کی امامت کو تسلیم نہ کرنے والے اسماعیلیوں کو اسماعیلی قرامطہ کا نام دیا گیا۔ ”و تشعبت بعد ذلک فرقة منهم من المباركة ممن قال بامامة محمد بن اسماعيل تسمى القرامطة سميت بذلك لرئيس كان لهم من اهل السواد من الانباط. كان يلقب بقرمطوية. (۵۴)



اب فرقہ قرامطہ کا وجود تقریباً ناپید ہو چکا ہے۔ اس لئے نظریہ مستقرہ و مستودع بھی ایک غیر اہم موضوع بن گیا ہے کیونکہ موجودہ اسماعیلیہ امامت کو مستقرہ و مستودع سے معنون نہیں کرتے ہیں۔

## حوالہ جات

- (۱) لوئیس معروف، المنجد، ص ۱۵، للطبعة الكاثوليكية، بيروت
- (۲) شریعتی ڈاکٹر علی، امت اور امامت ص ۱۶۲ مترجم سید محمد موسیٰ رضوی ادارہ ن والقلم ۲۰۰۰ء
- (۳) مجلسی محمد باقر، اثبات امامت ج ۳، باب ۲، ص ۱۰، مترجم بشارت حسین کامل مرزا پوری، مجلس علمی اسلامی، پاکستان
- (۴) اثبات امامت، ص ۲۱۹، بحوالہ النکت الاعتقادیہ، ص ۲۸
- (۵) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، تہذیبات الہیہ، ج ۲، ص ۸
- (۶) امت اور امامت، ص ۱۶۶
- (۷) محمد طاہر القادری، القول المعتمد فی امام المنتظر، مارچ ۲۰۰۲ء منہاج القرآن پبلیکیشنز، ماڈل ٹاؤن لاہور
- (۸) آغا خان (سوم) ہزار ایل دی میمازس آف، اسلام میرے موروثوں کا مذہب، ص ۱۹، ترجمہ جون ایلیا، شائع کردہ شیعہ امامی اسماعیلی طریقہ اینڈ ریلیجیوس، ۱-۲۳۰ ڈیکروز روڈ گارڈن ایسٹ کراچی
- (۹) امت اور امامت، ص ۱۶۸
- (۱۰) امت اور امامت، ص ۱۶۹



﴿باب دوم﴾

عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

(۱۱) علامہ ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، ص، ۱۹۶، مترجم مولانا سعد اللہ خان یوسفی، ناشر میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب آرام باغ، کراچی تاریخ اشاعت ندارد

(۱۲) الشاکری، حسین، سیرۃ الامام جعفر الصادق (ع)، عدد الأجزاء : ۲، ص ۱۵، دار النشر: نشر البہادی، الطبعة: الأولى، سنة الطبع: ۱۴۱۷ھ۔  
ق، قم

(۱۳) الایمنی حسین، شیعیت کا مقدمہ، ص ۲۰۷، کریم پبلیکیشنز اردو بازار، بحوالہ اوائل المقالات، ص ۷۸، مطبوعہ ایران

(۱۴) الترمذی، محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ بن الضحاک، أبو عیسیٰ، سنن الترمذی، عدد الأجزاء: ۵، ص ۳۳۱، مصدر الکتاب: موقع وزارة الأوقاف المصریة، <http://www//islamic-council.com>، وقد أشاروا الی جمیعۃ المکنز الاسلامی۔ ہاشم معروف حسنی، سیرت مصطفیٰ، ص ۵۴۷، جامعہ تعلیمات اسلامی، کراچی، پاکستان

(۱۵) قاضی نعمان، ابو حنیفہ بن محمد، دعائم الاسلام، ج ۱، ص ۳۰، مترجم یونس شکیب مباکپوری، ادارہ ادبیات، سورت، بھارت

(۱۶) القرآن، سورہ مائدہ آیت ۵۵

(۱۷) المنجد، ص ۸۸۳

(۱۸) الاشعری، سعد بن عبد اللہ ابی خلف، المقالات والفرق، ص ۱۴۰، مرکز انتشارات وفرہنگی، ایران، چاپ دوم ۱۳۶۰



﴿باب دوم﴾

عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

- (۱۹) دعائے الاسلام، ص ۸۷
- (۲۰) علی ربانی گلپایگانی، فرق و مذاہب کلامی، ص ۷۲ بحولہ ملل و النخل ج ۱ ص ۲۹۱، شہرستانی
- (۲۱) المذاہب الاسلامیہ، ص ۱۷۸
- (۲۲) فرہاد دفتری، اسماعیلی تاریخ و عقائد، ص ۹۲، مترجم عزیز اللہ نجیب، اقبال برادرز پبلیشرز پاکستان چوک، ۱۹۹۷ء، کراچی بحوالہ العظیمی، ص ۲۸۶، اور ابن العدیم "زبدۃ الحلب" در RHCHO، ج ۳، ص ۶۱۶
- (۲۳) اصول کافی، حدیث ۸ ص ۲۱
- (۲۴) القرآن، سورہ آل عمران آیت ۲۸
- (۲۵) القرآن، سورہ مائدہ آیت ۵۶
- (۲۶) ابن کثیر حافظ عماد الدین ابوالفداء، تفسیر ابن کثیر، ج ۱، ص ۷۸۰، مترجم مولانا محمد جونا گڑھی، حدیبیہ پبلیکیشنز، اردو بازار لاہور
- (۲۷) القرآن، سورہ احزاب آیت ۶
- (۲۸) القرآن، سورہ اسرا ئیل آیت ۱۱۱
- (۲۹) القرآن، سورہ سجدہ آیت ۲۳
- (۳۰) القرآن، سورہ النساء آیت ۱۰۵
- (۳۱) علی محمدی، شرح کشف المراد، ص ۳۵۵، ناشر انتشارات دار الفکر، قم، ۱۳۸۲ھ
- (۳۲) اثبات امامت، ج ۳، باب ۲، ص ۳۶، مترجم سید بشارت حسین کامل مرزا



## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

### ﴿باب دوم﴾

پوری، مجلس علمی اسلامی، پاکستان

(۳۳) اثبات امامت، ج ۳، باب ۲، ص ۳۴

(۳۴) القرآن، سورہ احزاب آیت ۳۳

(۳۵) القرآن، سورہ انعام آیت ۱۴۵

(۳۶) القرآن، سورہ توبہ آیت ۱۲۵

(۳۷) القرآن، سورہ انعام آیت ۵۹

(۳۸) القرآن، سورہ عمران آیت ۱۷۹

(۳۹) اسلام کے بنیادی عقائد، ص ۲۸۷ ج ۲

(۴۰) صدوق، ابی جعفر محمد بن علی بابویہ القمی، الخصال، ص ۵۲۸ ج ۲، موسیٰ

النشر الاسلامی التابعة للجماعة المدرسین قم،

(۴۱) احقاق الحق ج ۱۳، ص ۳۰، ینالغ المودة لذوی القربی، قندوزی، حدیث

۹۰۹، جلد ۲، ص ۳۰۵،

(۴۲) صدوق، ابی جعفر محمد بن علی بابویہ القمی، کمال الدین وتمام النعمة، جاول،

ص ۲۴۵، گروہ مترجمین، الکساء پبلیشرز، نارتھ کراچی، اشاعت دوم

ربیع الثانی، ۱۴۲۳ھ

(۴۳) القرآن، سورہ توبہ آیت ۳۲

(۴۴) البرہان فوری، علاء الدین علی بن حسام الدین الہندی، کنز العمال فی سنن

الأقوال والأفعال، ص ۱۷۳، ج ۱، المحقق: بکری حیاتی، صفوة السقا،

مؤسسة الرسالة، الطبعة الخامسة، ۱۴۰۱ھ، ۱۹۸۱م، مدینہ۔ سنن ترمذی،





## ﴿باب دوم﴾

## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

ج ۲، ص ۷۰۳۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۳ ص ۱۴

(۴۵) شیرازی، ناصر مکارم، اصول عقائد، ص ۲۸۶، معارف اسلام، پبلیشرز،

تاریخ اشاعت ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ، قم، بحوالہ بحار الانوار ج ۶، چاپ

قدیم، ص ۱۶

(۴۶) القرآن، سورہ انعام آیت ۱۲۲

(۴۷) القرآن، سورہ نساء آیت ۵۹

(۴۸) مقدمہ ابن خلدون، حصہ اول، ص ۴۵۶

(۴۹) البخاری، محمد بن اسماعیل ابو عبد اللہ، الجامع الصحیح المختصر (صحیح بخاری)،

ص تحقیق مصطفیٰ دیب البغا، استاذ الحدیث و علومہ فی کلیۃ الشریعہ، جامعۃ

دمشق، دار ابن کثیر، الیمامۃ، بیروت، الطبعة الثالثة، ۱۴۰۷ھ ۱۹۸۷ء

(۵۰) القشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، ج ۲، حدیث ۱۸۲۲۔ سن ابی داؤد،

ج ۳، ص ۳۰۹، حدیث ۳۰۹

(۵۱) زاہد علی ڈاکٹر، ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام،

ص ۹۲، مکتبہ بینات، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

(۵۲) ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام، ص ۹۴

(۵۳) فرہاد دفتری، اسماعیلی تاریخ کا مختصر جائزہ، ص ۸۹

(۵۴) الاشعری، سعد عبد اللہ ابی خلف القمی، کتاب المقالات والفرق، ص ۸۳



## حوالہ جاتی آیات

- (۱) فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مَأْوَاكُمُ النَّارُ هِيَ مَوْلَاكُمْ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (الحديد: ۱۵) (۲۱)
- (۲) لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ - (۲۳)
- (۳) إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ (۲۶)
- (۴) النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا أَنْ تَفْعَلُوا إِلَىٰ أَوْلِيَائِكُمْ مَعْرُوفًا كَانَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا. (۲۷)
- (۵) إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا - (۳۰)
- (۶) إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (۳۳)
- (۷) قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ



يَكُونُ مَيِّتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ  
فِسْقًا أَهْلٌ لِّغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ  
رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (۳۵)

(۸) ”وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَرَأَدْتَهُمْ رِجْسًا إِلَى رِجْسِهِمْ  
وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ. (۳۶)

(۹) وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ  
وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٌ فِي ظُلُمَاتٍ  
الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ. (۳۷)

(۱۰) وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ  
مَنْ يَشَاءُ فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ  
عَظِيمٌ. (۳۸)

(۱۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولَى الْأَمْرِ  
مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ  
كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ  
تَأْوِيلًا. (۴۷)



## حوالہ جاتی احادیث مع ترجمہ

(۱) واللہ ما كانت لی فی الخلافة رغبہ ولا فی الولاية اربہ . خدا کی

قسم مجھے خلافت کا کوئی شوق نہیں اور نہ ہی ولایت کی خواہش ہے۔“ (۹)

(۲) من قال انسا انبیاء فعليه لعنة الله ومن شک فی ذلک فعليه

لعنة الله۔ جس نے ہمیں نبی قرار دیا اس پر خدا کی لعنت ہے اور جس نے

اس مسئلہ میں شک کیا اس پر بھی خدا کی لعنت ہے۔ (۱۲)

(۳) اَمَّا تَرْضٰی اَنْ تَكُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوسٰی اِلَّا اَنَّهُ لَا

نُبُوَّةَ بَعْدِی۔ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہارا مقام مجھ سے ایسا ہے جیسے

ہارون کا موسیٰ سے تھا سوائے یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔“ (۱۴)

(۴) ----- اے بنی عبد المطلب؛ میری اطاعت کرو تو تم سب

زمین ----- ” میں یقین سے کہتا ہوں کہ اب تک پروردگار عالم نے

دنیا میں جتنے پیغمبر بھیجے ہیں ان میں سے ہر ایک کیلئے وحی اور وزیر،

وارث اور ولی مقرر فرمایا تھا تو آج تم میں کون ایسا جوان مرد ہے جو میرا

وحی، وارث، ولی اور میرا وزیر بنے گا۔“ (۱۵)

(۵) بنی الاسلام علی الخمس: الصلوة و لزکاة، و الصوم والحج

والولاية. اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور

ولایت۔ (۲۳)

(۶) وَقَالَ الصّادِقُ: یسّط لنا فنعلّم، و یقبض عنا فلا نعلّم، و ال



امام یولدو یلد، و یصح و یمرض، و یاکل و یشرب، و یبول و یتغوط، و یفرحو یحزن، و یضحک و یبکی، و یموت و یقبر، و یزاد فیعلم، و دلالتہ فی خصلتین: فی العلم و استجابة الدعاء، و کَلَّمَا أَخْبَرَهُ مِنَ الْحَوَادِثِ الَّتِي تَحْدُثُ قَبْلَ كَوْنِهَا كَذَلِكَ بَعْدَ مَعْهُدِ إِلَهِهِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ تَوَارِثَهُ مِنْ آبَائِهِ. ہمارے علم و عدم علم کی بنیاد خدائی بست و کشاد پر ہے وہ جب چاہتا ہے ہم جان لیتے ہیں اور وہ نہ چاہے تو نہیں جان سکتے ہیں۔ امام دوسرے افراد کی طرح پیدا بھی ہوتا ہے اور کھاتا پیتا بھی ہے اور بول براز بھی کرتا ہے۔ وہ خوش اور رنجیدہ بھی ہوتا ہے۔ وہ ہنستا اور روتا بھی ہے۔ وہ مرتا اور دفن بھی ہو جاتا ہے اور اس کے علم میں اضافہ بھی ہوتا ہے لیکن اس کا امتیاز دو چیزوں میں ہے۔ ایک علم اور دوم قبولیت دعا۔ امام تمام حوادث کے وقوع سے پہلے اطلاع دے سکتا ہے کہ اس کے پاس رسول اللہ ﷺ کا عہد ہوتا ہے جو اسے وراثت میں ملتا ہے۔“ (۴۰)



(۷) انی تارکُ فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی و انھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض . میں تمھارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ”قرآن“ اور ”میرے اہل بیت“۔ یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں۔“ (۴۴)

(۸) مَنْ مَاتَ وَ لَمْ يَعْرِفْ إِمَامَ زَمَانِهِ مَاتَ مِيتَةَ الْجَاهِلِيَّةِ. جو شخص اپنے زمانے کے امام کی معرفت کے بغیر مر گیا، اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔“ (۳۵)

(۹) مَنْ اطَاعَنِی فَقَدْ اطَاعَ اللّٰهَ وَ مَنْ عَصَانِی فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَ مَنْ اطَاعَ الْإِمَامَ فَقَدْ اطَاعَنِی وَ مَنْ عَصَى الْإِمَامَ فَقَدْ عَصَانِی (۳۹). جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے امام کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امام کی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی۔“



(۱۰) حَدَّثَنَا أَبُو عَلِيٍّ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ بْنِ عَبْدِ رَبِّهِ الْقَطَّانُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو يَزِيدَ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ الْمَرْوَزِيُّ فِي ربيع الاول سنة اثنين و ثلاثمائة قال: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ فِي سنة ثمان و ثلاثمائتين وَ هو المعروف بِإِسْحَاقَ بْنِ رَاهُوِيَه قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ حَدَّثَنَا هَشِيمُ عَنْ مَجَالِدٍ، عَنْ الشَّعْبِيِّ، عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ نَعْرُضُ مَصَاحِفَنَا عَلَيْهِ إِذْ قَالَ لَهُ فَتَى شَابٌّ: هَلْ عَهْدُ إِلَيْكُمْ نَبِيِّكُمْ ﷺ كَمْ يَكُونُ مِنْ بَعْدِهِ خَلِيفَةٌ؟ قَالَ: أَنْكَ لِحَدِّثِ السَّنَّ وَ أَنَّ هَذَا شَيْءٌ مَا سَأَلَنِي عَنْهُ أَحَدٌ قَبْلَكَ، نَعَمْ عَهْدُ الْإِنْسَانِ نَبِيَّنَا ﷺ أَنَّهُ يَكُونُ بَعْدَهُ اثْنَا عَشَرَ خَلِيفَةً بَعْدَ

## ﴿باب دوم﴾

## عقیدہ امامت کا اجمالی جائزہ

نقباء بنی اسرائیل. (الخصال) و بہذہ الاسناد عن ابی ، خالد  
عن طفیل عامر بن واثلہ قال کان عبداللہ بن مسعود بالكوفۃ  
فاجتمع الیہ الناس و سمعوا منہ الاحادیث فقام الیہ رجل فقال  
لہ یا عبداللہ هل عہد الیکم نبیکم کم یکون بعدہ من خلیفۃ  
فرفع رادہ الیہ و قال لہ ہذا مسالۃ ما سألنی عنہا احد منذ  
قدمت العراق بلی سألناہ عن عدد الخلفاء بعدہ (ص) فقال  
اثنی عشر عدد نقباء بنی اسرائیل. اور اسی سلسلہ سے ابو خالد نے  
ابو طفیل عامر بن واثلہ سے روایت کی ہے کہ جناب عبداللہ بن مسعود کو  
میں تھے کہ اسی اثناء ان کے پاس لوگ جمع ہو کر ان کی حدیثیں سننے لگے تو  
ایک شخص نے کھڑے ہو کر سوال کیا۔



اے عبداللہ بن مسعود کیا تمہارے نبی نے تم لوگوں کو یہ بھی  
بتایا ہے کہ ان کے بعد کتنے خلفاء ہونگے؟ تو عبداللہ بن مسعود نے سراٹھا  
کر اس سے کہا: اے شخص میں جب سے سرزمین عراق پر وارد ہوا ہوں،  
مجھ سے اب تک کسی شخص نے یہ بات دریافت نہیں کی تھی۔ سنو! ہم نے  
حضور ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ آپ کے بعد آپ کے کتنے جانشین  
ہوں گے تو رسول خدا نے فرمایا کہ جس طرح حضرت یعقوب کی اولاد  
میں بارہ نقیب گزر رہی ہیں میری اولاد میں سے میرے بارہ جانشین ہوں  
گے۔“ (۵۰)

## باب سوم

### (3) ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ،

#### تاریخ کے تناظر میں

اس باب میں ائمہ اہل بیت کی زندگی اور ان کی امامت کا مستند تاریخی مواد کی روشنی میں تجزیہ کیا گیا ہے۔ نیز امامت کے حوالے سے شیعہ اثنا عشری اور اسماعیلی کے درمیان پائے جانے والے اختلافی نظریات کا بھی تقابلی جائزہ لیا گیا ہے۔ خصوصاً وہ ائمہ جن کے بعد نیابت پر شیعیت مختلف گروہوں میں تقسیم ہوئی، ان پر مستند بنیادی مواد سے تحقیق کی گئی ہے۔

صفات و مقام امامت میں شیعہ اثنا عشری اور اسماعیلی میں کوئی خاص اختلاف نہیں پایا جاتا ہے، لیکن امام کی شناخت اور مصداق میں اختلافات موجود ہیں۔ دونوں کا نظریہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے جانشین اول حضرت علی بن ابی طالب ہیں۔ اس سلسلے میں بہت سی قرآنی آیات حضرت علی کی امامت کے ثبوت کے طور پر پیش کی جاتی ہیں۔ مشہور شیعہ عالم عبداللہ شمر نے اپنی کتاب حق الیقین میں ان تمام آیات کو جمع کیا ہے اور تمام قدیم و جدید تفاسیر کے مطابق یہ بیان کیا ہے کہ حضرت علی کی امامت قرآن سے ثابت ہے۔

علاوہ ازیں رسول اکرم ﷺ کی کئی احادیث بھی حضرت علی کی امامت

۱۔ المائدہ آیت ۵۳، ۵۵، التوبہ آیت ۱۱۹، المعارج آیت ۲، الحدید آیت ۱۹، النجم آیت ۱۲، الاحزاب آیت ۳۳، الرعد آیت ۷، عمران آیت ۶۱، البقرة آیت ۱۲۳، الصافات آیت ۲۳، الزمر آیت ۷، الشوریٰ آیت ۲۳، مریم آیت ۹۶، الزخرف آیت ۴۵، الحاقہ آیت ۱۲، سورہ دھر آیت ۱، الانفال آیت ۶۲، ۶۴، التحریم آیت ۴۔



ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

میں موجود ہیں۔ ان میں سے حدیث یوم الدار، حدیث ثقلین، حدیث منزلت، حدیث غدیر، حدیث طبر اور حدیث سفینہ بہت زیادہ مشہور ہیں۔ یہ وہ احادیث ہیں، جنہیں تو اتر کے ساتھ تمام شیعہ اور سنی محدثین نے نقل کیا ہے اور ساتھ ہی ان احادیث کے مصداق حضرت علی کے ہونے میں محدثین میں کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ مفاہیم میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔

شیعہ حضرت علی کی امامت کے حق میں نقلی دلائل کے علاوہ متعدد عقلی دلائل بھی پیش کرتے ہیں۔ سب سے بنیادی عقلی دلیل مسئلہ افضل و مفضل کے حوالے سے دی جاتی ہے۔ یقیناً یہ ایک بنیادی سوال ہے کہ کیا کمالات و فضائل میں کسی اعلیٰ وارفع کو چھوڑ کر نسبت کم فضیلت والے کو امام قبول کیا جاسکتا ہے؟

حضرت علی بن ابی طالب رسول اکرم ﷺ کے بعد زندگی کے ہر شعبے میں برتری کے حامل شخص تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ (حضرت علی) کے دشمنوں اور دوستوں نے آپ سے متعلق بہت بحث اور تحقیق کی ہے۔ تاہم کوئی شخص بھی آپ کے ایمان میں کوئی ضعیف نکتہ دریافت نہیں کر پایا اور نہ ہی کسی نے آپ کے علم، تقویٰ، عدالت، شجاعت اور دوسرے پسندیدہ اخلاق میں کوئی خامی دیکھی۔ شیعہ نظریہ کے مطابق رحلت رسول ﷺ کے وقت حضرت علی سے زیادہ افضل کوئی اور موجود نہیں تھا، جس کو خلیفۃ الرسول بننے کا حق حاصل ہوتا۔ اللہ کے رسول ﷺ



۱۔ ان احادیث کی تفصیل کیلئے کتاب ”کشف المراد فی شرح تجرید الاعتقاد“، ص ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸ اور آیۃ اللہ ناصر مکارم شیرازی کی کتاب ”اصول عقائد“، ص ۲۵۵ تا ۲۸۷ اور ”حق الباقین“، ص ۲۷۲ تا ۲۸۲، ج اول کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

نے اسی لئے اپنی حیات طیبہ میں متعدد مواقع پر حضرت علی کو اپنا جانشین بنانے کا اعلان کیا تھا۔ شیعہ اسی نظریے کے تحت حضرت علی کو رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ بلا فصل مانتے ہیں۔ جبکہ دیگر مسلمان اس نظریہ سے اتفاق کرتے ہوئے نظر نہیں آتے ہیں۔ شیعہ اور سنی کے درمیان رسول اکرم ﷺ کی نیابت پر نزاع اور اختلاف کی اصل وجہ یہی ہے کہ آیا افضل کے ہوتے ہوئے مفضول خلافت اور نیابت کا حق رکھتا ہے؟ اس میں دورائے نہیں ہیں کہ عقل مفضول کو افضل پر قطعاً مقدم نہیں کرتی ہے۔

شیعہ اثنا عشریہ کے درمیان حضرت علی کی امامت اور اس کے مقام و منزلت پر اختلاف نہیں ہے۔ لیکن شیعہ اسماعیلیہ اس حوالے سے منقسم نظر آتا ہے۔

مذہب اسماعیلیت میں یہ افتراق ”نظریہ ائمہ مستقرہ اور مستودع“ کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ قدیم اسماعیلیوں کے مطابق ائمہ مستقرہ کل سات ہیں۔ اسی لئے انہیں فرقہ سبعیہ (سات ائمہ کے ماننے والے) بھی کہا جاتا ہے۔ ساتویں اور آخری مستقر امام حضرت محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق ہیں۔ اگر امامت کو حضرت علی سے شروع کیا جائے تو ائمہ مستقرہ کی تعداد آٹھ بنتی ہے۔ ظاہراً یہ علت اور سبب نظر آتا ہے کہ سات کے عدد کے ثبوت کیلئے قدیم مذہب اسماعیلیہ کے ماننے والوں نے حضرت علی کو پہلے امام کے بجائے اسے اساس اور باب الابواب قرار دیا اور حضرت حسن بن علی کو پہلا امام قرار دیا۔ اسماعیلیہ مستعالیہ (داؤدی اور سلیمانی دونوں فرقے) اسی نظریہ کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک امامت حضرت علی بن ابی طالب سے پھوٹی ہے اور حضرت حسن بن علی پہلے امام ہیں۔ لیکن شیعہ اسماعیلیہ نزاریہ کے نزدیک حضرت علی بن ابی طالب پہلے امام ہیں۔ البتہ امام حسن امام مستقر نہیں ہیں۔



## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

ان کے نظریے کے مطابق امام حسن امام مستودع (care taker) امام ہیں۔ یوں ان دونوں تاویلات کے ذریعے ہی سے حضرت محمد بن اسماعیل آخری امام مستقر بن جاتے ہیں۔ مذہب قرامطہ کے نزدیک بھی ائمہ مستقرہ کی تعداد سات ہے، لیکن وہ ان دونوں تاویلات کے حق میں نہیں۔ ان کے نزدیک حضرت اسماعیل بن جعفر امام نہیں ہیں۔ قرامطہ کے نظریہ کے مطابق حضرت اسماعیل بن جعفر صادق امام قائم کی زندگی میں ہی دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ ان پر نص امامت ہونے یا نہ ہونے کی دونوں صورتوں میں وہ امام نہیں ہیں۔ اگر نص امامت ہوئی ہے تو اس صورت میں قائم کی موجودگی میں امام کا منصب ان کو نہیں مل سکتا تھا، اس لئے وہ امام نہیں رہے۔ ورنہ زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ امام قائم یعنی جعفر صادق نے ان پر نص امامت نہیں کی تھی۔ پس مذہب اسماعیلیہ کے ان تینوں فرقوں کے نزدیک محمد بن اسماعیل آخری امام مستقر ہیں لیکن تینوں فرقوں کے نزدیک آخری اور ساتویں امام ثابت کرنے کے نظریات الگ الگ ہیں۔ یوں ائمہ مستقرہ کے مصداق میں اختلاف موجود ہے۔ شیعہ اثنا عشریہ، اسماعیلیہ نزاریہ اور قرامطہ کے نزدیک حضرت علی امام اول ہیں جبکہ اسماعیلیہ مستعالیہ (بوہرے) کے نزدیک حضرت حسن بن علی امام اول ہیں۔ حضرت حسن حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت فاطمہ الزہراء کے پہلے فرزند تھے۔ آپ نے نیمہ ماہ رمضان ۳ھ میں دنیا میں آنکھ کھولی۔ حضرت علی بن ابی طالب جیسے باپ اور فاطمہ جیسی ماں کے سایہ میں بہترین تربیت ورشداور نشوونما پائی۔ آپ کی ولادت پر آپ کے نانا نے آپ کا نام حسن رکھا۔ خاندان رسالت کے اولین فرزند مرسل اعظم ﷺ کی سیرت طیبہ کے مکمل آئینہ دار تھے۔ پیغمبر خدا



## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

ﷺ اس نوموود سے خاص عشق و محبت کا اظہار فرماتے تھے۔ حضرت محمد ﷺ نے اپنے دونوں نواسوں حضرت حسن و حضرت حسین کی فضیلت میں متعدد احادیث بیان فرمائی ہیں، جن میں سے بعض احادیث ایسی ہیں جو ان دونوں کی امامت کے ثبوت کے لئے کافی ہیں۔ جیسے کہ حدیث مبارکہ ہے۔ ”حسن و حسین اپنے باپ کے بعد میری امت کے امام ہیں اور نو جوانان جنت کے سردار ہیں۔“ (۱) لہٰذا بہر حال باپ کی جدائی کے بعد حضرت حسن مسند امامت پر جلوہ افروز ہوئے۔ امامت کو حضرت حسن اپنا الہی حق سمجھتے تھے۔ شاہد یہی وجہ تھی کہ آپ نے اپنے بچپن میں ایک شخص کو منبر رسول ﷺ پر سے نیچے اترنے کا اصرار کیا اور خود کو اس منبر کا وارث قرار دیا۔ جہاں تک اموی خلیفہ معاویہ سے حضرت حسن بن علی کی صلح کا تعلق ہے تو حضرت حسن نے حکومت (دنیاوی منصب) کو معاویہ کے سپرد کیا تھا لیکن منصب امامت (الہی حکومت) کو معاویہ کے حوالے ہرگز نہیں کیا تھا۔ ۲

شیعوں کے جتنے بھی فرقے ہیں وہ حضرت حسن بن علی کی امامت کے قائل ہیں۔ سوائے شیعہ اسماعیلیہ نزاریہ (آغا خانہ) کے جو حضرت حسن کی امامت کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ اسماعیلیہ نزاریہ حضرت حسن کی امامت کے کیوں

۱۔ یہ حدیث قدیم مواد میں تو اتر کے ساتھ آئی ہے لیکن بعد کے مواخذ میں حدیث کے دوسرے حصہ کو کثرت سے بیان کیا جاتا ہے ورنہ حدیث کے حصہ اول میں حسین کی امامت کا واضح ثبوت موجود ہے۔ لہٰذا حضرت حسن کی امامت سے انکار ممکن نہیں اور اسی طرح سے حدیث میں حضرت علی کی امامت کا ثبوت بھی واضح ہے۔

۲۔ صلح امام حسن اور اس کے پس منظر پر ایک عمیق اور تفصیلی تحقیق علامہ ذیشان حیدر جوادی نے اپنی کتاب ”نفوس عصمت“ میں پیش کی ہے، تفصیل کیلئے اس کی کتاب کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾  
 قائل نہیں ہیں۔ اس پر تفصیلی بحث بعد میں آئے گی۔

(3/1) حضرت حسن و حسین کی امامت

اکثر سیرت نگاروں نے حضرت حسن اور حضرت حسین کی امامت پر مختلف جہتوں سے بحث کی ہے۔ حضرت حسن و حسین کی امامت میں متعدد احادیث روایت کی جاتی ہیں!

حضرت حسن کو ان کے والد بزرگوار کی وصیت کے مطابق خلیفہ (امام) منتخب کر لیا گیا اور لوگوں نے بھی ان کی بیعت کر لی۔ امامت کا منصب سنبھالنے کے بعد چھ ماہ تک شام و مصر کے علاوہ اسلامی ممالک کا انتظام آپ کے ہاتھ میں رہا اور آپ اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے رہے۔ فرہاد دفتری حضرت حسن بن علی کی خلافت اور اس وقت کے حالات کے بارے میں رقم طراز ہیں۔ ”تقریباً چالیس ہزار کوفیوں نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ کے فرزند اکبر حسن بن علی کو اپنے والد کی رحلت کے بعد تخت خلافت پر بٹھایا۔ مگر معاویہ کئی سالوں سے منصب خلافت حاصل کرنے کے کیلئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ بلاشبہ اب معاویہ کی قوت بالکل چیلنج بن گئی تھی اور وہ (حضرت) حسن کو خلافت سے دستبردار ہونے پر آمادہ کرنے میں بڑی آسانی سے کامیاب ہو گیا۔ حضرت حسن اور معاویہ کے مابین کش مکش کی تاریخ اور سلسلہ وار واقعات و حالات نیز وہ شرائط جن کے تحت (حضرت) حسن خلافت سے



”الحسن و الحسين امامان قاما أو قعداء اللهم اني أحبهما فاحب من يحبهما - میرے یہ دونوں بیٹے امام ہیں خواہ یہ اٹھ کھڑے ہوں یا خواہ بیٹھ جائیں، اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں پس تو انہیں اپنا محبوب رکھ جو ان سے محبت کرتے ہیں۔“ بعض علماء نے اس حدیث میں کھڑے ہونے سے مراد امام حسین کا جہاد اور بیٹھنے سے مراد امام حسن کی صلہ تعمیر کی ہے۔

## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

دستبردار ہو کر مدینہ گئے تھے، کافی حد تک مبہم ہیں۔ تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ برقرار ہے کہ حسن کی کنارہ کشی کے بعد خلافت بڑی آسانی سے اموی حریف کو ملی، جسے صوبوں میں بڑی تیزی کے ساتھ، ماسوا شیعہ اور خوارج کے مسلمانوں کی اکثریت نے نئے خلیفہ کی حیثیت سے تسلیم کیا۔ معاویہ نے بڑی چابکدستی کے ساتھ قصاص عثمان کے بہانے سے قیادت پر قبضہ کیا اور اموی خلافت کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ جس نے تقریباً ایک صدی تک (۳۱ تا ۱۳۲ھ / ۶۶۱ تا ۷۵۰ء) موروثی طرز پر اسلامی مملکت پر حکمرانی کی۔ ان پیشرفتوں کے نتیجے میں شیعہ مذہب اپنی قدیم تاریخ کے مشکل ترین دور میں داخل ہوا اور شیعہ بنی ائمہ کے ہاتھوں شدید اذیتوں کے شکار ہوئے۔ معاویہ کی آخری فتح کے ساتھ حضرت علی اور آپ کے خاندان کے غیر شیعہ حامیوں کے باقی ماندہ لوگ یا تو منحرف ہو کر فاتح گروہ میں شامل ہو گئے یا ادھر ادھر بکھر گئے۔ نتیجتاً اب حضرت علی کے زمانے کے گونا گوں قسم کے شیعہ کم ہو گئے تھے اور صرف اصلی شیعہ باقی رہ گئے تھے، جنہوں نے کوفہ میں ایک چھوٹے مگر پر جوش مخالف گروہ کی حیثیت سے اپنا وجود برقرار رکھا۔“ (۲)

یقیناً ہر دور میں اہل معرفت لوگوں کی تعداد کم رہی ہے۔ یہاں تک کہ ائمہ اہل بیت کے وفادار مسلمانوں میں سے بھی اکثریت ان کی ہوتی تھی، جنہیں اپنے امام کی صحیح معرفت حاصل نہیں تھی۔ یہ اپنے زمانے کے امام کو الہی نمائندہ تصور نہیں کرتے تھے بلکہ امام کو سیاسی قائد (Political Leader) کے طور پر ہی تسلیم کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ صلح حضرت حسن کے بعد ایک بڑی تعداد نے معاویہ کی خلافت کو تسلیم کیا، لیکن ساتھ ہی جو لوگ امام کے درجے اور رتبے کی حقیقت کو پا چکے



## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

تھے۔ انہوں نے حضرت حسن کی خلافت کو نہیں چھوڑا، لیکن یہ تعداد میں بہت کم تھے۔ تاہم یہ لوگ حضرت حسن کو علی کے بعد اپنا پیشوا سمجھتے رہے۔ مورخین نے اسی اقلیتی گروہ کو شیعہ سے یاد کیا ہے۔ شیعیت کے تمام گروہوں نے حضرت حسن بن علی کی خلافت اور امامت کو ہمیشہ تسلیم کیا ہے۔ حضرت حسن کی امامت کے حوالے سے شیعیت میں دورائے نہیں پائی جاتی ہیں۔ البتہ فرقہ اسماعیلیہ نزاریہ نے حضرت حسن کو مستقر امام کے عنوان سے تسلیم نہیں کیا بلکہ انہیں امام مستودع کے طور پر قبول کیا۔ حضرت حسن کو امام مستودع ماننے کا نظریہ قدیم اسماعیلیوں کے ہاں نہیں پایا جاتا تھا۔ تمام بنیادی اسماعیلی اور غیر اسماعیلی مواد امام حسن کی امامت کو ثابت کرتا ہے۔ اس لئے یہ بتانا کافی دشوار ہے کہ ”نظریہ مستودع اور مستقرہ“ کب اسماعیلیت میں آیا۔ جس کی وجہ سے حضرت حسن امامت کے اصلی مقام و منزلت میں برقرار نہیں رہے۔ اس پر ڈاکٹر فرہاد دفتری نے اپنی کتاب ”The Ismailis“ میں تفصیل سے بحث کی ہے جس کا خلاصہ یوں ہے۔ ”النجاشی اور اقصیٰ کی روایات کے مطابق قریطیوں نے جو مبارکیہ سے منشعب ہوئے تھے، اپنے اماموں کی تعداد سات تک محدود رکھی۔ ان میں پہلے امام علی بن ابی طالب تھے، جو امام بھی تھے اور رسول بھی۔ ان کے علاوہ حسن، حسین، علی بن حسین، محمد بن علی، جعفر بن محمد اور آخر میں محمد بن اسماعیل بن جعفر تھے، جو امام قائم المہدی کے ساتھ ساتھ نبی مرسل بھی شمار ہوتے تھے۔ یہ امر دلچسپ ہے کہ دونوں مصنفین ائمہ کی تعداد کو سات تک محدود کرنے کی خاطر جب حضرت علی سے آغاز کرتے ہیں تو قریطیوں کے ماننے والے اماموں کے سلسلے سے اسماعیل بن جعفر کے نام کو حذف کرتے ہیں۔



ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

نتیجتاً محمد بن اسماعیل اس سلسلے کے ساتویں امام ہوتے ہیں۔ مگر ملل و نحل کے یہ امامی مصنفین عین اسی وقت یہ کہتے ہوئے اپنے قول کی تردید کرتے ہیں کہ قرمطیوں کے عقیدے کے مطابق امامت عملاً امام صادق کی زندگی میں ہی آپ کے فرزند اسماعیل کی طرف منتقل ہو گئی تھی، بالکل اسی طرح جس طرح بامرالہی غدیر خم میں آنحضور ﷺ سے حضرت علی کی طرف منتقل ہوا تھا، درحالانکہ آنحضور خود بھی زندہ تھے۔ اس تعداد کی بناء پر اسماعیل کو امام بلکہ امام ہفتم ہونا چاہئے، جس کے نتیجے میں آپ کے بیٹے محمد اس سلسلے کے آٹھویں امام بن جائیں گے۔ تاہم صورت حال واضح نہیں۔ ایسا گمان ہوتا ہے کہ بعض قرمطی یا قدیم اسماعیلی حضرت اسماعیل کو امام مانتے تھے جبکہ بعضوں نے ان کے نام کو شجرہ ائمہ سے حذف کیا ہے۔ بعد کی اسماعیلی تحریروں میں حضرت علی کو ایک عام امام کے مقابلے میں بلند تر مقام دیا گیا ہے اور آپ کو اساس امامت شمار کیا ہے اور حضرت اسماعیل کو ہمیشہ ائمہ کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ اس گنتی کے مطابق جسے اب تک مستعلویوں نے برقرار رکھا ہے، حضرت حسن کو امام اول شمار کیا گیا ہے اور حضرت اسماعیل اور حضرت محمد بالترتیب امام ششم اور ہفتم شمار ہوتے ہیں۔ زاریوں نے بعد میں اس عددی نظام میں کسی حد تک ترمیم کی ہے، جو حضرت علی کو پہلے اور حضرت حسین کو دوسرے امام مانتے ہیں اور تمام اماموں کے یکساں مقام پر زور دیتے ہیں۔ زاری حضرت حسن کو سلسلہ ائمہ میں شامل نہیں کرتے، اس لئے کہ ان کے نزدیک آپ امام مستودع تھے جو ائمہ مستقر سے مختلف ہوتے ہیں۔“

بہر حال حضرت حسن بن علی کو مستقرہ کے منصب میں فائز نہ کرنے کی وجہ





## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

معاویہ سے صلح نہیں بلکہ اسماعیلیوں نے ”عقیدہ سبعہ مستقرہ“ میں حضرت محمد بن اسماعیل کو ساتویں امام ثابت کرنے کے لئے حضرت علی اور حضرت حسین کی امامت کو متنازع بنادیا ہے۔ ورنہ مذکورہ ائمہ کی امامت میں قدیم شیعوں میں کسی طرح کا اختلاف نہیں پایا جاتا تھا۔ امامت مستقرہ اور مستودع میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ امام مستودع کو اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی ولاد میں سے کسی کو اپنا قائم مقام کو مقرر کرے جبکہ امام مستقر کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی اولاد میں کسی کو اپنا قائم مقام پر نص امامت کرے۔ یقیناً اس نظریہ کے مطابق امامت امام مستقر کی اولاد میں رہے گی۔ اس نظریہ کے مطابق حضرت حسن امام مستودع کہلاتے ہیں، لیکن شیعیت کے نظریہ امامت میں صرف حسن اور حسین کی امامت استثنائی ہے، جس میں امامت بھائی سے بھائی کو ملتی ہے۔ ”امامت حسن اور حسین کے بعد دو بھائیوں میں جمع نہیں ہوگی۔ (۳)“ بھائی سے بھائی کو امامت کے ملنے اور نسل حسین بن علی پر امامت کے جاری ہونے کے سلسلے میں شیعیت میں اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح سے حضرت علی کی طرف سے حضرت حسن پر نص امامت کرنے پر شیعیت میں کوئی دورائے نہیں ہیں۔ اسی طرح اس بات میں بھی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت علی نے براہ راست حضرت حسین کیلئے نص نہیں کی ہے۔ تاریخی اعتبار سے حضرت علی کے بعد حضرت حسن ان کے جانشین بنے اور حضرت حسین نے ان کے دور امامت میں ان کی اطاعت کی۔ شیخ صدوق نے امام مہدی کی امامت میں جن احادیث کو جمع فرمایا ہے، ان میں سے ایک حدیث ایسی بھی ہے، جس میں آپ ﷺ نے حضرت حسن بن علی کا نام لے کر نص امامت کی ہے۔ ”اے علی تجھ سے



ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

صرف وہ محبت کرے گا، جس کی ولادت پاک ہوگی اور تجھ سے صرف وہ بغض رکھے گا، جس کی ولادت نجس ہوگی۔ تجھ سے مؤمن دوستی رکھے گا اور کافر دشمنی۔ پس عبداللہ ابن مسعود نے پوچھا: ہم آپ کی حیات میں خبیث ولادت اور کافر کی علامت تو جان گئے کہ وہ علی سے بغض عداوت رکھے گا، مگر آپ ﷺ کے بعد وہ کیا علامت ہے، جس کے ذریعے ہم ایسے اشخاص کے بارے میں جان سکیں کہ وہ خبیث ولادت اور کافر ہے۔ جو زبان سے اقرار کر رہا ہو اور دل میں نفاق لئے ہوئے ہو۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے مسعود! علی بن ابی طالب میرے بعد تمہارے امام اور تم پر میرے خلیفہ ہیں۔ ان کے بعد میرا بیٹا (حضرت) حسن تم پر امام و خلیفہ ہے اس کے بعد میرا بیٹا حسین امام اور خلیفہ ہے۔ پھر حسین کی اولاد میں نو ائمہ ایک کے بعد ایک امام و خلیفہ ہوں گے۔“ (۴)



بحث کا حاصل یہ ہے کہ قدیم اسماعیلی (اسماعیلیہ مبارکیہ) کے عقیدے کے مطابق حضرت علی اور حضرت حسن کی امامت ثابت ہے۔ ان کے نزدیک حضرت علی امام اول ہیں اور حضرت حسن امام دوم ہیں۔ لہذا اسماعیلیہ مبارکیہ اور شیعہ اثنا عشریہ میں حضرت علی سے حضرت جعفر صادق تک کی امامت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، جبکہ موجودہ صورت حال کے مطابق اسماعیلیہ مستعالیہ (ترتیب کے بغیر) حضرت حسن سے حضرت جعفر صادق تک کی امامت میں شیعہ اثنا عشریہ

۱۔ شیخ بابوے قی نے ان تمام روایتوں کو جن میں امامت حضرت حسن اور حضرت حسین کے علاوہ بھائیوں کو نہیں ملنے کی خبر دی گئی، اپنی کتاب ”کمال دین اور تمام نعمۃ“ میں جمع فرمایا ہے۔

ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

سے متفق ہیں تو دوسری طرف اسماعیلیہ نزاریہ حضرت علی کو امام اول اور حضرت حسین کو امام دوم تصور کرتے ہوئے حضرت جعفر صادق تک کے ائمہ میں شیعہ اثنا عشریہ سے ہم نظریہ ہیں۔ لہذا مستعالیہ اور نزاریہ دونوں مختلف جہتوں سے اثنا عشریہ کے ساتھ مشترک عقیدہ کے حامل ہیں یعنی ایک طرف مستعالیہ حضرت حسن کی امامت کے قائل ہیں تو دوسری طرف نزاریہ حضرت علی کی امامت کے قائل ہیں۔ پس تینوں یعنی شیعہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ کے دونوں فرقے نزاریہ اور مستعالیہ حضرت جعفر صادق کی امامت میں مشترک عقیدہ رکھتے ہیں اور اسی طرح قرامطہ بھی حضرت علی کو امام اول اور حضرت حسن کو امام ثانی سمجھتے ہیں۔ قطع نظر اس بات سے کہ یہ لوگ حضرت علی کے حوالے سے غلو آمیز نظریات بھی رکھتے ہیں لیکن حضرت علی اور حضرت حسن کی امامت میں یہ لوگ بھی اثنا عشریوں سے ہم عقیدہ ہیں۔



حضرت حسن بن علی کی شہادت کے بعد ان کے بھائی حضرت حسین نے بھائی کی وصیت کے مطابق امامت کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ حضرت حسن کی امامت پر جو دلائل اور بحث پیش کی گئی ہے، وہی دلائل حضرت حسین کیلئے بھی ثابت ہیں۔ شیعہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ میں حضرت حسین کی امامت میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے۔ اس لئے حضرت حسین کی سیرت پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(3/2) حضرت جعفر صادق کی امامت

حضرت جعفر صادق نے ۸۰ھ یا ۸۳ھ میں مدینہ میں آنکھ کھولی اور مدینہ میں سن ۱۲۸ھ کو ماہ شوال میں انتقال فرما گئے۔ آپ شیعہ اثنا عشریوں کے چھٹے اور اسماعیلیوں کے پانچویں امام ہیں۔ آپ نے تقریباً چونتیس سال امامت کی۔ آپ

ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

کی شہادت کے بعد آپ کے ماننے والے آپ کی جانشینی کے مسئلے پر تقسیم ہوئے۔ آپ کے چھ یا سات بیٹے تھے۔ فرہاد دفتری کے مطابق آپ کے تمام بیٹوں نے امامت کا دعویٰ کیا تھا جبکہ ڈاکٹر زاہد علی کے مطابق حضرت جعفر صادق کے چار بیٹوں نے امامت کا دعویٰ کیا تھا۔

بہر حال حضرت جعفر صادق کی شہادت کے بعد شیعیت دو بنیادی فرقوں میں تقسیم ہوئی۔ ایک شیعہ اثنا عشری، جن کو اس زمانے میں قطعیہ بھی کہا جاتا تھا۔ بعض مورخین نے انہیں ”اہل الغیبہ و الرجعة“ بھی لکھا ہے اور دوسرا گروہ حضرت اسماعیل کی نسبت کی وجہ سے شیعہ اسماعیلیہ کہلایا۔

شیعہ اثنا عشریہ کے نظریہ کے مطابق حضرت جعفر صادق نے اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل پر نص امامت نہیں کی تھی بلکہ اپنے تیسرے بیٹے موسیٰ کاظم پر نص امامت کی تھی، جبکہ شیعہ اسماعیلی کے (موجودہ عقائد کے) مطابق حضرت اسماعیل پر نص امامت ہونے میں کسی طرح کا اختلاف نظر نہیں آتا ہے۔ اس موضوع پر قدیم شیعہ مورخین اقصیٰ اور النوبختی کے فراہم کردہ مواد اور دور حاضر کے مذہب اسماعیلیہ کے معتبر اور مشہور مورخ اور ”دی انسٹیٹیوٹ آف اسماعیلی اسٹڈیز لندن“ کے مذہبی شعبہ کے ڈائریکٹر فرہاد دفتری کی کتب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تفصیلی بحث کریں گے۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے حضرت جعفر صادق کی وفات کے بعد شیعیت آپ

کہا جاتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حضرت موسیٰ اور حضرت اسماعیل کے اکثر بھائیوں نے اپنے بھائی حضرت موسیٰ کاظم کی امامت کی طرف رجوع کیا۔

ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

کی نیابت کی صحیح تشکیل کے موضوع پر مختلف فرقوں میں تقسیم ہوئی۔ مورخین کہتے ہیں کہ شیعوں کی ایک چھوٹی جماعت نے حضرت جعفر صادق کی وفات سے انکار کیا اور آپ کو مہدی موعود کے طور پر تسلیم کیا۔ اس نظریے کا پرچار کرنے والا بصرہ کا رہنے والا ایک غالی شیعہ تھا جس کا نام عبداللہ تھا۔ عبداللہ کو بعض مورخین نے عجلان بھی لکھا ہے۔ اس شخص کے والد کا نام ناؤس تھا۔ اسی کی نسبت سے یہ گروہ فرقہ ناؤسیہ سے مشہور ہوا۔ بعض مورخین نے اس فرقے کو فرقہ ”واقفیہ“ کا دوسرا نام تصور کیا ہے لیکن اقمی ناؤسیہ اور واقفیہ کو الگ الگ فرقے بتاتے ہیں۔ ان کے نزدیک حضرت جعفر صادق کی موت سے انکار کرنے والے ناؤسیہ اور موسیٰ کاظم بن جعفر صادق کی موت کے انکار کرنے والے واقفیہ! کہلائے۔ بعض بنیادی مواد یہ بھی بتاتا ہے کہ ہر امام کے زمانے میں امام کی معرفت رکھنے والوں کو واقفیہ کہا جاتا تھا، لیکن بعد میں یہ لقب حضرت موسیٰ کاظم کے اصحاب کے لئے ہی مخصوص ہوا۔ جب حضرت موسیٰ کاظم کی رحلت ہوئی تو آپ کے چند ساتھیوں نے آپ کے جانشین حضرت علی رضا کی امامت کو قبول کرنے سے انکار کیا اور حضرت موسیٰ کاظم کی موت کا انکار کرتے ہوئے آپ کو مہدی موعود سمجھنے لگے۔



1- A section of Imam Musa Kazim's disciples claimed that the Imamate stopped with al-kazim and that he would rise as the Mahdi. They related traditions attributed to Imam as -sadiq concerning al-Qaim and ghayba (acculationn) and applied them to Imam Musa al-kazim. This group was known as the Waqifiyyas.

(History of Isna Asheri shi'is in India, page 61)

## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

یہی لوگ فرقہ واقفہ سے مشہور ہوئے۔<sup>۱</sup> یہ فرقہ اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکا اور بہت جلد ہی منقرض ہو گیا، اس لئے اس پر بحث کرنا بے معنی ہے۔ بعض شیعوں نے حضرت جعفر صادق کے ایک اور بیٹے حضرت عبداللہ بن جعفر<sup>۲</sup> کو حضرت جعفر صادق کے جانشین کے طور پر تسلیم کیا۔ چونکہ عبداللہ کا لقب افتح تھا، اسی سے منسوب کرتے ہوئے مورخین نے اس فرقہ کا نام فرقہ افضیہ لکھا ہے۔ قدیم مواد بتاتا ہے کہ حضرت عبداللہ کی امامت کے قائل شیعوں میں اکثریت نے بہت جلد حضرت موسیٰ بن جعفر کی امامت کی طرف رجوع کیا۔ یوں یہ فرقہ اپنے وجود کو برقرار نہیں رکھ سکا اور اپنے ابتدائی مراحل میں ہی ختم ہوا۔ اس کے علاوہ حضرت جعفر صادق کے دو بیٹے حضرت اسحاق اور حضرت علی نے بھی اپنے بھائی حضرت موسیٰ بن جعفر کی امامت کو قبول کیا تھا۔ دفتری کے مطابق حضرت جعفر صادق کے تمام بیٹوں نے امامت کا دعویٰ کیا تھا۔ یہ بات صحیح نہیں لگتی ہے کیونکہ حضرت جعفر صادق کے دو بیٹے حضرت اسحاق بن جعفر اور علی بن جعفر کی امامت پر تاریخی شواہد نہیں ملتے ہیں۔ اگر ایسا ہوا ہے تو بھی بہت جلد ان دونوں نے اپنے بھائی حضرت موسیٰ کی امامت کی طرف رجوع کیا ہے۔ مورخین اور محدثین نے ان دونوں سے موسیٰ کاظم کی امامت پر روایات بھی نقل کی ہیں۔ حضرت جعفر صادق کے سب سے بڑے بیٹے اسماعیل تھے۔ کچھ شیعوں نے آپ کی امامت کا دعویٰ کیا اور اسی نام سے



۱۔ اس فرقے پر دو جلدوں پر مشتمل عربی زبان میں کتاب بعنوان ”الواقفہ“ ریاض محمد حبیب الناصری نے تحریر کی ہے۔ جس کو مطبع قم ایران نے ۱۴۰۹ھ میں شائع کیا ہے۔ اس فرقے کی تفصیل کیلئے اس کتاب سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ جو عبداللہ افتح کے نام سے مشہور تھے۔

## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

منسوب ہو کر یہ لوگ شیعہ اسماعیلیہ کہلائے، جو اب صرف اسماعیلیہ سے ہی مشہور ہیں تو دوسری طرف شیعیت کی بڑی اکثریت نے حضرت موسیٰ بن جعفر کی امامت کو قبول کی۔ اقصیٰ اور النوبختی کے مطابق حضرت جعفر صادق کی رحلت کے فوراً بعد یہ لوگ حضرت اسماعیل کی موت کا قطعی یقین رکھنے کی بناء پر فرقہ قطیعہ کے نام سے موسوم ہوا ہے جو بعد میں بارہ ائمہ کے نظریہ کی بناء پر شیعہ اثنا عشریہ سے مشہور ہوا، جو اب صرف شیعہ ہی سے پہچانا جاتا ہے۔ حضرت جعفر صادق کی شہادت کے بعد آپ کے ماننے والوں کی ایک بڑی تعداد نے حضرت محمد بن جعفرؑ کی امامت کو قبول کیا۔ فرہاد دفتری کے مطابق ۲۰۰ھ جبکہ شیخ سعد اللہ اقصیٰ کے مطابق ۱۹۹ھ میں آپ نے عباسی خلیفہ المامون کے خلاف خروج کیا اور ناکام ہوئے۔ اس واقعے کے دو یا تین سال بعد آپ رحلت فرما گئے۔ کسی بھی قدیم کتاب میں یہ نہیں ملتا ہے کہ الدیاج نے اپنی زندگی میں دعویٰ امامت کیا ہو۔ البتہ آپ کی رحلت کے بعد ایک شخص یحییٰ بن ابی حمیط (السط) نے آپ کی طرف امامت کو منسوب کیا اور اسی شخص کی نسبت سے مورخین نے اس کو فرقہ سمطیہ یا شمطیہ کا نام دیا ہے۔ بعد میں اس فرقے کی اکثریت نے حضرت عبداللہ اقصیٰ بن جعفر کی امامت کی طرف رجوع کیا۔ یاد رہے کہ حضرت محمد الدیاج بن جعفر ماں اور باپ دونوں کی طرف سے حضرت موسیٰ کاظم کے سگے بھائی تھے، جبکہ حضرت عبداللہ اقصیٰ بن جعفر کے ماں اور باپ دونوں کی طرف سے سگے بھائی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مریدین



ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

کی تعداد بھی سب سے زیادہ تھی۔ جیسا کہ فرہاد دفتری لکھتے ہیں۔ ”امام جعفر صادق کے ماننے والوں کی اکثریت نے اب آپ کے بڑے بیٹے عبداللہ فطح کو اپنا نیا امام تسلیم کیا، جو امام اسماعیل کے سکے بھائی تھے۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ عبداللہ اپنے والد سے نص ثانی حاصل کرنے کے مدعی تھے اور ان کے پیرو افطحیہ یا فطحیہ نے اس بارے میں امام الصادق سے ایک حدیث بھی نقل کی کہ امامت امام کے بڑے فرزند کے توسط سے منتقل ہوتی ہے۔ بہر حال عبداللہ جب اپنے والد کی وفات کے تقریباً ستر (۷۰) دن بعد فوت ہوئے تو ان کے حامیوں کی اکثریت موسیٰ بن جعفر کی طرف دار بنی۔“ (۵)



حضرت عبداللہ اور ان کے سکے بھائی حضرت اسماعیل کی امامت میں بہت زیادہ مماثلت بھی پائی جاتی ہے۔ حضرت اسماعیل کی امامت کیلئے ان کے حامیوں نے جن دلائل کا ذکر کیا ہے، یہی دلائل حضرت عبداللہ کیلئے بھی ثابت تھے کیونکہ حضرت عبداللہ کی والدہ حضرت حسن کی نسل سے امام زادی تھیں تو دوسری طرف قائم امام حضرت جعفر صادق کی موجودگی میں بڑے بھائی (حضرت اسماعیل) کی رحلت کی وجہ سے خود بڑے بیٹے ہونے کا حق بھی رکھتے تھے کیونکہ اسماعیل کے بعد آپ ہی تمام بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ فرہاد دفتری کے مطابق فرقہ افطحیہ نے اپنے امام کی امامت میں ثانی الذکر دلیل کو ہی پیش کیا ہے۔ صورت حال کچھ بھی ہو فرقہ افطحیہ اپنا وجود باقی نہیں رکھ سکا اور ختم ہوا۔ اس فرقے کی اکثریت نے حضرت عبداللہ فطح کی حیات یا ان کی وفات کے فوراً بعد حضرت موسیٰ کاظم کی امامت کو قبول کیا۔ یہ فرقہ امامت کیلئے جو دلائل رکھتا تھا، ان میں سے اکثر دلائل



ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

حضرت اسمعیل پر صادق آتے تھے، جن کی بناء پر حضرت اسمعیل کی امامت کا دعویٰ کیا گیا تھا لیکن فرقہ افطحیہ نے اپنے امام کے حقیقی بھائی کی امامت کو قبول کرنے کے بجائے، حضرت موسیٰ بن جعفر کی امامت کو قبول کیا۔ ان عوامل سے حضرت موسیٰ بن جعفر کی امامت کو تقویت ملتی ہے۔

حضرت موسیٰ کاظم کے بھائیوں کی امامت کا عمیق جائزہ لیا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے تقیہ کے اصول پر اپنے بھائی حضرت موسیٰ کاظم کی امامت کو چھپانے کیلئے دعویٰ امامت کیا تھا۔ حضرت جعفر صادق نے امامت کے مورثی اصول وضع کئے تھے۔ آپ نے امامت کے اصولوں کو ایک ٹھوس بنیاد پر استوار کرنے کے بعد رحلت فرمائی تھی۔ لہذا ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کی رحلت کے فوراً بعد آپ کے تمام بیٹے امامت کا دعویٰ کریں۔ ایسا لگتا ہے کہ ان لوگوں نے صرف حضرت موسیٰ کاظم کی امامت کو محفوظ کرنے کیلئے دعویٰ امامت کیا تاکہ بنو عباس کے جاسوسوں کو اس کا ادراک نہ ہو سکے۔ ان لوگوں کو پورا احساس تھا کہ خلیفہ المنصور کی وجہ سے ان کے بابا کی شہادت ہوئی ہے۔ لہذا منصور عباسی کسی طور پر بھی حضرت جعفر صادق کے نائب کو معاف نہیں کرے گا۔ اگر یہ بات تسلیم کی جائے کہ حضرت موسیٰ کاظم کا ہر ایک بھائی اپنے آپ کو اپنے بابا کا حقیقی جانشین سمجھتا تھا تو پھر ان میں سے اکثر بھائیوں نے اپنی حیات میں کیوں حضرت موسیٰ کاظم کی امامت کو قبول کیا۔ موسیٰ کاظم کے بھائیوں کی امامت کی نفی اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت جعفر صادق کے اکثر بڑے مشہور اور معروف شاگرد جن میں زرارہ بن اعین، ابو محمد ہشام بن الحکم، مومن الطاق، حماد بن عیسیٰ، ابو عبد اللہ عبد الرحمن بن



ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

الحاج الحجّی الکونی، عبد اللہ بن اکاہلی الکونی، مفصل بن عمر الکونی جعفی، یونس بن یعقوب الحجّبی الدہنی، وغیرہ شامل ہیں [جنہوں] نے شروع سے ہی حضرت موسیٰ کاظم کی امامت کو قبول کیا تھا۔ شیخ مفید لکھتے ہیں۔ ”حضرت امام جعفر صادق کے بڑے بڑے صحابہ، آپ کے خاص راز دان لوگوں اور قابل وثوق فقہاء صالحین رحمۃ اللہ علیہم میں جنہوں نے آپ سے اپنے بیٹے اور ابوالحسن موسیٰ کاظم کی امامت پر نص قائم کی ہے، وہ مفصل بن عمر جعفی، معاذ بن کثیر، عبدالرحمن بن حجاج، فیض بن مختار، یعقوب سراج، سلیمان بن خالد، صفوان جمال وغیرہ ہیں۔“ (۶) حضرت جعفر صادق کے تمام بیٹوں کے دعویٰ امامت کو ثابت کرنا مشکل ہے۔ اس پر تاریخی شواہد کے تناظر میں کافی تبصرہ کرنے کی گنجائش ہے لیکن یہ ہمارے موضوع سے مربوط نہیں ہے۔ بس اتنا واضح کرنا مقصود ہے کہ قدیم مواد یہ بتاتا ہے کہ حضرت جعفر صادق کے بیٹوں اور اصحاب کی اکثریت نے حضرت موسیٰ کاظم کی امامت کو قبول کیا تھا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل کی امامت کے بجائے حضرت موسیٰ کاظم کی امامت کو جعفر صادق کے بیٹوں اور تلامذہ نے کیوں قبول کیا جبکہ حضرت اسماعیل سب سے بڑے بیٹے تھے اور ساتھ ہی ان کی والدہ ماجدہ امام زادی بھی تھیں۔ ساتھ ہی ساتھ ان کے والد انہیں بہت زیادہ اکرام اور تعظیم بھی دیتے تھے۔ یقیناً یہ سب باتیں امامت کی خصوصیات اور علامات کے طور پر ثابت ہیں البتہ نص امامت میں یہ باتیں شامل نہیں ہیں۔ اس لئے ان خصوصیات کو دلائل منصوصہ پر محمول نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اگر حضرت اسماعیل کی وفات کا اقرار کیا جائے تو پھر بات اور زیادہ آسان ہو جاتی ہے کیونکہ اکثر مآخذ کے مطابق حضرت اسماعیل



## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

اپنے والد سے قبل وفات پا گئے تھے۔ شیعہ اثنا عشری حضرت اسماعیل کی نیک سیرت کے بھی قائل ہیں۔ اکثر اثنا عشری علماء نے آپ کی مدح سرائی کی ہے۔ صرف ایک روایت ایسی نقل کی جاتی ہے، جس میں یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت اسماعیل نے شراب نوشی کی تھی۔ میرے نزدیک یہ روایت من گھڑت اور جھوٹ پر مبنی ہے کیونکہ حضرت اسماعیل کی سیرت کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ کوئی بھی غیر شرعی فعل کو آپ سے منسوب کرنا مناسب نہیں ہے۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو پھر صرف ایک ہی روایت کیوں ہوتی۔ نیز سیرت کے دیگر پہلوؤں میں بھی خامیاں سامنے آتی۔ تاریخ میں اس ایک روایت کے علاوہ ایسی کوئی دوسری بات درج نہیں ہوئی ہے جو حضرت اسماعیل کی سیرت کو متاثر کرے۔ نیز آپ کی تربیت حضرت جعفر صادق نے خود کی ہے۔ میرے نزدیک تو یہ روایت بھی من گھڑت اور جعلی لگتی ہے کیونکہ اس روایت کو علامہ مجلسی سے منسوب کرتے ہوئے ڈاکٹر زاہد علی نے لکھا ہے۔ جو حوالے ڈاکٹر موصوف نے دیا ہے اس میں ایسی کوئی روایت موجود نہیں ہے۔ بحار الانوار میں اس روایت کو تلاش کے باوجود مجھے نہیں ملی۔ بہر حال ڈاکٹر زاہد علی لکھتے ہیں۔ ”علامہ مجلسی نے روایت کی ہے کہ امام جعفر صادق نے اسماعیل کو اپنا جانشین بنایا تھا لیکن ایک موقع پر وہ خلاف شرع عمل کے مرتکب ہوئے۔ یہ دیکھ کر ان کے والد برافروختہ ہوئے اور امامت کا عہدہ موسیٰ کاظم کی طرف منتقل کر دیا۔“ (۷) لیکن دوسری طرف علماء نے اس روایت کو غلط قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت اسماعیل ایک نیک سیرت اور پرہیزگاری کے اعلیٰ نمونہ تھے۔ لہذا منتقلی امامت کے حوالے سے حضرت اسماعیل کی سیرت کو وجہ بنانا صحیح نہیں ہے۔



ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

اصل بحث یہ ہے کہ نص امامت حضرت اسماعیل پر ہوئی تھی یا نہیں۔ اکثر مورخین نص امامت کو حضرت اسماعیل سے حضرت موسیٰ کاظم کی طرف تبدیل کرنے کی اہم وجہ جعفر صادق کی حیات میں ہی حضرت اسماعیل کی وفات بتاتے ہیں جبکہ شیعہ اسماعیلیہ کے جدید مآخذات اس وجہ کی تائید نہیں کرتے ہیں۔ ”کچھ روایات میں حضرت امام اسماعیل کی نص امامت کو موسیٰ کاظم پر بدلنے کا سبب ان کی باپ کی حیات میں وفات بتایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق نے ان کے جنازے میں شامل لوگوں کی ایک فہرست تیار کی تھی۔ جہاں تک جنازے کے قصے کا تعلق ہے ڈاکٹر ”ایوانف“ کا کہنا ہے کہ یہ قصہ کسی نے پہلے سے تیار کیا ہوگا اور امام اسماعیل کے متعلق زیادہ اطلاعات نہ ہونے کی بناء پر لوگوں میں یہ قصہ مشہور ہو گیا۔“ (۸)



ایوانف نے حضرت اسماعیل کی موت کی روایت جعلی ہونے کا شبہ ظاہر کیا ہے لیکن اس پر وہ کوئی حتمی رائے دینے سے قاصر ہیں، کیونکہ اس حوالے سے ائمہ اہل بیت (اسماعیلیہ) سے منسوب کوئی ایک روایت بھی نہیں ملتی ہے۔ اس لئے کسی بھی مورخ اور محقق کے لئے حضرت اسماعیل بن جعفر کی موت آپ کے والد کی حیات میں ہونے کی نفی کرنا بہت مشکل ہے، لیکن احتمال ضرور پایا جاتا ہے۔ اس احتمال کو عقلی دلیل سے تقویت مل سکتی ہے کہ جس طرح سے حضرت جعفر صادق نے حضرت اسماعیل کی تجہیز و تکفین کا غیر رسمی انداز میں انتظام کیا ہے، یہ غیر رسمی انتظام ظاہر کرتا ہے کہ امام اپنے فرزند کو بنو عباس کے جابر و ظالم حکمرانوں سے بچانا چاہتے ہوں۔ بہر حال اگر قصہ جعلی بھی سمجھا جائے اور یہ تسلیم کیا جائے کہ حضرت جعفر

## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

صادق نے حضرت اسماعیل کو تقیہ میں بھیجا تھا اور حضرت اسماعیل بن جعفر کی موت اپنے والد کی حیات میں نہیں ہوئی تھی تو بھی صورت حال واضح نہیں ہوتی ہے کیونکہ موجودہ اسماعیلی قدیم اسماعیلیہ مبارکیہ سے اپنی نسبت کو جوڑتے ہیں۔ قدیم مورخین کے مطابق اسماعیلیہ مبارکیہ ان اسماعیلیوں کا نام ہے، جنہوں نے حضرت اسماعیل کی موت کا اقرار کیا تھا، تو موجودہ مذہب اسماعیلیہ کے حوالے سے بات واضح نہیں ہوگی کیونکہ ان کا تعلق قدیم اسماعیلیہ مبارکیہ سے ہے جو حضرت اسماعیل کے وفات حضرت جعفر صادق کی حیات میں ہونے کے قائل تھے۔ ڈاکٹر عزیز اللہ نجیب! اس مسئلے کو کسی حد تک سلجھانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ یہ بات ٹھیک ہے کہ مذہب اسماعیلیہ کا تعلق ان قدیم اسماعیلیوں سے ہے، جنہوں نے حضرت اسماعیل کی موت حضرت جعفر صادق کی حیات میں ہونے کا اقرار کیا، جنہیں مورخین ”قدیم اسماعیلیہ مبارکیہ“ سے یاد کرتے ہیں، لیکن خود قدیم اسماعیلیہ مبارکیہ میں قلیل تعداد میں کچھ اسماعیلی حضرات ایسے بھی تھے، جو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضرت اسماعیل کی موت حضرت جعفر صادق کی حیات کے بعد ہوئی ہے۔ موجودہ اسماعیلیہ کا تعلق انہیں لوگوں میں سے ہے۔ لہذا یہ کہنا تو صحیح ہے کہ موجودہ اسماعیلیہ کا تعلق فرقہ مبارکیہ سے ہے لیکن حضرت اسماعیل بن جعفر کی موت کے مسئلہ میں ان کا تعلق ان قدیم اسماعیلیوں سے ہے، جنہوں نے حضرت اسماعیل بن جعفر کی موت حضرت جعفر صادق کی زندگی میں ہونے سے انکار کیا تھا، جنہیں



۱۔ ایک مستند اور جید اسماعیلی عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ طریقہ بورڈ کراچی سے منسلک ہیں۔

ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

مورخین ”قدیم اسماعیلیہ خالصہ“ سے پکارتے ہیں۔ ڈاکٹر عزیز اللہ نجیب کہتے ہیں کہ مبارکیہ قرامطہ اور میمونہ کے نام سے دو حصوں میں منقسم ہوا تھا اور دونوں حضرت اسماعیل کی موت کا اقرار کرتے ہوئے حضرت محمد بن اسماعیل کی ظہور کے قائل تھے۔ پھر فرقہ میمونہ بھی دو حصوں میں منقسم ہوا۔ ایک فرقہ کا خیال تھا کہ حضرت اسماعیل کی موت خود آپ کے والد کی حیات میں ہوئی اور محمد بن اسماعیل ستر میں ہیں۔ یہ فرقہ آپ کی ظہور کا قائل تھا تو دوسرے فرقہ کا عقیدہ تھا کہ حضرت اسماعیل کی موت اپنے والد کی حیات میں نہیں ہوئی ہے۔ آپ تقیہ میں سلمیہ میں زندگی گزار رہے ہیں۔ موجودہ اسماعیلیت کا تعلق اسی ثانی الذکر گروہ سے ہے۔ یقیناً ڈاکٹر عزیز اللہ نجیب اس طرح اس اہم مسئلے کا ایک حل نکالنے میں کامیاب ضرور ہوئے ہیں لیکن قدیم تاریخی مواد میں اس کی تائید نہیں ملتی ہے۔ اکثر قدیم تاریخی مواد کے جائزہ سے حضرت موسیٰ کاظم کی امامت کے واضح ثبوت ملتے ہیں۔ حضرت موسیٰ کاظم کی زندگی کا مختصر تعارف شیخ مفید اپنی کتاب ”الارشاد“ میں یوں کرتے ہیں۔ ”امام جعفر صادق کے بعد ان کے فرزند عبد صالح حضرت ابوالحسن موسیٰ بن جعفر امام تھے کیونکہ آپ میں امامت والی تمام صفات فضل و کمال، ان کے والد کی نص اور رہنمائی و اشارے موجود تھے۔ آپ کی ولادت ۱۲۸ھ میں بمقام ابواء (مکہ و مدینہ کے درمیان) ہوئی اور آپ کی وفات چھ رجب ۱۸۳ھ بغداد میں سند بن شاہک کے قید خانہ میں ہوئی۔ آپ کی عمر پچپن ۵۵ سال تھی۔ آپ کی والدہ ماجدہ حمیدہ

۱۔ اگر اس قلیل گروہ کے وجود سے ثابت ہو جائے جو مبارکہ سے تعلق رکھنے کے باوجود اسماعیل کی موت اپنے والد کی حیات میں ہونے سے انکار کرتے تھے تو پھر انہیں مبارکہ میں سے قرار دینے کی وجہ سمجھ سے بالاتر ہے اگر یہ گروہ ثابت نہ ہو جائے تو پھر اسماعیلیہ کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔



ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

خاتون بربر یہ تھیں۔ آپ کی مدت خلافت ۳۵ سال تھی۔ کنیت ابو ابراہیم، ابو الحسن اور ابو علی تھی، عبد صالح اور کاظم کے القاب سے مشہور و معروف تھے۔“ (۹)

حضرت موسیٰ کاظم کی امامت پر قدیم اور جدید دونوں مآخذات میں متعدد روایات اور نصوص کو بیان کیا جاتا ہے۔ ان روایات کو حضرت جعفر صادق کے اصحاب اور شیوخ نے نقل کیا ہے۔ جن میں المفصل بن عمر الجعفی، معاذ بن کثیر، عبد الرحمن ابن الحجاج، الفیض بن المختار، یعقوب بن خالد، صفوان الجمال، یزید بن سلیط، داود بن کثیر، ابراہیم کرخی، عیسیٰ علوی، سلیمان بن خالد اور زراره بن اعین وغیرہ شامل ہیں۔ جنہوں نے حضرت جعفر صادق سے موسیٰ کاظم کی امامت پر نصوص کو نقل کیا ہے۔ مندرجہ بالا سب کے سب شیعہ فقہاء، ثقات اور محدثین تھے اور ان میں سے کچھ حضرت جعفر صادق کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ ان کے علاوہ حضرت جعفر صادق کے دو فرزند حضرت اسحاق اور علی سے بھی حضرت موسیٰ کاظم کی امامت میں روایات نقل ہوئی ہیں۔ طوالت کے خوف سے ان تمام حضرات کے نصوص کو نقل کرنے سے قاصر ہیں۔ ۲



علاوہ ازیں شیعہ اثنا عشریہ حضرت موسیٰ کاظم کی امامت پر ان احادیث سے بھی استفادہ کرتے ہیں، جن میں حضرت محمد ﷺ نے ائمہ کی تعداد سے بھی

۱۔ علامہ ذیشان حیدر جوادی نے اپنی کتاب ”نقوش عصمت“ میں ان میں سے اکثر کے بارے میں مختصراً تعارف نامہ بھی لکھی ہے۔

۲۔ ان روایتوں کو شیعہ علماء اکثر ائمہ کی سیرت پر مبنی کتب میں نقل کرتے ہیں۔ ان کتب میں ایک قدیم کتاب ”کشف الغمہ فی معرفۃ الائمۃ“ ہے، جس کو ابی الحسن علی بن عیسیٰ بن ابی الفتح لاریلی (المتوفی ۶۹۳ھ) نے تالیف کیا ہے۔ اس کتاب کے جلد سوئم میں ان تمام روایتوں کو جمع کیا گیا۔ اسی طرح شیخ مفید نے اپنی کتاب ”الارشاد“ میں تقریباً ۱۲ روایتوں کو نقل کیا ہے اور ساتھ ہی موسیٰ کاظم کی امامت کے دلائل کے طور پر آپ کے معجزات اور کرامات کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

استفادہ کرتے ہیں، جن میں حضرت محمد ﷺ نے ائمہ کی تعداد بیان کی ہے اور بعض احادیث میں بارہ ائمہ کے نام بھی بیان کئے ہیں۔ ان احادیث کو شیعہ و سنی محدثین نے اکثر سیرت اور احادیث کی بنیادی کتب میں نقل کیا ہے۔

اسماعیلی نظریے کے مطابق ”حضرت اسماعیل حضرت امام جعفر صادق حضرت امام اسماعیل مسند امامت پر جلوہ افروز ہوئے۔ حضرت امام جعفر صادق نے حضرت امام اسماعیل پر امامت کی نص کرنے کے بعد عباسی خلیفہ منصور کے ظالمانہ روئے کی وجہ سے انہیں خفیہ طور پر شام کے شہر سلمیہ بھیج دیا، جہاں آپ نے دعوت کے کام کو جاری رکھا اور آپ دعوت کے سلسلے میں خفیہ طور پر مختلف شہروں کا دورہ بھی کیا کرتے تھے اور اس سلسلے میں عراق بھی جاتے تھے کیونکہ ایک روایت کے مطابق لوگوں نے آپ کو بصرہ میں دیکھا تھا۔ غرض حضرت امام جعفر صادق کی وفات کے وقت بھی آپ کا قیام سلمیہ میں ہی تھا۔ اس لئے آپ کی مدینہ سے غیر موجودگی کی وجہ سے شیعوں کے ایک گروہ نے آپ کے چھوٹے اور سوتیلے بھائی حضرت موسیٰ کاظم کی امامت کو تسلیم کیا اور موسویہ کہلایا۔ یہی گروہ بعد میں اپنے بارہ ائمہ کی تعداد کی نسبت سے اثنا عشری کہلایا جبکہ شیعوں کے دوسرے گروہ نے حضرت امام اسماعیل کی امامت کو تسلیم کیا اور اسماعیلی کہلایا۔ (۱۰) کچھ بنیادی مواد کے مطابق

۱۔ بارہ خلفاء کے وجود کے بارے میں دلالت کرنے والی حدیثیں اہل سنت کی معتبر ترین صحاح میں بھی ذکر ہوئی ہیں۔ صحیح بخاری ۹-۸۱، باب الاستخفاف، صحیح مسلم، ۶-۳ کتاب الامارہ، مسند احمد ۵-۵۶، ۱۰۸، مستدرک حاکم ۳-۱۸ میں بارہ خلفاء والی احادیث کو دیکھا جاسکتا ہے۔



ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

حضرت اسماعیل کی موت اپنے والد حضرت جعفر صادق کی حیات میں نہیں ہوئی تھی لیکن دوسری طرف اس نظریہ کو صحیح ماننے کی صورت میں ایک پیچیدہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ قدیم اور جدید مورخین خصوصاً فرہاد دفتری کے نزدیک موجودہ اسماعیلیہ کا سلسلہ قدیم اسماعیلیوں کی شاخ فرقہ مبارکیہ سے مربوط ہے جنہوں نے حضرت اسماعیل کی رحلت کا اقرار کیا تھا۔ اس صورت میں موجودہ اسماعیلیت کا نظریہ واضح نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ قدیم اسماعیلی حضرت اسماعیل کی موت اپنے والد حضرت جعفر صادق کی زندگی میں ہونے کے قائل تھے، لیکن موجودہ اسماعیلی حضرت اسماعیل کی موت اپنے والد کی حیات میں ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ اگر بنیادی اور قدیم مواد کا جائزہ لیا جائے تو بہت سارا قدیم اور جدید اسماعیلی مواد حضرت اسماعیل کی وفات کو اپنے والد کی حیات میں ہونے کو ثابت کرتا ہے۔ جیسا کہ صاحب ”تاریخ دعوة الاسلامیہ“ تحریر کرتے ہیں: ”امام شنشم، فرزندش اسماعیل بن جعفر ملقب بہ وفی است او در زمان حیات پدرش از دنیا رفت ولی بعد از انتخاب شدن بہ امامت از دنیا رفت و او امامت پسرش محمد بن اسماعیل با موافقت پدرش جعفر نص نمود۔“ چھٹے امام کے بیٹے اسماعیل بن جعفر جن کا لقب وفی ہے، اپنے والد کی حیات میں ہی اس دنیا سے رحلت فرما چکے تھے۔ آپ امامت کے لئے منتخب ہونے کے بعد دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ اس لئے حضرت محمد بن اسماعیل ہی اپنے والد کے موافق تھے۔ اس لئے حضرت جعفر صادق نے حضرت محمد بن اسماعیل پر نص امامت کی تھی۔ (۱۱) یوں



## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

اسماعیلیوں کے ہاں یہ نظریہ بھی پایا جاتا ہے کہ حضرت اسماعیل کی وفات اپنے والد کی حیات میں ہوئی تھی چونکہ حضرت جعفر صادق نے حضرت اسماعیل پر نص امامت کی تھی۔ حضرت اسماعیل دنیا سے رخصت ہوئے پھر ان کے والد حضرت جعفر صادق دنیا سے رخصت ہوئے تو حضرت اسماعیل کے بڑے بیٹے محمد بن اسماعیل امام بنے۔ اگر اس نظریہ کو قبول کیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام جعفر صادق امام قائم تھے، نص کا اطلاق امام قائم کے دنیا سے رخصت ہونے پر ہوتا ہے تو اس صورتحال میں نص کا اطلاق کیسے ہو سکتا ہے جبکہ حضرت صادق بقید حیات تھے دوم اس نظریہ پر قدیم منابع میں کسی طرح کا بھی معلومات دینے سے قاصر ہے یہی وجہ ہے کہ موجودہ اسماعیلیہ حضرت اسماعیل بن جعفر صادق کی موت اپنے والد کی حیات میں ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ اسماعیلیوں کی اکثر کتب میں اسماعیل بن جعفر صادق کی سن وفات ۱۵۸ھ تحریر ہے۔ اگر مذکورہ بالا نظریہ صحیح ہوتا تو پھر حضرت اسماعیل کی وفات اپنے والد کی حیات میں ہونے سے انکار کیوں کیا جاتا۔ اور اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ حضرت اسماعیل یا حضرت محمد بن اسماعیل پر حضرت جعفر صادق نے نص امامت نہیں کی تھی تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے، چونکہ حضرت جعفر صادق جانتے تھے کہ منصور عباسی کے جاسوس ان کے جانشین کے قتل کے منتظر ہیں، اسی لئے انہوں نے تقیہ کے اصول پر حضرت اسماعیل کی موت کا اعلان فرمایا ہو اور محمد بن اسماعیل کو مستور کر دیا ہو لیکن ایسا ہونے پر کوئی تاریخی اور نقلی شواہد ہمارے پاس موجود نہیں ہیں۔ خصوصاً حضرت اسماعیل کے ستر میں چلے جانے پر کوئی نقلی دلیل موجود نہیں ہے، البتہ عقلی دلیل ہے، جس کا ذکر ہوا ہے۔



## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

بہر حال حضرت محمد بن اسماعیل کے حامیوں نے آپ کی امامت کو تسلیم کیا تھا، لیکن یہ ثابت کرنا مشکل ہے کہ حضرت اسماعیل نے اپنی زندگی میں ایسا کوئی اشارہ فرمایا ہو کہ میں اپنے بابا کا قائم مقام بنوں گا یا حضرت جعفر صادق کے شیعوں میں سے کسی نے حضرت اسماعیل کی حیات میں یا آپ کی رحلت کے فوراً بعد آپ کی امامت کا دعویٰ کیا تھا۔ مندرجہ بالا تمام باتوں کو تاریخی طور پر ثابت کرنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ اکثر قدیم مورخین اور دور حاضر کے تاریخ اسماعیلیہ کے ماہر مورخ فرہاد دفتری کے مطابق تیسری صدی کے وسط سے پہلے موجودہ اسماعیلیہ مذہب کے عقائد اور نظریات کو ثابت کرنا محال ہے۔ کیونکہ تیسری صدی کے وسط سے پہلے حضرت اسماعیل کی امامت کا دعویٰ کرنے والا کوئی قابل ذکر گروہ سامنے نہیں آیا تھا۔ جیسا کہ دفتری تحریر کرتے ہیں۔ ”تیسری صدی ہجری رنویں عیسوی کے وسط کے فوراً بعد اسماعیلی تحریک اچانک تاریخ کے منظر پر نمودار ہوئی۔ یہ تحریک اب داعیوں کے ایک مربوط نظام کے ذریعے دعوت کی زوردار سرگرمیوں کے ساتھ ایک متحرک انقلابی تنظیم کے طور پر ابھری۔۔۔۔۔ درحقیقت النوبختی اور القمی جو سب سے باخبر ہم عصر اہل قلم ہیں جب ۲۸۶ھ/۸۹۹ء یعنی اس تحریک میں ایک تفرقہ پیدا ہونے سے قبل کے اسماعیلیوں کے احوال بیان کرتے ہیں تو وہ قرامطہ کے سوا اسماعیلیوں کی کسی دوسری جماعت کا ذکر نہیں کرتے ہیں۔۔۔۔۔ ایسا نظر آتا ہے کہ اسماعیلی تحریک کے مرکزی رہنما یعنی فاطمین مصر کے آباء و اجداد ابتداء میں قائم کے خلفاء یا نمائندے شمار ہوتے ہیں۔ عبید اللہ کی اصطلاحات کے بعد ہی ماضی کے رہنماؤں کی امامت کا برملا دعویٰ کیا گیا۔ اس رسمی بیان کے مطابق محمد بن اسماعیل نے اپنے



## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

بڑے بیٹے عبید اللہ کو جو اسماعیلی ائمہ کے ہفت گانہ دوم کے پہلے امام ہوتے ہیں، اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ (۱۲)

صورت حال کچھ بھی ہو ”موجودہ اسماعیلیہ کے نظریے کے مطابق حضرت جعفر صادق کے بعد حضرت اسماعیل اور ان کے جانشین اماموں نے عباسی خلفاء کے اہل بیت پر ظلم و ستم کی وجہ سے نہایت ہی خفیہ طور پر زندگی بسر کی، یہ دور اسماعیلی تاریخ میں ”دور ستر“ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دور حضرت امام اسماعیل سے شروع ہوتا ہے اور گیارہویں امام حضرت مہدی کے ظہور پر ختم ہوتا ہے۔۔۔۔۔ یمن میں اسماعیلی داعی ابن حوشب (منصور یمن) کے ہاتھوں اسماعیلی حکومت قائم ہوئی اور حضرت ابو عبد اللہ الشیعی نے شمالی افریقہ (مغرب) میں ۲۹۷ھ/۹۰۹ء میں فاطمی خلافت کی بنیاد رکھی۔۔۔۔۔ (حضرت اسماعیل نے) دس سال تک امامت کے امور سرانجام دینے کے بعد حضرت امام اسماعیل نے ۱۵۸ھ/۷۷۷ء میں وفات پائی اور سلمیہ میں دفن ہوئے اور نص کے مطابق آپ کے فرزند حضرت امام محمد مسند امامت پر جلوہ افروز ہوئے۔“ (۱۳)

بحث کا سیر حاصل یہ ہے کہ شیعہ حضرت جعفر صادق کی رحلت کے بعد ان کے جانشین کی صحیح تشکیل پر اختلاف کے شکار ہوئے۔ ایک گروہ حضرت جعفر صادق کے فرزند حضرت موسیٰ کاظم کی امامت کا قائل ہوا، جنہیں شیعہ اثنا عشریہ کہا جاتا ہے۔ جبکہ ایک قلیل تعداد حضرت جعفر صادق کے پوتے حضرت محمد بن اسماعیل کی امامت کی قائل ہوئی، جنہیں قرامطہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض شیعوں نے حضرت جعفر صادق کے سب سے بڑے فرزند حضرت اسماعیل کی امامت کا دعویٰ



## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

کیا، جو شیعہ اسماعیلیہ کہلائے۔ شیعہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ میں سب سے اہم مسئلہ اور بحث حضرت اسماعیل کی وفات کے ان کے والد حضرت جعفر صادق کی حیات میں ہونے کے حوالے سے ہے۔ اگر اس بات کو تسلیم کیا جائے کہ حضرت اسماعیل کی وفات ان کے والد کی حیات میں ہوئی ہے تو پھر حضرت اسماعیل کی امامت کو ثابت کرنا مشکل ہے اور اگر حضرت اسماعیل کی وفات اپنے والد کی وفات کے بعد ہونا ثابت ہو جائے تو پھر اسماعیل کی امامت کے دلائل کا تقابل ان کے چھوٹے بھائی حضرت موسیٰ کاظم کی امامت کے دلائل سے کیا جاسکتا ہے تاکہ ان دونوں بھائیوں میں اپنے والد کے صحیح جانشین کی تشخیص ہو سکے۔ موجودہ اسماعیلی حضرات اسماعیل کی موت حضرت جعفر صادق کی رحلت کے دس سال بعد ہونے کے قائل ہیں۔ اگر حضرت اسماعیل اپنے والد کی رحلت کے بعد حیات رہے تو اس صورت میں جعفر صادق کی طرف سے نص امامت حضرت محمد بن اسماعیل کیلئے ثابت کرنا مشکل ہوگا۔ اس طرح تو حضرت اسماعیل اپنے والد حضرت جعفر صادق کے قائم مقام بن جائیں گے کیونکہ آپ اپنے والد کی موت کے بعد بھی زندہ تھے۔ آپ کو ہی اپنے والد کا قائم مقام امام بننا ہے تو لازمی طور پر حضرت جعفر صادق اپنے قائم مقام (یعنی اپنے بیٹے حضرت اسماعیل) پر نص کریں گے نہ کہ حضرت اسماعیل کے قائم مقام (یعنی اپنے پوتے حضرت محمد) پر نص کریں گے۔ البتہ قدیم اسماعیلی حضرت اسماعیل کی رحلت حضرت جعفر صادق کی حیات میں ہونے کے قائل تھے۔ اس لئے حضرت جعفر صادق کی طرف سے نص امامت حضرت محمد بن اسماعیل پر ہونے کے قائل نظر آتے ہیں۔ بعض اسماعیلی مورخین کا یہ کہنا ہے کہ حضرت اسماعیل کا انتقال اپنے والد



ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

کی حیات میں ہوا تھا، لیکن چونکہ والد نے ان پر نص امامت کی تھی۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ نص ان کی اولاد میں باقی رہی۔ جیسا کہ موسیٰ پیغمبر نے ہارون پر نص کی تھی، لیکن ہارون خود موسیٰ کی حیات میں انتقال فرما گئے تھے۔ اسی طرح اسماعیل بن جعفر منصوص امام تھے لیکن والد کی حیات میں انتقال فرما گئے اور انہوں نے رحلت سے پہلے اپنے بیٹے محمد پر نص امامت کی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت اسماعیل کی تاریخ وفات میں مورخین میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ شیخ دیدار علی آپ کی تاریخ وفات ۱۵۸ھ لکھتے ہیں۔ جبکہ ڈاکٹر زاہد علی اپنی مشہور کتاب ”تاریخ فاطمین مصر“ میں حضرت اسماعیل کی تاریخ وفات ۱۳۳ھ لکھتے ہیں۔



• بہر حال اکثر قدیم مواد یہی بتاتا ہے کہ حضرت اسماعیل کی وفات اپنے والد کی حیات میں ہوئی تھی۔ اس کی تائید یوں بھی ہوتی ہے کہ محمد بن اسماعیل کو ان کے دادا حضرت جعفر صادق نے چھپایا تھا یقیناً یہ کام باپ کی عدم موجودگی میں دادا ہی کر سکتا ہے لیکن دوسری طرف ایک اشکال پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ کہا گیا کہ حضرت اسماعیل نے اپنے فرزند حضرت محمد پر نص امامت کی تھی لیکن یہ کیسے ممکن ہے جبکہ قائم امام حضرت جعفر صادق خود موجود ہو۔ قائم کی موجودگی میں حضرت اسماعیل کس طرح اپنے بیٹے کی امامت کا اعلان کر سکتا ہے۔ پیغمبر ہارون اور موسیٰ کی دلیل بھی اس کو ثابت کرنے میں کافی نہیں ہے کیونکہ جب حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون پر نص پیغمبری کی تھی تو اس وقت حضرت موسیٰ خود (قائم) پیغمبر تھے۔ جبکہ

۱۔ جسے انہوں نے مذہب اسماعیلیہ کو ترک کرنے سے پہلے تحریر کیا ہے اس لئے کافی مستند کتاب سمجھی جاتی ہے، جبکہ مذہب اسماعیلیہ کے ترک کرنے بعد والی ان کی تحریرات میں کافی مسلکی ہدایت پائی جاتی ہے۔ یاد رہے کہ ڈاکٹر زاہد علی نے اسماعیلی بوری مذہب کو ترک کر کے مذہب اہل سنت کو اختیار کیا تھا،

## اسمہ اشاعری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

حضرت اسماعیل کے انتقال کے وقت حضرت جعفر صادق خود قائم امام کے طور پر موجود تھے تو پھر حضرت اسماعیل کی نص امامت اپنے فرزند حضرت محمد بن اسماعیل کے لئے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی دلیل سے ثابت کرنا کافی مشکل ہے لیکن اگر حضرت اسماعیل کی رحلت کی تاریخ شیخ دیدار علی کی صحیح مان لی جائے تو مشکل یہ پیش آتی ہے کہ حضرت جعفر صادق کے بعد امام حضرت اسماعیل حیات تھے تو پھر حضرت جعفر صادق کو اپنے پوتوں کو تقیہ میں بھیجنے کی کیا ضرورت تھی جبکہ آپ کے بعد ان کو امام ہی نہیں بننا تھا، کیونکہ آپ کو نص امامت اپنے سب سے بڑے بیٹے اسماعیل پر ہی کرنی تھی نہ کہ پوتوں پر۔ بہر حال حضرت جعفر صادق کے بعد آپ کے سب سے بڑے فرزند حضرت اسماعیل اور ان کے فرزند حضرت محمد کی امامت کو تاریخ کے بنیادی مواد کے تناظر میں سمجھنا بہت ضروری ہے۔ جب تک ان دونوں کی امامت کو نہ سمجھا جائے، مذہب اسماعیلیہ کو سمجھنا محال اور مشکل ہے۔



غرض اسماعیل کے بعد محمد بن اسماعیل، اسماعیلیوں کے ساتویں امام قرار پاتے ہیں۔ آپ اپنے والد کی رحلت کے وقت فرہاد دفتری کے مطابق تقریباً ۲۶ سال کے تھے، اور اپنے چچا حضرت موسیٰ کاظم سے تقریباً آٹھ سال بڑے تھے۔ فرہاد دفتری آپ کی زندگی کے بارے میں یوں بیان کرتے ہیں:

”آپ اپنے چچا عبداللہ انصاری کی وفات کے بعد فرقہ مبارکیہ کے امام اور جعفر صادق کے خاندان کے سب سے بڑے رکن تھے۔ چنانچہ آل علی کی فاطمی شاخ میں سب سے مقدم ہونے کے ناطے آپ کافی عزت احترام کے مالک تھے۔ تاہم امام الصادق کے پیروکاروں کی اکثریت نے جب موسیٰ کاظم کی امامت کو تسلیم کیا تو آپ

ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

کی حیثیت اپنے وطن مالوف جاز میں غیر محفوظ ہوئی، جہاں آپ کے چچا اور اصلی حریف موسیٰ کاظم بھی مقیم تھے۔ امام الصادق کی وفات کے فوراً بعد غالباً اسی زمانے میں محمد (ابن اسماعیل) مدینہ سے مشرق کی جانب روانہ ہوئے اور روپوشی اختیار کی، جس کی وجہ سے آپ مکتوم یعنی مستور کے لقب سے ملقب ہوئے۔ اس کے نتیجے میں آپ عباسیوں کے ظلم و ستم سے محفوظ رہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس کے نتیجے میں قدیم اسماعیلی تحریک میں دور ستر کا آغاز ہوتا ہے، جو فاطمی خلافت کے قیام کے ساتھ اختتام پذیر ہوتا ہے۔ (۱۴)



غرض اسماعیل کی طرح ان کے بیٹے حضرت محمد بن اسماعیل کے بارے میں ۳۳۷ھ لے کر ۷۰۰ھ تقریباً ستائیس سال تک کسی کو معلوم نہیں ہوا اور نہ ہی کبھی آپ نے اپنی امامت کا اظہار کیا، اور نہ ہی کسی طرح کا فرمان جاری کیا جس میں آپ نے امامت کا دعویٰ کیا ہو۔ کہا جاتا ہے کہ محمد اپنے بھائی کے ساتھ کوفہ میں مقیم ہوئے تھے اور وہی پر آپ کے ہاں ایک فرزند پیدا ہوا۔ جس کا نام آپ نے عبداللہ رکھا۔ بیٹے کی پیدائش کے بعد محمد اپنے بھائی اور بیٹے کے ساتھ رہے (فارس) چلے گئے۔ پھر والی رے کے مشورے سے قلعہ نہاوند سے ہوتے ہوئے فرغانہ (روس) میں رہائش پذیر ہوئے۔ عیون الاخبار کے مطابق آپ وہی پر دوسری صدی کے اواخر میں متوفی ہوئے ہیں۔ فاطمی ائمہ کے دور میں ان کی نغش کو قہرہ لے جا کر دفن کیا گیا۔ جبکہ کچھ روایات کے مطابق آپ واپس سلمیہ (شام) تشریف لے گئے اور وہی پر ۸۳۷ھ میں انتقال فرما گئے۔ ”بہر حال دوسری صدی کے اواخر میں مذہب اسماعیلیہ تاریخ کے منظر نامے میں نمودار ہوا تو شیعوں کی ایک قلیل تعداد ایسی بھی تھی



ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

جو حضرت محمد بن اسماعیل سے آگے بھی امامت کو جاری و ساری سمجھتی تھی۔ تسلسل امامت کا عقیدہ رکھنے والا یہ گروہ خفیہ طور پر فرقہ کی شکل اس وقت اختیار کر گیا، جب محمد بن اسماعیل اپنے فرزند عبداللہ کو ۱۹۷ھ میں اپنا قائم مقام بنا چکے تھے۔ عبداللہ بن محمد نے ۲۱۲ھ یعنی اپنی وفات سے قبل اپنے فرزند احمد کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ آپ کے دور امامت میں اسماعیلی داعیوں نے بصرہ میں ایک سوسائٹی قائم کی جو اخوان الصفا کے نام سے مشہور ہوئی، ان داعیوں نے ایک کتاب لکھی جو اخوان الصفا کے نام سے آج بھی موجود ہے۔ اس کتاب میں باون رسالے ہیں۔ چونکہ حضرت احمد بن عبداللہ کے دور میں یہ کتاب تالیف کی گئی ہے اس لئے اس کتاب کو آپ ہی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ جبکہ بعض مورخین اور محققین کے مطابق رسائل اخوان الصفا کے لکھنے والے حضرت تقی محمد ہیں۔ حضرت احمد بن عبداللہ کے بعد آپ کے فرزند حسین آپ کے جانشین بنے اور ان کے بعد ان کے فرزند عبداللہ (علی) جو سعید کے نام سے بھی موسوم تھے، آپ کے جانشین بنے۔ یہی سعید بعد میں عبید اللہ المہدی کے نام سے معروف ہوئے۔ عبید اللہ ۲۵۹ یا ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اور رجب ۲۶۸ھ کے آس پاس آپ کے والد کا انتقال ہوا تو اس وقت آپ کی عمر آٹھ برس کی تھی۔ (۱۵)



حضرت عبداللہ (سعید) شیعہ اسماعیلیہ کے گیارہویں امام ہے۔ آپ کا لقب مہدی بتایا جاتا ہے۔ حضرت امام مہدی کا قیام اور ظہور اسلام کا ایک عمومی نظریہ ہے لیکن حضرت مہدی کے مصداق پر مسلمانوں کے آپس میں کافی اختلاف

۱۔ بعض مورخین نے عبداللہ کو بھی عبید اللہ لکھا ہے۔

## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

پایا جاتا ہے اور یہ اختلاف شیعہ اسماعیلی اور اثنا عشری کے آپس میں بھی پایا جاتا ہے۔ اول الذکر حضرت عبداللہ کو ہی امام مہدی تصور کرتے ہیں اور مغرب میں آپ کی حکومت کو ہی ظہور مہدی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔ بہر حال آپ دور ستر کے آخری اور دور اظہار کے پہلے امام ہیں۔ آپ اپنے والد کی ۲۸۶ھ میں وفات کے بعد ۸ سال کی عمر میں امامت کے عظیم منصب پر فائز ہوئے۔ یوں ۲۶۸ھ سے ۳۲۲ھ تک تقریباً ۵۴ سال حکمران اعلیٰ رہے جبکہ اعلان دور اظہار کے بعد ۲۹۷ھ سے ۳۲۲ھ تک تقریباً ۲۵ سال آپ حکمران اعلیٰ کے علاوہ امامت کے منصب پر بھی فائز رہے۔ آپ پہلے امام ہیں جنہوں نے ائمہ کے سلسلہ نسب کا باضابطہ اعلان کیا۔ اپنے اور اپنے آباء کے نسب کو حضرت علی کی نسل سے قرار دیا۔



یاد رہے کہ داعی ابو عبداللہ الشیبیؒ کی کاوشوں سے مذہب تشیع مغرب میں متعارف ہوا۔ ”(عبداللہ الشیبیؒ) ۲۸۰ھ میں مغرب میں پہنچے اور اپنی انتھک کوششوں اور سخت ترین جاں فشانیوں سے ان کے دلوں میں پھر اہل بیت کی محبت تازہ کردی اور قوم بربر کے ایک بڑے اور اہم قبیلے کتامہ کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ بہر حال بلاد مغرب کی فتح آپ ہی کی تبلیغ بلیغ کا نتیجہ ہے۔“ (۱۶)

عبداللہ الشیبیؒ تاریخ کی ایک عظیم شخصیت ہیں۔ جن کے کارناموں کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ شیعوں نے اس شخصیت کو فراموش کیا ہے۔ کیونکہ شیعہ

۱۔ عبداللہ المہدی اور عبداللہ الشیبیؒ دو الگ الگ شخصیات ہیں۔ عبداللہ المہدیؒ مذہب اسماعیلیہ کے گیارویں امام ہیں جبکہ عبداللہ الشیبیؒ داعی ہیں اور بلاد مغرب مذہب تشیع کو پہنچانے کا اصلی سرائیں کو جاتا ہے۔ یوں بلاد مغرب کے حقیقی اور اصلی بانی عبداللہ الشیبیؒ قرار پاتے ہیں۔ اکثر مورخین مغرب میں اسلامی مملکت کے بانی عبداللہ الشیبیؒ کے بجائے حضرت عبداللہ المہدیؒ کو تصور کرتے ہیں جو کہ غلط ہے۔



ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

مہدی کا مصداق بھی سمجھتے تھے۔ اس کی تائید میں جو دلائل ہمارے سامنے آتے ہیں، ان میں سے اہم ترین دلیل یہ ہے کہ ”(سجلماسہ کے) قید خانے سے نکالنے کے بعد ابو عبد اللہ امام مہدی علیہ السلام اور ان کے فرزند شہزادہ قائم کو گھوڑوں پر سوار کرا کر جلوس کی شکل میں اپنے خیمے کی طرف لائے۔ گھوڑوں کے دائیں بائیں قبیلہ کتامہ کے سردار پیدل چل رہے تھے اور عبد اللہ الشیعی ان کے آگے آگے تھے اور ان کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو جاری تھے اور وہ یہ اعلان کرتے جا رہے تھے۔ یہی میرے اور تمہارے دلی الامر ہیں اور تمہارے امام الزماں ہیں اور یہی تمہارے مہدی ہیں، جن کی طرف میں تم کو دعوت دیتا تھا۔ اللہ عز وجل نے ان کے بارے میں اپنا وعدہ پورا کیا اور ان کے طرفداروں اور ان کی افواج کی مدد کی اور یہی تمہارے حکم کے مالک ہیں۔ (۱۷)



مذکورہ بحث میں بالکل واضح الفاظ میں بیان کیا گیا کہ عبد اللہ الشیعی عبد اللہ المہدی کو ہی امام زماں اور مہدی موعود سمجھتے تھے لیکن اس بیان کو صرف صاحب افتتاح الدعوة نے ہی درج کیا ہے۔ بقیہ مورخین نے اسی سے ہی نقل کیا۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر زاہد علی نے بھی اس کو افتتاح الدعوة سے لکھا ہے لیکن دوسری طرف خود عبد اللہ المہدی کے ہاتھوں عبد اللہ الشیعی کا قتل ایک ایسا معمہ ہے، جس کے پس منظر پر عمیق تحقیق کی ضرورت ہے۔ اسماعیلیوں کے نزدیک عبد اللہ الشیعی کے قتل کی بنیادی وجہ مالی اختیارات کا مسئلہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ عبد اللہ المہدی کی بحیثیت امام ظہور ہونے کے بعد عبد اللہ الشیعی اور ان کے بھائی عباس ان سے حسد کرنے لگے۔ جس کی وجہ سے عبد اللہ المہدی نے ان کو قتل کروادیا لیکن ایسا ہونا

ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

تاریخی اور عقلی اعتبار سے صحیح نہیں لگتا ہے، کیونکہ اکثر مورخین کے مطابق دونوں بھائیوں نے عبداللہ المہدی کی معرفت سے سرشار ہو کر ہی بلاد مغرب کو فتح کیا تھا اور مختلف قوموں اور والی سبکداس سے جنگ کر کے ان کو مغرب میں لائے اور پوری حکومت ان کے حوالہ کی۔ ساتھ ہی پوری جائداد اور تحفے تحائف جو ان بھائیوں کو دوران جنگ ملے تھے، ان سب کو انہوں نے عبداللہ المہدی کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ یہ تمام باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ عبداللہ الشیبی عبداللہ المہدی سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ تاریخی حقائق کے تناظر میں دیکھا جائے تو عبداللہ المہدی کے ہاتھوں ابو عبداللہ الشیبی کے قتل کے اسباب وہ نہیں ہیں، جو بیان کئے جاتے ہیں، بلکہ ابو عبداللہ الشیبی شروع ہی سے عبداللہ المہدی کی امامت کے قائل نہیں تھے اور نہ ہی شروع میں عبداللہ المہدی نے ایسا کوئی اعلان فرمایا تھا، جس سے آپ کی امامت ظاہر ہوتی ہو۔ آپ نے مغرب میں تشریف لانے کے بعد اعلان امامت کیا ہے لہذا ممکن ہے کہ جیسے ہی عبداللہ المہدی نے اپنی امامت کا اعلان کیا تو ابو عبداللہ الشیبی نے اس کی مخالفت کی ہو اور اسی مخالفت کی وجہ سے ان کا قتل ہوا ہو۔ اگر ابو عبداللہ الشیبی، عبداللہ المہدی کو بطور امام ہی مغرب لائے ہوتے تو پھر حسد کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کیونکہ حسد کرنے کے جو اسباب بتائے جاتے ہیں، وہ تو عبداللہ المہدی کی خدمت میں پہلے ہی پیش کر چکے تھے۔ جس کا ذکر ہوا ہے۔ علاوہ ازیں عبداللہ المہدی ذاتی رنجشوں اور مخالفتوں کی بناء پر کبھی بھی عبداللہ الشیبی جیسی عظیم شخصیت کے قتل کا حکم صادر نہیں فرماتے، کیونکہ وہ ان کے اپنے قریبی ساتھیوں میں سے تھے اور اپنے زمانے کے ایک عظیم عالم دین اور داعی تھے۔ اتنی بڑی



## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

شخصیت کے قتل کا حکم یقیناً امامت کے انکار پر ہی دیا جاسکتا ہے۔ عبد اللہ الشیعی کی حیات کا عین جائزہ لیا جائے تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انہوں نے عبد اللہ المہدی کو امام الوقت کی حیثیت سے نہیں بلکہ صرف اولاد علی ہونے کی بناء پر تحریک کی سرپرستی کرنے کے لئے بلایا تھا۔ اس بات کی تائید خود عبد اللہ الشیعی کی سیرت میں بھی ملتی ہے۔ ”۶۲ جب ۲۹۶ھ/۳۱ مارچ ۹۰۹ء بروز جمعہ رقادہ اور قیروان کی مساجد کے خطیبوں کو حکم دیا اور دوسرے شہروں میں لکھ بھیجا کہ خطبے میں محمد ﷺ اور آپ کی آل اور امیر المؤمنین علی بن ابی طالب حسن، حسین اور فاطمہ الزہرا پر صلوات بھیجیں اور شیعہ طریقے کے مطابق اذان میں جی علی خیر العمل کے الفاظ داخل کئے جائیں اور نئے سکے ڈھالنے کا حکم دیا لیکن ان پر کسی کا نام کندہ نہیں کرایا۔ صرف ایک بلغت حجة الله اور دوسری طرف تفرق اعداء الله لکھوایا اور دوسرے سکے (جس کا نام سیدیہ تھا) پر الحمد رب العالمین لکھوایا۔“ (۱۸) اگر عبد اللہ الشیعی عبد اللہ المہدی کو امام زمانہ تصور کرتے تو پھر آپ مفتوحہ علاقوں میں خطبوں میں امام زمانہ کے نام پر صلوات بھجواتے۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ المہدی کے مغرب میں تشریف لانے سے پہلے بھی عبد اللہ الشیعی کی حیات میں ایسا کوئی عمل سامنے نہیں آتا ہے، جو یہ ظاہر کرے کہ وہ عبد اللہ المہدی کو امام زمانہ مانتے تھے۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ بلاد مغرب کے فاتح عبد اللہ الشیعی اور فاطمین مصر کے پہلے امام حضرت عبد اللہ المہدی میں عقیدہ امامت پر اختلاف تھا۔ بقول اسماعیلی مورخین عبد اللہ الشیعی مذہب اسماعیلیہ کو ترک کر کے دوبارہ اثنا عشریہ مذہب میں گئے تھے۔ صورت حال کچھ بھی ہو، بلاد مغرب میں مذہب تشیع کے تروج اور اس کے بانی ایک شیعہ



ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

اثنا عشری عالم قرار پاتے ہیں۔ اسی طرح جس وقت صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں سلطنت مصر کو ختم کیا جا رہا تھا، اس وقت بھی مصر میں سرکاری مذہب اثنا عشریہ تھا۔ بقول ڈاکٹر عزیز اللہ نجیب ایسا سب کچھ وزیر کتیف کی وجہ سے ہوا تھا، جو اثنا عشری تھا۔

الغرض حضرت عبداللہ المہدی نے اپنے تدبیر اور حکمت عملی سے ان تمام فتنوں کو بادیا، جنہوں نے ان کی امامت کو چیلنج کیا تھا۔ یاد رہے کہ ابو عبداللہ الشیعی کے قتل کے بعد حضرت عبداللہ المہدی کے خلاف بہت سی بغاوتیں ہوئیں ہیں، جنہیں آپ نے حسن تدبیر سے فرو کیا ہے۔ حضرت عبداللہ المہدی کی امامت کے اعلان کے ساتھ دولت فاطمیہ کا باضابطہ انعقاد ہوتا ہے اور یہیں سے (بعض مورخین کے مطابق) آپ دولت فاطمیہ کے بانی قرار پاتے ہیں۔ آپ کے بعد آپ کے نائبین کو مورخین خلفاء فاطمیہ لکھتے ہیں لیکن اسماعیلیہ نظریے کے مطابق آپ کے نائبین سب کے سب دور اظہار کے ائمہ ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ ابو القاسم محمد القائم بامر اللہ، ابو طاہر المنصور باللہ، ابو تیمم المعز لدین اللہ، ابو منصور زرار العزیز باللہ، ابو الحسین الحاکم بامر اللہ، ابو معد علی الظاہر لاعز دین اللہ، ابو تیمم معد المستنصر باللہ، ابو القاسم احمد المستعلی باللہ، ابو علی منصور الامر باحکام اللہ، ہیں۔ ان ائمہ کا دور ۲۹۷ھ سے شروع ہو کر ۴۹۵ھ تک کل تقریباً دو سو سال کا عرصہ ہوتا ہے۔ ان ائمہ کی تفصیل کے لئے ”تاریخ ائمہ اسماعیلیہ“ اور ”تاریخ فاطمیہ مصر“ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔ یہاں پر صرف ان ائمہ کے بارے میں قدرے تفصیل سے بحث

۱۔ یہاں سے زاریہ اور مستغالیہ تقسیم ہوتے ہیں۔



ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

پیش کی جا رہی ہے، جن کی امامت پر شیعیت میں اختلاف پیدا ہوا ہے۔

(3/3) حضرت امام حاکم کی امامت

شیعہ اسماعیلیہ کے نظریہ امامت کو پیش نظر رکھ کر دور اظہار کے ائمہ کی امامت کا جائزہ لیا جائے تو نہ صرف امام کی حیثیت اور مقام میں اختلاف پایا جاتا ہے بلکہ بعض ائمہ کی امامت پر بھی اختلاف موجود ہے۔ ہم دور اظہار کے تمام ائمہ کی سیرت کا تفصیلی جائزہ نہیں لیں گے کیونکہ یہ ہمارے موضوع کا حصہ نہیں ہے۔ صرف ان ائمہ پر گفتگو کو محدود کریں گے، جن کی امامت پر مذہب اسماعیلیہ اندر کے تنازع ہوا، اور نتیجتاً اسماعیلیہ مذہب امامت کے موضوع پر مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئی۔ اگر ائمہ مصر کا جائزہ لیا جائے تو حضرت حاکم کی امامت اس حوالے سے کافی اہم ہے، جن کی امامت مذہب اسماعیلیہ کی تبلیغ اور ترویج کے حوالے سے کامیاب اور مستند سمجھی جاتی ہے تو دوسری طرف ان کے معیار امامت کی تشکیل پر اختلاف کرتے ہوئے اسماعیلیوں کا ایک گروہ نے اپنا الگ تصور امامت پیش کیا۔ جنہیں فرقہ دروزیہ کہا جاتا ہے۔ ”حضرت امام حاکم کی امامت کی ابتداء آپ کے والد کی رحلت کے ساتھ ہی ۳۸۶ھ بمطابق ۹۹۶ء کو ہوئی ہے۔ اس وقت آپ کی عمر صرف ساڑھے گیارہ سال کے لگ بھگ تھی۔“ (۱۹) انہوں نے اپنی امامت کے دور میں سب سے زیادہ توجہ مذہبی ہم آہنگی پیدا کرنے میں دی۔ اس سلسلے میں آپ نے متعدد اقدامات کئے۔ ان اقدامات کا اندازہ آپ کے اس فرمان سے لگایا جاسکتا ہے جس کو آپ نے ۳۹۹ھ میں جاری کیا تھا: ”اما بعد امیر المؤمنین تمہارے رب و اللہ تعالیٰ کی روشن کتاب (قرآن) کی آیات تلاوت کرتے ہیں۔ دین کے





## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

معاملے میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت اور گمراہی واضح ہو چکی ہے۔ پس جو شخص کفر بات سے منکر ہوا اور اللہ پر ایمان لایا ہو۔ تو اس نے بیشک مضبوط رسی پکڑ لی ہے، جو ٹوٹنے والی نہیں ہے اور اللہ سنتا ہے اور جانتا ہے۔ کل کا دن عافیت سے گزر گیا اور آج کا دن اپنی ضروریات کے ساتھ آگیا۔ اے گروہ مسلمانان! ہم لوگ امام ہیں اور تم لوگ امت ہو، بیشک تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ پس بھائیوں میں میل کرادو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ امید کی جاتی ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا، جو شخص توحید و رسالت کا اقرار کرے اور دو شخصوں میں نفاق نہ ڈالے وہ سب اس اخوت اسلامی میں داخل ہیں۔ اس کے ذریعے سے جسے اللہ کو بچانا ہو اور جسے روکنا ہو اسے تمام حرام چیزوں، خون، مال اور محرمات عورت سے روکا۔ صلاحیت اور اصلاح حق و عمدہ چیز ہے، فساد اور فتنہ نازیبا امر ہے۔ گذشتہ باتوں کا تذکرہ نہ کیا جائے اور زمانہ مافیہا سے اعراض کر کے اس کا ذکر ترک کر دیا جائے اور جو اس سے پیشتر گزر چکا، اسے پیش نظر نہ رکھا جائے۔ ان امور اور واقعات سے جو زمانہ سابقہ میں گزر گئے علی الخصوص ہمارے آباء ائمہ مہتدین کے عہد حکومت کے تذکرے سے۔ اللہ تعالیٰ کا سلام ان سب پر ہے۔ وہ کون ہیں کہ مہدی باللہ، قائم باللہ، منصور باللہ، اور معزز باللہ، وغیرہ ہیں اور وہ سب راہ راست پر تھے۔ مہدیہ، منصورہ اور قیروان کا حال ظاہر ہے، جو نہ ان لوگوں سے پوشیدہ ہے اور نہ سر بستہ راز ہے۔ روزہ دار اپنے اپنے مذہب کے مطابق روزہ رکھیں اور افطار کریں۔ کوئی شخص کسی شخص سے خواہ روزہ دار ہو یا افطار کر رہا ہے، تعرض نہ کرے۔ جو نماز پنجگانہ ادا کرتے ہیں، کرتے رہیں۔ نماز چاشت اور نماز تراویح سے انہیں کوئی منع نہیں



## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

کرے اور نہ اس سے روکے۔ نماز جنازہ پر پانچ تکبیریں کہنے والے پانچ تکبیریں کہیں اور چار تکبیریں کہنے والے بھی چار تکبیروں کے کہنے سے منع نہ کئے جائیں۔

موزن اذان میں جی علی خیر العمل پکاریں اور جو شخص اذان میں یہ کلمہ نہ کہے، وہ ستایا نہ جائے۔ گزشتہ اصحاب کو گالی نہ دی جائے اور نہ ان کی تعریف کرنے والوں سے جیسا کہ ان کی تعریف کی جاتی ہے، مواخذہ نہ کیا جائے اور اس بارے میں جو ان کا مخالف ہو، وہ مخالف رہے۔ ہر مسلمان مجتہد دینی معاملات میں اپنے اجر کا ذمہ دار ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اسے جانا ہے اس کے پاس اس کی کتاب ہے اور اسی پر اس کا حساب مناسب ہے۔ اے بندگان خدا! آج کے دن سے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے تم عمل کرو اور کوئی مسلمان دوسرے مسلمان پر اس کے اعتقادات میں دست اندازی نہ کرے اور نہ کوئی اپنے دوست کے مذہبی خیالات سے متعارض ہو۔ ان سب باتوں کو امیر المومنین نے اس فرمان میں تحریر فرمایا ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا قول ہے اے ایمان والو! تم اپنی ذات کا خیال رکھو۔ جو شخص گمراہ ہو جائے وہ تمہیں کچھ ضرر نہیں پہنچائے گا جبکہ تم ہدایت پر ہو گے۔ تم سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے پس وہ تمہیں آگاہ کرے گا جو تم کر رہے ہو۔“ (۲۰)

حضرت حاکم نے جہاں تمام مسلمان فرقوں کو آزادی دینے کا اعلان کیا، وہیں پر مذہب اسماعیلیہ کیلئے بھی متعدد اقسامات کئے، جن میں سے ”دارالحکمتہ اور مجالس الحکمتہ“ جیسے اداروں کا قیام ہے۔ آپ نے اسماعیلی دعوت کی طرف بھی خاص توجہ دی۔ آپ کے دور میں اسماعیلی دعوت کا نظام عروج کو پہنچا تھا۔ دارالحکمتہ میں داعیوں کی خاص طرح کی تربیت ہوتی تھی۔ تربیت یافتہ داعیوں کو مختلف ملکوں



## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

میں دعوت کے لئے بھیجا جاتا تھا۔ آپ کے دور کے عظیم اور معروف ترین داعی حمید الدین الکرمانی ہیں۔<sup>۱</sup> ”آپ حجت العراقین سے مشہور ہوئے تھے۔ آپ کو ۴۰۸ھ میں امام حاکم نے قاہرہ بلوایا،“ (۲۱)

امام حاکم کے دور میں جہاں حمید الدین الکرمانی جیسے فقہاء پیدا ہوئے، وہیں پر آپ کے کچھ داعی ایسے بھی سامنے آئے، جنہوں نے نہ صرف آپ کے بارے میں غلوانہ نظریات کا پرچار کیا بلکہ آپ کو الہ کا درجہ بھی دیا۔ مذہب اسماعیلیہ سے تعلق رکھنے والے اکثر مورخین حضرت حاکم کی طرف منسوب اس طرح کے نظریات کو رد کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ خود ڈاکٹر زاہد علی نے داعی اور لیس کے قول کو نقل کیا ہے: ”خود حاکم نے کبھی خدائی کا دعویٰ نہیں کیا البتہ اس کے چند داعیوں نے ایسا غلو آمیز مذہب اختیار کیا کہ حاکم کو خدا کا خلیفہ ماننے کی بجائے خدا ماننے لگے۔“ (۲۲) ان داعیوں میں حسن بن حیدرہ فرغانی، حمزہ لیا دوزنی اور محمد بن اسماعیل درزی (جنہیں بعض مورخین نے درازی بھی لکھا ہے) زیادہ مشہور ہیں۔ مورخین کے مطابق آخر الذکر قتل کے خوف سے بھاگ کر مصر سے لبنان چلے گئے اور وہاں پر اپنے ان نظریات کا پرچار کیا اور بہت سوں کو ہم نظریہ کرنے میں کامیاب ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد ان سے ہی سے منسوب کر کے یہ لوگ فرقہ دروزیہ کے نام سے وجود میں آئے۔ سب سے پہلے ۴۰۸ھ میں اسی نے امام حاکم سے متعلق غلوانہ نظریات کا دعویٰ کیا تھا فرقہ دروزیہ اسی شخص کو اپنے فرقہ کا بانی تصور کرتے ہیں۔

۱۔ داعی حمید الدین الکرمانی نے مذہب اسماعیلیہ کی تردید کے لئے متعدد کتابیں تالیف کی ہیں۔ داعی اور لیس نے آپ کی کتب کی تعداد ۱۹ بتائی ہیں۔ جن میں سے ”راحة العقل“ اور ”المصابیح فی اثبات الامامہ“ سب سے زیادہ مشہور ہیں۔



## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

فرہاد دفتری نے مذہب دروزیہ کی وجہ تسمیہ کو یوں بیان کیا ہے۔ ”تقریباً ۱۰۴۱ھ / ۱۰۱۹ء میں حمزہ اور الدّرّزی بر ملا امام الحاکم کی الوہیت کا بھی اعلان کر رہے تھے۔ الدّرّزی کے نام کی مناسبت سے ہی بعد میں اس تحریک کے حامی ”دّرّزیہ“ یا ”دروز“ کے نام سے معروف ہو گئے اور دروزان کا عام لقب مقرر ہوا۔ نئی تحریک نے بڑی تیزی سے قاہرہ میں لوگوں کی توجہ حاصل کی، جس سے اس کے بانیوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور انہوں نے بڑی دیدہ دلیری سے چیف داعی اور دعوت کے دوسرے رہنماؤں سے ان کے کام میں شریک ہونے اور الحاکم کی الوہیت کو تسلیم کرنے کا تقاضا کیا۔ یہ اوّلین سخت اندرونی بحران تھا، جس کا فاطمی دعوت اور اس کی قیادت کو سامنا کرنا پڑا۔“ (۲۳) ایسے ان نظریات کے حاملین بعد فرقہ دروزیہ سے مشہور ہوئے۔



### (3/4) حضرت مستنصر باللہ کی امامت

حضرت حاکم کی رحلت کے بعد اسماعیلیوں کے سترہویں امام حضرت ابو محمد علی الظاہر (لا عزّٰل دین اللہ) منصب امامت پر فائز ہوئے اور تقریباً سولہ سال امامت کے بعد ۴۲۷ھ میں وفات پائی۔ ”حضرت امام مستنصر باللہ اپنے والد ماجد حضرت امام ظاہر کی وفات کے بعد سات سال کی عمر میں ۱۵ شعبان ۴۲۷ھ بمطابق ۱۴ جون ۱۰۳۶ء میں امامت و خلافت کی مسند پر براجمان ہوئے۔“ (۲۴) حضرت مستنصر کی امامت کے بارے میں تفصیلی ذکر مقالہ ہذا میں ممکن نہیں اور نہ ہی

۱۔ فرقہ دروزیہ حضرت حاکم کے بارے میں جو نظریات رکھتے ہیں، ان کی تفصیل کیلئے ڈاکٹر زاہد علی کی کتاب ”تاریخ فاطمین مصر“ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

یہ ہمارا اصل موضوع ہے۔ آپ نے دعوت کے نظام کو بالکل کمزور ہونے نہیں دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے دور میں چند عظیم شخصیتیں پیدا ہوئیں، جنہوں نے آپ کی امامت کو مستحکم کرنے میں اہم اور کلیدی کردار ادا کیا۔ ان شخصیتوں میں سب سے اہم نام الموندنی الدین الشیراز ہیں۔ انہوں نے دعوت کے نظام کو فعال اور مستحکم بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ فرہاد دفتری کے مطابق ان کو حضرت مستنصر باللہ نے ۴۵۰ھ میں داعی الدعاة (چیف داعی) کے عہدے سے نوازا۔ مذہب اسماعیلیہ کی ترویج اور تبلیغ کیلئے ان کے بہت سارے کارنامے ہیں۔ ان سب کا ذکر یہاں ناممکن ہے۔ بہر حال یہ مذہب اسماعیلیہ میں ایک عظیم اور کامیاب داعی کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کی تحریرات کو اسماعیلی مذہب میں سند حاصل ہے۔ ان کی تین کتابیں المجالس الموندیہ، سیرۃ المکویدیہ اور دیوان المکوید اب بھی مذہب اسماعیلیہ میں مشہور ہیں۔ ان کے بعد اسی دور کے سب سے زیادہ مشہور داعی پیر ناصر خسرو ہیں۔ یہ داعی برصغیر کے اسماعیلیوں کے ہاں خصوصاً پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں بہت زیادہ شہرت کے حامل ہیں۔ اس کی وجہ فرہاد دفتری یوں لکھتے ہیں: ”ناصر خسرو نے اکثر اپنی جلاوطنی کے زمانے میں ہی دعوت کو پورے بدخشان میں (جو جدید زمانے میں دریائے جیخون یا آمو دریا کے ذریعے افغانستان اور



۱۔ مذہب اسماعیلیہ کی کامیابی کا اصل راز دعوت کا ایک منظم نظام کا ہونا ہے۔ اسماعیلی اس منظم نظام کی وجہ سے ایک کامیاب کیونٹی کی حیثیت میں اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ ہمارے اندازے کے مطابق آج کی دنیا میں سب سے زیادہ منظم کیونٹی مذہب اسماعیلیہ زاریہ ہے۔

۲۔ اس سے مراد پاکستان کا ۲۰۰۸ء میں صوبائی حیثیت حاصل کرنے والا صوبہ ”گلگت بلتستان“ کے علاقے گلگت، سنٹر، ہنزہ، گولس، پنیال، لہسین اور صوبہ خیبر پختونخواں کا ضلع چترال ہیں۔

ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

تاجکستان کے درمیان تقسیم ہوا ہے) پھیلا دیا۔ بہر حال بدخشان کے اسماعیلی اور ہندوستان کے علاقے میں ان کی ذیلی جماعتیں جو اب ہنزہ اور پاکستان کے دوسرے شمالی علاقہ جات ۱ میں مقیم ہیں ناصر خسرو کو اپنی جماعتوں کا بانی سمجھتی ہے اور بطور احترام انہیں ”پیر شاہ سیدنا“ کے نام سے یاد کرتی ہیں۔“ (۲۵)

بہر حال پاکستان کے شمالی علاقہ جات موجودہ گوپش، پوئیاں، لیلیں، چترال اور دیگر علاقوں میں پیر ناصر خسرو کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہے۔ یہاں کے اسماعیلی اس داعی کو دیگر داعیوں کے مقابلے میں زیادہ تقدس اور احترام دیتے ہیں۔ سیدنا پیر ناصر خسرو یگانہ پنہنے کے بعد فراغت سے اسماعیلی مذہب کی تبلیغ و اشاعت میں مشغول ہو گئے تھے اور دعوت حق پر متعدد کتب لکھ کر اطراف و جوانب میں ارسال فرمایا کرتے تھے۔ آپ ہر سال دعوت پر ایک کتاب تصنیف کر کے دنیا کے دوسرے اطراف میں بھیجا کرتے تھے لیکن زمانے کے دست برد سے دوسرے داعیوں کی طرح آپ کی اکثر کتابیں بھی مفقود ہو گئیں اور جو بچیں ہیں، وہ یہ ہیں۔ ”دیوان الاشعار، زاد المسافرین، وجہ دین، جامع الحکمتین، خوان الاخوان، سفر نامہ، کشائش و رہائش، روشنائی نامہ اور شش فصل۔“ (۲۶)

حضرت مستنصر باللہ کے دور امامت میں سامنے آنے والی ایک اور عظیم و مشہور شخصیت حسن بن صباح کی ہے۔ یہ وہی شخصیت ہے، جنہوں نے حضرت نزار کو حضرت مستنصر کا قائم مقام ہونے کا دعویٰ کیا۔ اسی لئے اس کو فرقہ نزاریہ کا بانی

۱۔ فرہاد فزتری نے ہنزہ اور پاکستان کے دوسرے علاقے کہہ کر ایسا تاثر دیا ہے کہ ہنزہ پاکستان کے علاوہ کوئی اور علاقہ ہے۔ فزتری چونکہ ایرانی نژاد برطانیہ کے شہری ہیں، اس لئے وہ اس غلطی کا احساس نہیں کر پائے ہوں یا ممکن ہے کہ دنیا بالخصوص یورپ میں ہنزہ بہت زیادہ مشہور اور معروف ہے۔ اس لئے ہنزہ کا علیحدہ سے ذکر کیا ہو۔ ورنہ ہنزہ بھی شمالی علاقہ جات میں ہی شامل ہے اب اس علاقے کا سرکاری نام ”گلگت ملتان“ ہے۔



## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

بھی سمجھا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں مزید تفصیلات اپنے موقع پر بیان کی جائیں گی۔ حسن بن صباح کی طرح تاریخ فاطمیہ کی ایک عظیم شخصیت بدر الجہالی کی بھی ہے۔ مستنصر باللہ کی خلافت حبشی اور ترکی کی فوجوں کے نسلی جھگڑوں کی وجہ سے بہت زیادہ کمزور ہو چکی تھی۔ اس وقت آپ مستنصر باللہ کی مدد کیلئے آرمینہ سے مصر آئے تھے۔ جیسا کہ ڈاکٹر زاہد علی رقم طراز ہیں۔ ”۴۶۲ھ میں بدر الجہالی مصر میں داخل ہوا۔ مصر کی ترکی فوجوں کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ خلیفہ نے بدر الجہالی کو ان کی سرکوبی کے لئے بلایا ہے۔ تمام ترکی سرداروں نے اس کا دوستانہ استقبال کیا۔ بدر الجہالی نے بھی ان کی ایک رات دعوت کی لیکن دعوت کے مکان میں مخفی طور پر ان کے قتل کا انتظام بھی کیا۔ اپنی فوج کے سرداروں کو یہ ترغیب دی کہ جو شخص جس ترکی سردار کو قتل کرے گا، اس کو مقتول کی جائیداد انعام میں دی جائے گی۔ جب صبح ہوئی تو بدر الجہالی کے سامنے تمام ترکی سرداروں کے سر حاضر کئے گئے۔ ان کے قتل کے بعد بدر الجہالی نے مصر پر پورا قابو حاصل کر لیا۔ مستنصر نے ان کو بیش قیمت خلعوں سے سرفراز کیا اور سیف و قلم کی وزارت کا عہدہ دیا۔ تمام داعی اور قاضی ان کے ماتحت ہو گئے۔ ان کے خطابات میں ”وزیر الجیوش، کافل قضاۃ المسلمین اور ہادی دعاۃ المؤمنین کا اضافہ کیا گیا۔“ (۲۷) یوں وزیر بدر الجہالی اپنی کوشش اور محنت سے مصر کے حالات کو کسی قدر بحال کرنے میں کامیاب ہوئے اور حضرت مستنصر کی تائید کے ساتھ بطور وزیر اعظم تقریباً تیس سال ایک کامیاب حکومت کرنے کے بعد دنیا سے رخصت ہوئے۔ مذہب اسماعیلیہ کی ترویج کے لئے ان کے متعدد عظیم کارنامے تاریخ کے اوارق پر موجود ہیں۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے شہزادہ



ہے۔ انہر، ”جیو، اے اے“،

[illegible][illegible]



ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

علیہ السلام ۱۰ ربیع الاول ۴۳۷ھ / ۱۰۲۵ء کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام نزار اور لقب المصطفیٰ لدین اللہ تھا۔ آپ نص کے مطابق اپنے والد ماجد امام مستنصر باللہ کی وفات کے بعد ۱۸ ذی الحج ۴۳۷ھ / ۶ جنوری ۱۰۹۵ء کو امام ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً پچاس سال کی تھی۔“ (۲۸) حضرت نزار کی امامت کے بارے میں بہت سا تاریخی مواد بتاتا ہے کہ حضرت مستنصر نے ان پر نص امامت کی تھی لیکن کب اور کس موقع پر کی تھی، اس بارے میں مورخین تفصیلات بتانے سے قاصر ہیں۔ رائے محمد اقبال حضرت نزار پر نص امامت کے ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ ”حضرت امام مستنصر باللہ نے ساٹھ سال اور چار مہینے کی خلافت و امامت کے بعد ۱۸ ذی الحج ۴۳۷ھ میں زہر کے اثر سے وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۷ سال اور پانچ ماہ کی تھی۔ آپ نے وفات سے پہلے ہی اپنے بیٹے فرزند حضرت نزار علیہ السلام پر نص کر کے انھیں اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا۔“ (۲۹)



یوں بعض غیر نزاری اور تمام نزاری مورخین کے مطابق تقریباً واضح ہے کہ حضرت مستنصر باللہ نے اپنے سب سے بڑے بیٹے حضرت نزار پر نص امامت کی تھی لیکن داعی المطلق وزیر بدر الجمالی کے بیٹے شہزادہ افضل کی حضرت نزار سے مخالفت چلی آرہی تھی، جس کی وجہ سے وزیر افضل کی سازش ہی کی وجہ سے حضرت مستعلی کی امامت کا دعویٰ کیا گیا۔ ورنہ امامت مستعلی کیلئے نہیں تھی لیکن اس حوالے سے ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مستنصر باللہ نے حضرت نزار پر نص امامت کی تھی تو پھر وزیر افضل کو اس نص کے نہ ماننے کی صورت میں وزارت خاص

ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

کے عہدے سے معزول کیوں نہ کیا؟ حالانکہ مستنصر کی حیات میں ہی وزیر افضل حضرت نزار سے عداوت رکھتے تھے۔ ”کہا جاتا ہے کہ ایک روز نزار محل سے اس وقت باہر نکل رہا تھا جس وقت افضل سوار ہو کر باب الذہب کے راستے سے محل میں داخل ہو رہا تھا۔ اس جرات کو دیکھ کر نزار نے اس سے کہا۔ اے ارمنی الجنسی کتے اتر جا۔ اس دن سے افضل نزار کا دشمن ہو گیا۔ جب مستنصر نے وفات پائی تو اس کو نزار کی طرف خوف پیدا ہوا، کیونکہ نزار کی شخصیت بڑی تھی اور اس کے کئی مددگار تھے۔ اس لئے نزار کو حکومت سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں کامیاب بھی ہوا۔ (۳۰)



اسماعیلیہ نزاریہ نے حضرت نزار کی امامت پر کافی مستحکم دلائل پیش کئے ہیں تو دوسری طرف اسماعیلیہ مستعالیہ کے علماء نے بھی حضرت مستعلی کی امامت پر مختلف دلائل دیئے ہیں۔ مستعلی عالم ڈاکٹر زاہد علی نے اپنی کتب میں نزار کی امامت کے دلائل کو تفصیل سے لکھا ہے۔ اس حوالے سے سب سے اہم دلیل یوں پیش کرتے ہیں۔ حضرت مستنصر باللہ نے حضرت مستعلی کی امامت کی دعوت خود اپنی حیات میں دی تھی۔ حضرت مستنصر باللہ نے ایک دفعہ سنا کہ ان کے دونوں بیٹے نزار اور عبد اللہ امامت کیلئے جھگڑتے ہیں۔ اس نے ان سے کہا کہ تم ایسی چیز کیلئے نہ جھگڑو جو تمہیں ملنے والی نہیں۔ اپنی پیٹھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ امام کا مالک یہاں ہے، یعنی ابھی میرے صلب میں ہے۔ جب مستعلی کی ولادت ہوئی تو حضرت مستنصر باللہ نے تمام اہل دعوت کو اس کے آئندہ امام ہونے کی خوش خبری دی۔ یمن کے بڑے داعی الملک مکرم (صلحی) کو اس مضمون کا ایک خط بھیجا کہ

ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

”اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین کو ایک پاک بیٹا بخشا ہے۔ جس کے سبب سے امامت کو قوت حاصل ہوگی اور جس کی نسل میں اللہ تعالیٰ کا کلمہ قیامت تک باقی رہے گا۔ اس کی ولادت ماہ محرم ۲۶ھ میں ہوئی۔ پھر اسی مورخ کا بیان ہے کہ مستنصر کی وفات کے دوسرے دن یعنی ۱۸ ذی الحجہ کو مستعلی کی بیعت عمل میں آئی۔ اس وقت اس کی عمر ۲۱ سال تھی۔ بیعت کرنے والوں میں آپ سے پہلے اس کے دو بھائی نزار اور عبد اللہ تھے۔ مگر ان دونوں نے وفات کی۔ حضرت مستعلی کی امامت کے اعلان کے بعد اس کی توثیق بھی مختلف اوقات میں مذہب کے خاص لوگوں سے کرائی گئی۔ وزیر افضل نے ان شہادتوں کو جمع کیا، جن سے حضرت مستعلی کی امامت پر نص ثابت ہو جاتی ہو۔ ابن خلدون کے مطابق مستعلی کی پھوپھی نے یہ گواہی دی تھی کہ حضرت مستنصر نے مصر کے قاضی اور داعی کے سامنے حضرت مستعلی پر نص امامت کی تھی لیکن بعض مورخین اس شہادت کو وزیر افضل کی مکاری قرار دیتے ہیں۔



بہر حال صورت حال کچھ بھی ہو نزار اور مستعلی دونوں نے امامت کا دعویٰ کیا، چونکہ وزیر افضل اپنے وقت کے مذہب اسماعیلیہ کی ایک مستند شخصیت تھے، اس لئے وہ کامیاب رہے اور حضرت مستنصر باللہ کے سب سے چھوٹے بیٹے حضرت قاسم کو مستعلی باللہ کا لقب دے کر منصب امامت پر فائز کیا۔ حضرت نزار نے صورت حال کی نزاکت کے مطابق وہاں سے ہجرت کرنے کو ہی بہتر سمجھا اور اسکندریہ تشریف لے گئے اور وہاں پر اپنی امامت کا اعلان کیا لیکن وزیر افضل نے ان کا پیچھا کرتے ہوئے اسکندریہ پر حملہ کیا۔ مجبوراً حضرت نزار کو مقاومت کرنی پڑی۔ جس کے نتیجے میں فرقہ مستعالیہ کے ہاتھوں حضرت نزار قتل ہوئے۔ نزاریوں

ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾  
 نے اپنے امام کا بدلہ بعد کی ایک لڑائی میں مستعالیہ کے امام حضرت آمر کے قتل کی صورت میں لیا۔ جس کا مختصر ذکر بعد میں آئے گا۔

### (3/6) نزاری سلطنت

مستعلیوں کے ہاتھوں حضرت نزار کے قتل کے بعد حضرت نزار کے ساتھیوں نے آپ کی تحریک جاری و ساری رکھی۔ حسن بن علی الصباح الحمیری (حسن صباح) ایک معروف داعی تھے۔ انہیں حضرت نزار کی امامت کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے مصر بدر کیا گیا تھا۔ انہوں نے مصر بدر ہونے کے بعد سلطنت فاطمیہ کے طرز پر شمالی ایران (قلعہ الموت وکسر وغیرہ) میں ایک باقاعدہ حکومت قائم کی۔ یہ سلطنت تقریباً ۱۶۱ سال سے زیادہ قائم رہی، جس کے بعد سقوط بغداد کے ساتھ ہی مغلوں کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا۔ ۲



بہر حال حسن بن صباح نے ۳۵ سال ایک کامیاب حکومت کی اور حضرت نزار کی امامت کے لئے راہ ہموار کی۔ حسن بن صباح کی وفات کے بعد ۵۱۸ھ میں کیا بزرگ امید، حسن صباح کے جانشین قرار پاتے ہیں۔ ۵۳۲ھ میں ان کا انتقال ہو جاتا ہے۔ محمد بن کیا بزرگ مورثی طور پر اپنے باپ کے جانشین بن کر ریاست اور

۱۔ حضرت نزار اور مستعلی کے گروہوں کے درمیان امامت کی صحیح تشکیل پر جتنے معرکے ہوئے ہیں، اس کی تفصیل ابن اثیر، ج ۱۰۔ ابن خلدون، ج ۳۔ تاریخ ائمہ اسماعیلیہ، ج ۲۔ تاریخ فاطمین مصر، ج ۱، میں دیکھی جاسکتی ہے۔  
 ۲۔ حسن بن صباح نے قلعہ الموت پر کس طرح قبضہ کیا اس کی تفصیل تاریخ فاطمین مصر کتاب کے فصل ۳۱ میں اور ابن اثیر، ج ۱۰ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

حکومت کا سربراہ قرار پاتے ہیں۔ دوسری طرف حالت ستر میں رہنے والے ائمہ میں سے حضرت مہدی کے فرزند حسن علیؑ ذکرہ اسلام ریاست کے سربراہ کے طور پر سامنے آ جاتے ہیں۔ یوں قلعہ الموت میں تین داعین کی حکومت کے بعد زاریوں کے ائمہ کی حکومت قائم ہو جاتی ہے۔ حضرت حسن علیؑ ذکرہ اسلام شروعات میں اپنے کو حسن صباح کے خلیفہ کے طور پر متعارف کرواتے ہیں لیکن بعد میں امامت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شخصیت اور سلسلہ نسب متنازع ہے۔ اکثر مورخین بالخصوص فرہاد دفتری ان کو حضرت مہدی کے فرزند سمجھتے ہوئے ان کا

ائمہ اسماعیلیہ کا سلسلہ نسب متنازع ہے کیونکہ ائمہ خفیہ زندگی بسر کرتے تھے۔ مستور رہنے کی وجہ سے قدیم مواخذ میں بھی ان ائمہ کے بارے میں صحیح تفصیلات نہیں ملتی ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی تاریخی حیثیت مورخین کی نظر میں متنازع ہو گئی ہے۔ یہاں تک کہ ائمہ مستورین کے شجرہ نسب میں بھی متعدد تنازعات مورخین نے درج کئے ہیں، جن کا تسلی بخش حل تاریخ کے تناظر میں تلاش کرنا ممکن نہیں ہے۔ ائمہ مستورین کے حوالے سے ان تنازعات کو ڈاکٹر زاہد علی کی کتاب تاریخ فاطمین مصر کے فصل ۶ میں تفصیلاً درج کیا گیا ہے۔ جن میں مصنف نے ائمہ مستورین کے شجرہ نسب درج کئے ہیں۔ علاوہ ازیں اسماعیلیہ نزاریہ اور مستعلیہ حضرت مستنصر باللہ تک ایک سلسلہ ائمہ کا قائل ہے لیکن اس کے باوجود ان کے درمیان ائمہ کے مصادیق میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ائمہ مستورین میں سے بھی کسی امام نے اپنے زمانے میں اپنی حیثیت کا پیمانہ کرانے کا بھی کوئی خفیہ انتظام نہیں کیا اور نہ ہی ان پر ہونے والے اعتراضات کو دور کرنے کا کوئی اقدام کیا۔ نتیجتاً اسماعیلی مذہب سے تعصب رکھنے والے مورخین نے ان تنازعات کو اور زیادہ تقویت دی۔ حالانکہ ائمہ کی نسبی حیثیت تاریخی اعتبار سے واضح ہونا امامت کی معرفت کیلئے لازمی ہے۔ اگر تاریخی اعتبار سے ائمہ کا سلسلہ نسب واضح نہیں ہوتا ہے تو پھر ان کی امامت کی تشریح بھی امت کے لئے دلیل کا باعث نہیں بن سکتی ہے۔ اسی مناسبت سے دیکھا جائے تو اسماعیلی ائمہ کی تاریخ حضرت عبداللہ المہدی سے پہلے کے ائمہ کے بارے میں کافی متنازع فیہ ہے۔ جیسے فرہاد دفتری کے مطابق جعفر بن منصور الہین نے فاطمی خلفاء کا جو نسب نامہ بیان کیا ہے، اس کے مطابق عبداللہ المہدی اپنے شجرہ نسب کو محمد بن اسماعیل کے بجائے محمد کے بھائی عبداللہ بن اسماعیل سے جوڑتے ہیں۔ نہ صرف ائمہ کے شجرہ نسب کو محمد کے بجائے عبداللہ بن اسماعیل تک لے جاتے ہیں بلکہ عبداللہ بن اسماعیل ہی کو صاحب الحق یا امام الصادق کا حقیقی جانشین قرار دیتے ہیں۔



## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

اصل نام قاہر لکھتے ہیں جبکہ مذہب اسماعیلیہ کے عقیدے کے مطابق قاہر ان کے باپ کا نام تھا۔ بہر حال ایران کے شمالی علاقوں میں قائم ہونے والی اس اسماعیلی نزاری ریاست کے آٹھویں اور آخریں جانشین رکن الدین بن جاتے ہیں۔ ان کے عہد امامت میں سقوط الموت واقع ہوا اور اسماعیلیوں کی سیاسی حکومت ختم ہوئی، جس کا ذکر فرہاد فتری یوں کرتے ہیں۔ ”بہر کیف شعبان ۶۵۴ھ / ستمبر ۱۲۵۶ء تک ہلاکو نے نزاری قوت کے مرکز پر حملہ کیا اور ایران میں موجود اصل مغل افواج کو الموت کے علاقے کا رخ کرنے کا حکم دیا۔ ۱۸ شوال ۶۵۴ھ / نومبر ۱۲۵۶ء میں ہلاکو نے ایک پہاڑی پر خیمے نصب کئے، جو میموں دز کے مقابل تھی، جہاں رکن الدین خورشاہہ مقیم تھے۔ گفت و شنید کے ایک آخری دور کی ناکامی اور چند شدید جھڑپوں کے بعد بالا آخر نزاری امام ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ ۲۹ شوال ۶۵۴ھ / ۱۹ نومبر ۱۲۵۶ء میں رکن الدین خورشاہہ نصیر الدین الطوسی، اپنے وزیر موسید الدین اور دوسرے نزاری عہدہ داروں کی معیت میں میمون دز سے نیچے اترے۔ چنانچہ ایران کی نزاری ریاست کی قسمت سر بہر ہو گئی۔“ (۳۱) سقوط الموت کے ساتھ مذہب نزاریہ کی نہ صرف سیاسی حکومت ختم ہوئی بلکہ ان کے ائمہ کو اپنی امامت کو ظاہری طور پر جاری رکھنا بھی ممکن نہیں رہا۔ اسماعیلی مورخین کے مطابق سقوط الموت کے بعد حضرت رکن الدین خورشاہہ کے فرزند خفیہ طور پر آذربائیجان کی طرف چلے گئے اور وہیں سے ائمہ اسماعیلیہ نے درویشوں، صوفیوں اور تجار کی شکل میں سلسلہ امامت کو آگے بڑھایا لیکن اسی دوران ائمہ کی غیبت اور ستر (تقیہ) میں رہنے کی وجہ سے نزاریت کافی حد تک مفقود رہی ہے۔ جس کی وجہ سے دنیا کے اکثر نزاریوں نے



لاہور میں تھے۔  
- اس میں درج ہے کہ ان کی تہذیب و  
اخلاق کے پڑاؤ کی قدر و قیمت ان کی تہذیب و  
اخلاق کے پڑاؤ کی قدر و قیمت ان کی تہذیب و



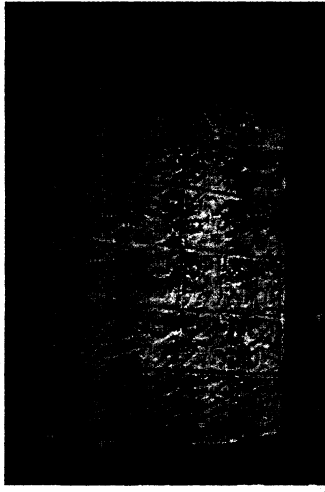
تہذیب و اخلاق کے پڑاؤ کی قدر و قیمت ان کی تہذیب و  
اخلاق کے پڑاؤ کی قدر و قیمت ان کی تہذیب و  
اخلاق کے پڑاؤ کی قدر و قیمت ان کی تہذیب و  
اخلاق کے پڑاؤ کی قدر و قیمت ان کی تہذیب و  
اخلاق کے پڑاؤ کی قدر و قیمت ان کی تہذیب و  
اخلاق کے پڑاؤ کی قدر و قیمت ان کی تہذیب و  
اخلاق کے پڑاؤ کی قدر و قیمت ان کی تہذیب و  
اخلاق کے پڑاؤ کی قدر و قیمت ان کی تہذیب و



۷۱۸  
- اس میں درج ہے کہ ان کی تہذیب و  
اخلاق کے پڑاؤ کی قدر و قیمت ان کی تہذیب و  
اخلاق کے پڑاؤ کی قدر و قیمت ان کی تہذیب و  
اخلاق کے پڑاؤ کی قدر و قیمت ان کی تہذیب و  
اخلاق کے پڑاؤ کی قدر و قیمت ان کی تہذیب و  
اخلاق کے پڑاؤ کی قدر و قیمت ان کی تہذیب و  
اخلاق کے پڑاؤ کی قدر و قیمت ان کی تہذیب و  
اخلاق کے پڑاؤ کی قدر و قیمت ان کی تہذیب و

۷۱۸  
- اس میں درج ہے کہ ان کی تہذیب و  
اخلاق کے پڑاؤ کی قدر و قیمت ان کی تہذیب و  
اخلاق کے پڑاؤ کی قدر و قیمت ان کی تہذیب و  
اخلاق کے پڑاؤ کی قدر و قیمت ان کی تہذیب و  
اخلاق کے پڑاؤ کی قدر و قیمت ان کی تہذیب و  
اخلاق کے پڑاؤ کی قدر و قیمت ان کی تہذیب و  
اخلاق کے پڑاؤ کی قدر و قیمت ان کی تہذیب و  
اخلاق کے پڑاؤ کی قدر و قیمت ان کی تہذیب و

## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾



کو بیان کرتا ہے۔ ان کتبوں کی ضبط شدہ تحریر سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ یہاں کے مکین کافی تہذیب یافتہ اور علم و ہنر سے بہت حد تک آشنا تھے۔ انجدران کے شروع میں ہی ایک محلہ اسماعیلیہ کے نام سے اب بھی موجود ہے۔ اس محلے کے موجودہ رہائشی سب کے سب اثنا عشری ہیں۔ شفوی معلومات

انجدران کے قبرستان میں موجود اس کتبہ میں تحریر سن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتبہ دوسری صدی ہجری کے اوائل کا ہے۔

کے مطابق اس محلہ میں شیعہ اسماعیلیہ رہائش پذیر تھے۔ مرور



زمانہ کے ساتھ ان کی اکثریت نے مذہب اثنا عشریہ کو قبول کیا ہے اور کچھ نے یہاں سے ہجرت کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس محلے کا رہائشی ایک درویش صفت شخص ”شاہ بیگ“ جو کچھ سال پہلے وفات پا چکے ہیں خود کو مذہب

ان کتبوں میں میت کا نام، عقیدہ، تاریخ ولادت و وفات اشعار میں تراشا گیا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انجدران شیعہ اثنا عشریوں کا مرکز تھا۔ عباسیوں کی غنیموں کی وجہ سے اسماعیلی شیعہ اسی مرکز میں سن ۹ ہجری میں آئے ہیں۔





## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾



پہاڑی نمشاہ ولیم انجیدان کے قبرستان کی ایک جھلک



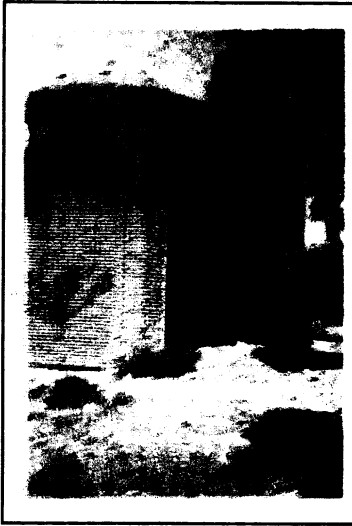
یہ امام بارگاہ انجیدان کے اسماعیلیہ گاؤں کا ہے۔ یہاں کے باسی اسماعیلی روایات کو برقرار رکھے ہوئے ہیں اور اپنے آپ کو اسماعیلی ہونے پر فخر بھی کرتے ہیں لیکن مسلکی اعتبار سے یہ سب شیعہ اثنا عشری مسلک کو اختیار کر چکے ہیں۔



اسماعیلیوں کے امام شاہ غریب کاروضہ مبارک، انجیدان



## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾



اسماعیلیت کے پیروکاروں میں سے قرار دیتے تھے۔ جن کی اولاد اب اس علاقے سے چلی گئی ہے۔ اکثر مصنفین (جن میں فرہاد دفتری اور ایوانف بھی شامل ہیں) کے مطابق تاریخ اسماعیلیت میں انجدران کا دور اہم اور سنہرا دور کہلایا جاتا ہے۔ ایوانوف نے تو اس دور کو ”دور احیائے انجدران“ کا نام دیا ہے۔

اسماعیلیہ فرقہ کے امام شاہ قلندر کا روضہ مبارک۔ انجدران



اگر تفصیل سے جائزہ لیا جائے تو انجدران کے اس سنہرے دور میں بھی ائمہ کی سیرت سے پورا استفادہ کرنے کا موقع اسماعیلیہ نزاریہ کو نہیں ملا ہے کیونکہ ائمہ اسماعیلیہ دور انجدران میں بھی مذہب اثنا عشری کے حدود میں صوفیوں کے بھیس میں رہ رہے تھے، جس کی وجہ سے اسماعیلی نزاریہ مذہب اثنا عشری کو

انجدران کے شیعہ اثنا عشریہ کا موجودہ مرکزی حسینہ۔ انجدران

ہی اپنا حقیقی اور اصل مذہب سمجھنے



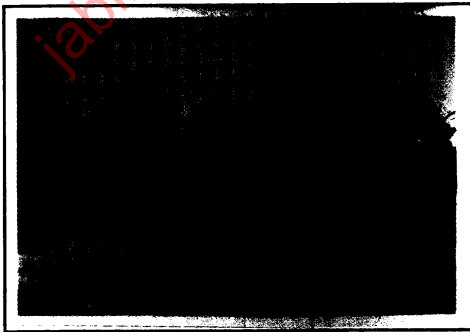
## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾



انجیران کے قبرستان میں چہار اختران کا مرکزی دروازہ



محلات کے قدیم قبرستان، جس کی تاریخی حیثیت ختم ہوتی جا رہی ہے۔



محلات کے قدیم قبرستان جواب اس شہر کا مرکزی علاقہ ہے جسے قبرستان سے رہائشی علاقہ میں تبدیل کیا جا چکا ہے۔ صحیح تحقیق نہ ہونے کی وجہ سے اس اہم اور تاریخی قبرستان کی حیثیت ختم ہو رہی ہے۔



## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

لگے۔ یوں انجمن کے اس دور سے مذہب اسماعیلیت کو کوئی فائدہ اپنے مذہب کی ترویج اور تبلیغ کیلئے نہیں ملا۔ اس کا واضح ثبوت انجمن میں اسماعیلی مذہب کا خاتمہ ہے۔ سقوط انجمن کے بعد اسماعیلیت ایک بار پھر خفیہ نظام دعوت کے تحت سلسلہ امامت کو جاری و ساری رکھنے پر مجبور ہوئی۔ یوں ایک عرصے کے بعد گیارھویں صدی ہجری میں ایران کے بعض علاقوں کہک، کرمان اور یزد میں اسماعیلیت کے احیاء کی علی الاعلان کوششیں ہوئیں تو شیعہ اثنا عشریوں نے اس کی سخت مزاحمت کی۔ یہاں تک کہ ان کے آپس میں فرقہ وارانہ فسادات بھی ہوئے۔ بہر حال وجوہات کچھ بھی ہوں مذہب اسماعیلیہ ایران میں پنپنے میں کامیاب نہیں ہو سکا اور مذہب اثنا عشریہ کو قبول کرنا پڑا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسماعیلی امام حضرت حسن علی شاہ کے ایران کے قاجاری بادشاہ فتح علی شاہ سے مراسم پیدا ہوئے اور ان کا بادشاہ ایران کی بیٹی سے رشتہ ہوا، جس کے نتیجے میں حسن علی شاہ کو آقا خان کے اعزازی لقب سے بھی نوازا گیا اور انہیں پہلے قم پھر کرمان کا گورنر مقرر کیا گیا۔ بادشاہ ایران سے اتنے زیادہ قریبی مراسم اور رشتہ داری کا پیدا ہونا، پھر گورنری کا عہدہ ملنے کی ایک بنیادی وجہ حضرت حسن شاہ کی والدہ محترمہ کا وہ عہد نامہ تھا، جو انہوں نے بادشاہ ایران سے کیا۔ جس کے مطابق شیعہ اثنا عشریہ مذہب کی قبولیت شامل تھی لیکن حضرت حسن علی شاہ نے کرمان کی گورنری حاصل ہونے کے بعد اپنے قدیم نظریات کے اجراء کی کوشش کی، جس کے نتیجے میں قاجاری بادشاہ نے اپنے بہنوئی کو گورنر کے عہدہ سے معزول کیا لیکن حضرت حسن علی شاہ نے اس معزولی

۱۔ جس نے انہیں کرمان کا گورنر نامزد کیا تھا

## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

کو قبول نہ کرتے ہوئے بغاوت کا اعلان کیا۔ جس کے نتیجے میں مرکزی حکومت اور کرمان کی حکومت کے درمیان فوجی تصادم ہوا اور کرمان کی حکومت کو سخت شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس شکست کی وجہ سے حضرت حسن علی شاہ کی اب ایران میں رہنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اس لئے مجبوراً انہوں نے افغانستان کی طرف ہجرت کی۔ افغانستان پہنچنے کے بعد حسن علی شاہ کے حکومت برطانیہ سے روابط پیدا ہوئے۔ چونکہ حکومت برطانیہ کے بادشاہ ایران کے ساتھ بھی قریبی روابط تھے اس لئے برطانیہ کی ثالثی کی وجہ سے بادشاہ ایران افغانستان اور ہندوستان میں حضرت حسن علی شاہ کا پیچھا کرنے میں ناکام رہے۔ یوں حضرت حسن علی شاہ کے ایران کو خیر باد کہنے کے بعد ایران سے اسماعیلیت کا تقریباً خاتمہ ہو گیا۔



حضرت حسن علی شاہ المعروف آغا خان اول مذہب اسماعیلیہ نزاریہ کے چھالیسویں امام ہیں۔ جو ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء میں ایران کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ کے ہندوستان چلے آئے۔ آپ تقریباً چھیاٹھ سال منصب امامت پر فائز رہے۔ جمادی الاول ۱۲۹۸ھ/اپریل ۱۸۸۱ء میں آپ کی رحلت کے بعد آپ کے فرزند آقا شاہ علی آپ کے جانشین قرار پائے، جو آغا خان دوم کے نام سے مشہور ہوئے۔ چار سال تک امامت کرنے کے بعد ذوالقعدہ ۱۳۰۲ھ/اگست ۱۸۸۵ء میں آپ رحلت فرما گئے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے اکلوتے فرزند سلطان محمد

۱۔ بادشاہ ایران سے نزاری ائمہ کی رشتہ داری کی وجوہات اور پھر خاصیت اور اسی طرح ایران سے ہمیشہ کیلئے اسماعیلیت کا خاتمہ۔ ان تمام موضوعات کا مطالعہ اسماعیلی تاریخ کے ماہر فہاد فترتی کی کتاب 'اسماعیلی تاریخ کا ایک مختصر جائزہ' میں کیا جاسکتا ہے۔ جس کا اردو ترجمہ مشہور اسماعیلی عالم اور طریقہ بورڈ کراچی کے داعی ڈاکٹر عزیز اللہ نجیب نے کیا ہے۔

ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

شاہ الحسینی المعروف بہ آغا خان سوم اسماعیلیوں کے اڑتالیسویں امام کی حیثیت سے منصب امامت پر متمکن ہوئے۔ آغا خان اول اور دوم دونوں ہندوستان میں مقیم رہے لیکن آغا خان سوم نے زندگی کے آخری ایام سوئزرلینڈ میں گزارے اور وہیں پر ۱۱ جولائی ۱۹۵۷ء کو رحلت فرما گئے۔ جن کی میت کو جنیوا سے لے جا کر مصر کے شہر اسوان میں دفن کیا گیا۔ آپ نے اپنی حیات میں اپنے پوتے حضرت شاہ کریم الحسینی کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ حضرت شاہ کریم الحسینی جو آغا خان چہارم کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کی ولادت سوئزرلینڈ کے مشہور شہر جنیوا میں ۲۸ رمضان ۱۳۵۵ھ بمطابق ۱۳ دسمبر ۱۹۳۷ء کو ہوئی۔ (۳۲)



۱۹۴۱ء میں شیعہ اسماعیلیہ کا مرکز امامت ایران سے ہندوستان منتقل ہوا تو ہندوستان میں امام کو جہاں اپنے ماننے والوں سے قریب ہونے کا موقع ملا، وہیں پر بہت سارے تنازعات بھی نمودار ہوئے۔ بہت سارے اسماعیلی خوجے، جو امام کے بارے میں موروثی صفات کو اپنے عقیدے کا حصہ بنائے ہوئے تھے، ان کے زعم میں ہرہانس پرنس آغا خان میں بحیثیت امام وہ صفات نہیں تھی۔ جس کی وجہ سے اسماعیلی خوجوں کی ایک بڑی تعداد نے آغا خان کو امام کی حیثیت سے قبول کرنے سے انکار کیا۔ البتہ یہ دلیل ان لوگوں کی طرف سے پیش کیا گیا جنہوں نے آغا خانیت کو ترک کر کے شیعہ اثنا عشریہ یا سنی مذہب کو اختیار کیا تھا۔ آغا خانی مورخین اس نزاع کی اصل وجہ مالی معاملات کو قرار دیتے ہیں اور ایسا ہونا قرین قیاس ہے کیونکہ امام کے برصغیر میں آنے کے بعد ان کی تمام وہ جائیدادیں جو امامت کے عنوان سے تھی ان پر ان کا اختیار باقی نہیں رہتا۔ بہر حال وجوہات کچھ بھی ہوں حضرت ہرہانس

ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

پرنس آغا خان اول کے برصغیر تشریف لانے کے بعد اسماعیلیوں کی ایک قلیل تعداد مذہب اسماعیلیہ کو ترک کیا۔ ان میں کچھ نے سنی مذہب کو اختیار کیا اور اکثریت نے شیعہ اثنا عشری مذہب کو اختیار کیا۔ ا

بہر حال یہ بات واضح ہے کہ شیعہ اسماعیلیہ کے امام حضرت حسن علی شاہ کے ہندوستان میں مستقل سکونت اختیار کرنے کے بعد سے ہندوستان کے اسماعیلیوں میں بہت زیادہ اختلافات پیدا ہوئے۔ آغا خان اول حضرت حسن علی شاہ کے بعد جو گروہ مذہب اسماعیلیہ سے جدا ہوئے، ان کے بارے میں عالی جانی مسز زواہر موثر تحریر کرتے ہیں۔ ”ہندوستان میں جہاں اسماعیلی دعوت پھیلی، وہاں کئی مختلف اسباب کی بناء پر اسماعیلیوں میں مختلف گروہ ہو گئے۔ مثلاً سید امام شاہ کے فرزند سید محمد شاہ نے ست پن্থی امام شاہی گروہ بنایا تھا، جو آج بھی قائم ہے۔ اس کے



۱۔ قائد اعظم محمد علی جناح بھی ان ہی لوگوں میں سے ہیں، جنہوں نے مذہب اثنا عشریہ کو قبول کیا تھا۔ یہ لوگ ”خوجہ پیرائی شیعہ اثنا عشری جماعت“ کے نام سے اپنے کیونٹی میں مذہب شیعہ اثنا عشریہ کی ترویج اور تبلیغ کر رہے ہیں۔ راقم الحروف کی اس کیونٹی کے ایک ضعیف العمر (۸۸ سال) شخص یوسف لالچی سے اس موضوع پر تفصیل سے بات چیت ہوئی۔ انہوں نے بہت سے اہم تاریخی واقعات اور معلومات فراہم کیں۔ بقول ان کے یہ وہ معلومات ہیں، جو رقم نہیں ہوئی ہیں۔ اس لئے کسی کا ان پر قائل ہونا ضروری نہیں ہے۔ وہ اپنی ہر بات پر تاریخی دلائل بھی پیش کرتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے کہا کہ بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے ماں باپ شیعہ اسماعیلی آغا خانی تھے لیکن قائد اعظم مذہب اثنا عشریہ کو قبول کر چکے تھے۔ اس شخص کا کہنا ہے کہ قائد اعظم نے وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد میرا غسل ”کہ لو“ سے دلویا جائے، ”کہ لو“ ایک نوخیز اثنا عشری شخص تھا۔ جو کھارادر (کراچی) میں اثنا عشری خوجوں کے ہاں غسل دینے والا مشہور شخص تھا۔ بقول ان کے قائد اعظم نے وصیت کی تھی کہ ان کی تجہیز و تکفین شیعہ اثنا عشریہ کے مطابق کی جائے اور غسل میت ”کہ لو“ سے دلویا جائے۔ چنانچہ قائد اعظم کی وصیت کے عین مطابق شیعوں نے ان کے غسل اور تدفین کا انتظام کیا اور ”کہ لو“ ہی نے انہیں غسل دیا۔

## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

علاوہ اسماعیلیوں میں حضرت امام حسن علی شاہ کے دور میں ایک گروہ علیحدہ ہو گیا تھا، جس کا نام ”بار بھیا“ ہے۔ یہ گروہ بارہ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ اس لئے اس کو بار بھیا یعنی بارہ آدمی کہتے ہیں۔ شروع میں ان کی تعداد کم تھی لیکن آہستہ آہستہ بڑھ کر ۴۰۰ تک پہنچ گئی اور انہوں نے امام حسن علی شاہ کو امام ماننے سے انکار کر دیا۔ یہ اپنی علیحدہ جماعت زیادہ دنوں تک قائم نہ رکھ سکے اور ان میں سے اکثریت نے شیعہ اثنا عشریہ مذہب اور کچھ نے سنی مذہب کو اختیار کیا۔ اس طرح ان کی علیحدگی کی نوعیت کچھ مختلف تھی۔ جب امام حسن علی شاہ ایران میں رہتے تھے، تو کچھ کے علاقے میں پرانے نظام کے تحت سید دادو کی اولاد میں سے جو وکیل تھے، انہوں نے وہ نذرانے امام کو بھیجنے بند کر دیئے، جو جماعت کی طرف سے وہ امام کے لئے وصول کرتے تھے۔ انہوں نے علیحدگی اختیار کی۔ امام نے ان کو سنبھالنے کے لئے ایران سے اپنے رشتہ داروں کو بھیجا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوائے دو یا تین افراد کے باقی سب امام کو ماننے کیلئے تیار ہو گئے۔ بمبئی میں بھی کچھ افراد جن کی تعداد بارہ تھی، وہ جماعت سے اختلاف کر کے علیحدہ ہو گئے۔ اس گروہ کے لوگ ملک کے اخباروں میں امام اور اسماعیلیوں کے خلاف مضمون لکھ کر ان کو بدنام کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ اپنے ہم خیال لوگوں کی تعداد بڑھاتے رہے۔ اس کے نتیجے میں کچھ جوابی حملے بھی ہوئے۔ مثلاً اخباروں میں امام اور اسماعیلیوں کے متعلق جوابی مضامین بھی چھپے لیکن کوئی اصلاح نہ ہونے پائی۔ جب امام حسن علی شاہ بمبئی تشریف لائے تو بار بھیا کے اس گروہ سے ملاقات کی لیکن وہ امام کو ماننے کیلئے تیار نہیں ہوئے چنانچہ ان سے

۱۔ بارہ افراد سے منسوب یعنی بارہ بھائی۔





## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

تعلقات منقطع کر لئے گئے۔ ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء میں بمبئی میں محرم کے مہینے میں ایک دردناک واقعہ پیش آیا۔ آغا خانی اسماعیلیوں اور بارہابھیا کے درمیان تصادم ہو گیا۔ جس میں بارہابھیا والوں کے لیڈر مارے گئے۔ اس پر بمبئی کورٹ میں اسماعیلیوں کے خلاف مقدمہ ہوا اور چار اسماعیلیوں کو موت کی سزا ہو گئی۔ اس طرح دشمنی بڑھتی گئی اور اختلافات بھی زیادہ ہو گئے اور بارہابھیا کی تعداد بڑھ رہی تھی۔ انہوں نے علیحدہ جماعت خانہ بنایا اور اسماعیلی قبرستان میں اپنے لئے علیحدہ جگہ طلب کی اور تمام جماعت کی جو زمینیں تھیں، ان میں حصہ مانگا اور علیحدہ حقوق حاصل کرنے کیلئے بمبئی کی ہائی کورٹ میں امام اور جماعت کے خلاف مقدمہ بھی درج کروایا۔ جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ امام کا خوجہ قوم سے کوئی تعلق نہیں تھا اور پیر صدر الدین نے ان کو شیعہ امامی اسماعیلی نہیں بنایا تھا۔ اس گروہ میں چند لوگ مسقط، کچھ بمبئی وغیرہ سے بھی شامل ہو گئے تھے لیکن زیادہ تر لوگ امام کے وفادار رہے۔ کورٹ کا یہ مقدمہ بارہابھیا کیس یا خواجہ کیس یا آغا خان کیس کے نام سے مشہور ہے۔ انگریز عدالت کے جج آرنلڈ نے اس مقدمہ کی سماعت ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء میں بمبئی میں کی اور ۱۲ نومبر ۱۸۶۶ء کو اس مقدمے کا فیصلہ امام کے حق میں دیا۔ فاضل جج نے اسماعیلی عقائد اور شیعہ سنی خوجوں کے عقائد کا تاریخی کتابوں سے مطالعہ کیا اور امام کے خاندان کی تاریخ اور خوجہ جماعت کے امام کے ساتھ تعلقات پر تاریخی مواد جمع کیا اور امام کی امامت شیعہ عقائد کے تحت ثابت کی اور امام کے روحانی پیشوا کے طور پر مریدوں کے نذرانے قبول کرنے کا حق اور پیر صدر الدین کا داعی ہونا اور یہ کہ انہوں نے شیعہ امامی اسماعیلی عقائد کی دعوت کی تھی، یہ سب ثابت کر کے دکھایا۔



ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

اس طرح دعویداروں کی درخواست کو کورٹ نے مسترد کر دیا۔ بار بھیا نے پھر کوشش کر کے اپیل کی تھی لیکن یہ بھی مسترد ہو گئی اور آخر کار ان کا تعلق امام سے ٹوٹ گیا۔ تاہم اس قسم کا عناد اور دشمنی کبھی کبھی ابھرتی رہی ہے اور امام حسن علی شاہ کی وفات کے بعد ان کے جانشینوں کے زمانے میں بھی ایسے اور کئی لوگوں نے بھی علیحدہ ہو کر جماعت کے خلاف لکھا ہے اور لکھتے رہتے ہیں اور جماعت سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔“ (۳۳)

یوں امامت کو ہندوستان میں منتقل ہونے کے بعد ہندوستان کے شیعہ اسماعیلیہ، جو شیعہ خوجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔ جنہوں نے اپنے امام کو جہاں اپنے درمیان پایا، وہیں پر انہوں نے اپنے قدیم نظریات سے امامت کی حیثیت کو پہچاننے کی کوشش کی، جبکہ امام وقت کے تقاضے کے مطابق طرز امامت میں جدت پیدا کر چکے تھے۔ جس کی وجہ سے انہوں نے امام الوقت کو اپنے رجعت پسند نظریات کے مطابق نہیں پایا۔ اسی لئے خوجوں کی ایک بڑی تعداد نے امام سے اختلاف کیا۔ یہ اختلافات حضرت حسن علی شاہ (آغا خان سوم) کے دور میں سب سے زیادہ سامنے آئے کیونکہ آپ نے بہت سارے ایسے فرامین جاری کئے تھے، جو فرامین رجعت پسند خوجوں کے لئے قابل قبول نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لئے ان فرامین کو ماننے سے انکار کرتے ہوئے حضرت حسن شاہ کی امامت کو ماننے سے بھی انکار کیا۔ جیسا کہ حضرت حسن شاہ (آغا خان سوم) نے خواتین کو مردوں کے برابر لانے کے لئے اسکارف اوڑھنے کی پابندی ختم کی تھی۔ آپ اپنی خود نوشت سوانح عمری ”دی میمائر آف آغا خان“ میں ان اصلاحات کے بارے میں یوں تحریر



## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

کرتے ہیں۔ ”سماجی اصلاح کے معاملات میں میں نے اپنا اثر و اختیار سوچ سمجھ کر اور تدریجی طور استعمال کیا ہے۔ میں نے عورتوں کی آزادی اور تعلیم کی ہمیشہ ہمت افزائی کی ہے۔ میرے دادا اور والد کے زمانے ہی میں پردہ ترک کرنے کے سلسلے میں اسماعیلی دوسرے مسلمان فرقوں سے بہت آگے تھے۔ حتیٰ کہ ان ممالک میں بھی جو بہت زیادہ رجعت پسند تھے۔ میں نے پردہ بالکل ختم کر دیا ہے۔ اب آپ کسی اسماعیلی عورت کو نقاب ڈالے ہوئے نہیں دیکھیں گے۔ (۳۴)

جس وقت آغا خان سوم اپنے ماننے والوں کیلئے مذہب کے تشریحی احکامات میں اصلاحات لارہے تھے، جس کی ایک مثال اوپر بیان ہوئی ہے، تو شیعہ خوجوں میں سے بعض نے ان اصلاحات کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے اس کے خلاف سخت بغاوت کی۔ جس کی وجہ سے اکثر و بیشتر ان کے درمیان ٹکراؤ بھی ہوتا تھا، جس کے بارے میں مختصر ذکر ہوا۔ بہر حال نزاری امام نے ایران سے برصغیر منتقل ہونے کے بعد ایک نئے اور پُر اثر انداز میں اپنے وجود کو قائم و دائم رکھا۔



### (3/7) اسماعیلیہ نزاریہ کے فرقے

ائمہ اسماعیلیہ کے مستور رہنے کی وجہ سے امام کی صحیح شناخت نہ ہو پائی، جس کی وجہ سے نزاریت امامت کی صحیح شناخت پر منقسم ہو کر محمد شاہی اور قاسم شاہی نامی دو فرقوں میں ہو گئی۔ نزاری مذہب کی اس تقسیم کے بارے میں نزاری مصنف

۱۔ اس موضوع پر زیادہ تفصیلات جاننے کے خواہشمند محققین مندرجہ ذیل کتابوں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔  
 عالی جانی مسز زاہر موہر، کی کتاب ”تاریخ ائمہ اسماعیلیہ“ ج ۴ (اردو میں) جعفر سبحانی کی کتاب ”بحوث فی الملل والنحل“ ج ۴، (عربی)۔ ہرنانس پرنس آغا خان کی کتاب ”دی میٹرس آف آغا خان“۔ فرہاد فتری کی کتاب: Ism'iliis: their history and doctrines اس کتاب کا اردو ترجمہ ڈاکٹر عزیز اللہ نجیف نے ”اسماعیلی تاریخ و عقائد“ کے نام سے کیا ہے۔

ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

رائے اقبال کی کتاب ”تاریخ ائمہ اسماعیلیہ“ کی جلد ۳ میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ محمد شاہی، حضرت نزار بن مستنصر باللہ کی امامت کو تسلیم کرنے کی وجہ سے یہ لوگ مذہب نزاریہ میں شامل ہیں لیکن بیسویں امام کی امامت میں اختلاف سے یہ لوگ نزاریہ سے الگ ہوئے ہیں، اس کے بعد ان کے ائمہ کی فہرست یہ ہے۔

### فہرست ائمہ اسماعیلیہ نزاریہ مئومنیہ

نمبر	امام کا نام	تاریخ ولادت	تاریخ وفات	مدت امامت
۲۰	حسن بن نزار	ھ۴۷۰	ھ۵۳۴	۴۴ سال
۲۱	محمد بن حسن	ھ۵۲۳	ھ۵۹۰	۵۶
۲۲	جلال الدین حسن	ھ۵۷۳	ھ۶۱۷	۲۷
۲۳	علاء الدین محمد	ھ۶۰۹	ھ۶۵۳	۳۶
۲۴	رکن الدین محمود	ھ۶۲۹	ھ۶۵۵	۲
۲۵	شمس الدین	ھ۶۴۳	ھ۷۱۱	۵۶
۲۶	مؤمن شاہ	ھ۶۷۹	ھ۷۳۸	۲۷
۲۷	محمد شاہ	ھ۷۲۹	ھ۸۰۷	۶۹
۲۸	رضی الدین	ھ۷۸۷	ھ۸۳۸	۳۱
۲۹	طاہر	ھ۸۲۱	ھ۸۶۸	۳۰
۳۰	رضی الدین دوم	ھ۸۵۷	ھ۹۱۶	۴۸
۳۱	شاہ طاہر الحسینی الدکنی	ھ۸۹۸	ھ۹۶۸	۵۲



## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

۲۶	ھ ۹۹۴	ھ ۹۳۵	حیدر	۳۲
۳۸	ھ ۱۰۲۳	ھ ۹۷۷	صدر الدین محمد	۳۳
۲۲	ھ ۱۰۵۴	ھ ۱۰۰۳	معین الدین	۳۴
۵	ھ ۱۰۵۹	ھ ۱۰۲۷	عطیہ اللہ	۳۵
۴۲	ھ ۱۱۰۳	ھ ۱۰۵۴	عزیز اللہ	۳۶
۲۴	ھ ۱۱۲۷	ھ ۱۰۸۷	معین الدین دوم	۳۷
۵۱	ھ ۱۱۷۸	ھ ۱۱۱۳	امیر محمد	۳۸
۲۳	ھ ۱۲۰۱	ھ ۱۱۵۸	حیدر المظہر	۳۹
جاری	غائب ہے	ھ ۱۲۷۹	امیر حیدر الباقر	۴۰

ہے۔ (۳۵)



ان کے چالیسویں امام حضرت محمد بن حیدر، جو امیر محمد باقر کے نام سے مشہور تھے، ۱۲۱۰ء امامت کے منظر سے غائب ہوئے۔ ”ولد هذا الامام الاخير في اورنگ آباد عام ۱۱۷۹ ھ لقبه محمد الباقر (توفي سنة ۱۲۱۰ ھ)، کلّ ما عرف عنه حتى الآن، هو انه آخر امام من اسرة مومن. (۳۶) جس کے بعد سے فرقہ مومنیہ کی امامت رک گئی اور یہ فرقہ مفقود ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس فرقے کے ماننے والے بہت کم تعداد میں شام میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے برعکس نزاریہ قاسم شاہی فرقہ کی امامت ابھی تک موجود اور جاری ہے۔ نزاریہ قاسمیہ کے چھالیسویں امام حضرت حسن علی شاہ، جن کا لقب آغا خان تھا، اسی مناسبت سے یہ فرقہ قاسمیہ سے آغا خانیت کے نام سے مشہور ہوا۔

## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

آغا خانیوں کے موجودہ امام حضرت شاہ کریم آغا خان (چہارم) ہیں، جو اپنے فرقے کے انچا سویں امام ہیں۔

بحث کا سیر حاصل یہ ہے کہ ”مستنصر سے الگ ہو کر حسن بن صباح نے الموت کو اپنی دعوت کا مرکز بنایا۔ تقریباً ڈیڑھ سو سال تک ائمہ نزاریہ کا یہ سیاسی سلسلہ ایران میں جاری رہا، الموت کی حکومت کے زوال کے بعد ۱۵۴۲ھ میں ایران کے دوسرے حصے میں نزاریوں کی امامت منتقل ہوئی۔ ۱۲۳۳ء میں یہ امامت ہندوستان میں آئی۔ (۳۷)

### (3/8) مذهب اسماعیلیہ مستعالیہ کے فرقے

حضرت مستنصر باللہ کی جانشینی کی بناء پر شیعہ اسماعیلیہ فاطمیہ آپس میں اختلافات کے شکار ہوئے، جس کے نتیجے میں حضرت مستنصر کے فرزند حضرت نزار کا قتل ہوا۔ دوسری طرف حکومت بنو فاطمیہ کی اہم شخصیت وزیر افضل نے حضرت مستنصر باللہ کے چھوٹے فرزند حضرت مستعال کی امامت کا باقاعدہ اعلان کیا اور ایک مضبوط حکومت قائم کرنے کے لئے اقدام اٹھانے لگے لیکن دوسری طرف نزاریوں کی مخالفت اور محاصرت کی وجہ سے ان کی حکومت کو نقصان پہنچتا رہا، جس کی وجہ سے رفتہ رفتہ ان کی حکومت میں بھی ضعف آنا شروع ہوا۔ جب حضرت مستعالی کا ۴۹۵ھ میں انتقال ہوا تو وزیر افضل نے حضرت مستعال کے پانچ سالہ بیٹے حضرت آمر کی امامت کا اعلان کیا۔ جس کو بہت جلد نزاریوں نے اپنے امام حضرت نزار

۱۔ وزیر افضل کا اصل نام ابو القاسم شہنشاہ تھا اپنے والد بدر الجہالی جو بنو فاطمہ کے امام مستنصر باللہ کی تائید سے ریاست کے سب سے مضبوط وزیر (وزیر اعظم) اور امیر الجیوش نے تھے ان کی وفات کے ساتھ آپ کو وزیر اعظم اور امیر الجیوش بنایا گیا تھا۔

## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

کے قتل کے بدلہ میں قتل کر ڈالا تو ان کے ڈھائی سالہ بیٹے حضرت طیب کو چھپا دیا گیا۔ مستعالیوں کے امام حضرت ابوالقاسم طیب کی طفولیت کے زمانے میں دستور کر دیے جانے کی صحیح صورتحال کو ڈاکٹر زاہد علی یوں لکھتے ہیں۔ ”داعی ادریس کی روایت ہے کہ ’امرنے جب یہ محسوس کیا کہ نزاری کسی نہ کسی موقع پر اسے قتل کریں گے (چنانچہ ایسا ہی ہوا) تو اس نے اپنے ایک لڑکے طیب پر نص امامت کی اور اس کا اعلان اپنے خاص ارکان دعوت میں شائع کیا بلکہ یمن کو بھی اس کی اطلاع اپنی نائبہ ”الحرۃ المملکہ“ اور داعی ذویب بن موسیٰ الوداعی کے نام بھیجی، لیکن چونکہ طیب کی عمر اس وقت تقریباً ڈھائی سال کی تھی۔ اس لئے انہوں نے اپنے باب الابواب (اول مددگار) ابن مدین کو اس کا کفیل یعنی ولی مقرر کیا تھا کہ اس کے بالغ ہونے پر امامت کا مرتبہ اس کے سپرد کر دیں اور دعوت کے امور کی اجرائی کے لئے اپنے چار جلیل القدر داعیوں ابن ارسلان، عزیز بن نیلان اور قونص کی ایک انجمن بنائی اور ابن مدین مذکور کو اس کا صدر مقرر کیا اور اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ میرے قتل کے بعد ایک زبردست فتنہ برپا ہوگا۔ وزیر احمد بن افضل انجمن کے ارکان کو قتل کر دے گا۔ کہا جاتا ہے کہ اس پیشن گوئی کے مطابق ابن افضل نے ارکان انجمن سے کہا کہ تم امام طیب سے برات کرو ورنہ میں تمہیں مار ڈالوں گا۔ ارکان نے اس حکم کی تعمیل نہیں کی اور اپنی جانیں قربان کر دیں۔ جب انجمن کے صدر ابن مدین کو بھی قتل کا حادثہ پیش آیا تو اس نے اپنے خسر ابوعلی کو طیب کا کفیل بنایا۔ ابوعلی نے بھی جب یہ محسوس کیا کہ اب اس کی بھی باری آئے گی اور اس کے بعد طیب بھی نزاریوں اور عبد المجید کی جماعت کے ہاتھوں سے بچ نہ سکے گا تو وہ آمر کی وصیت کے موافق طیب کو اور اپنے چند مددگاروں مثلاً حجت، داعی بلاغ کو اپنے ساتھ لے کر مصر سے



ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

غائب ہو گیا۔ (۳۸) مستعالی اسماعیلیوں کے عقیدے کے مطابق امام طیب کے غیبت میں جانے کے بعد دور ستر کا آغاز ہوتا ہے اور تا قیامت ائمہ مستور ہی رہیں گے۔ البتہ ستر کی حالت میں ائمہ کی نسل میں ائمہ ہوتے رہیں گے۔ جن کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ قیامت کے روز جو امام ائمہ مستورین میں سے ہوگا، وہی قائم القیامہ ہوگا۔ دور ستر میں ائمہ کی دعوت کو ان کے نائبین چلاتے رہیں گے۔ البتہ موجودہ داوودی بوہرہ کے عقیدہ کے مطابق اگر امام چاہیں تو حکم الہی سے قیامت کے آنے سے پہلے بھی ظہور فرما سکتے ہیں۔ اس لئے یہ لوگ شیعہ اثنا عشریہ کی طرح ظہور امام کے منتظر ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ شیعہ اثنا عشریہ روز قیامت سے پہلے ظہور امام کو ضروری تصور کرتے ہیں جبکہ اسماعیلی بوہرہ کے نزدیک لازم نہیں ہے کہ امام روز قیامت سے پہلے ظہور فرمائے۔ اسی طرح ایک اور بنیادی فرق یہ ہے کہ شیعہ کے امام حضرت مہدی بن حسن عسکری پردہ غیب میں زندہ ہیں جبکہ مستعالیہ کے نزدیک دور ستر میں ائمہ کی نسل جاری و ساری ہے۔ امام طیب کی غیبت کے ساتھ ہی ان سے منسوب ہو کر یہ لوگ اسماعیلی طیبی کہلانے لگے، تو دوسری طرف بعض مورخین کے مطابق حضرت حافظ لدین اللہ نے امامت کا دعویٰ کیا یا بعض لوگ ان کی امامت کے قائل ہو گئے۔ ان ہی سے منسوب ہو کر یہ لوگ اسماعیلی حافظی کہلائے۔ یوں نزاریوں کے خروج کے بعد بہت جلد ہی فاطمی اسماعیلی امامت کی صحیح شناخت اور تشکیل پر دو حصوں میں منقسم ہوئے اور طیبی اور حافظی سلسلوں کے ساتھ اپنی امامت کو آگے جاری کیا۔





ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

حافظی اب بہت قلیل تعداد میں یمن میں بستے ہیں جبکہ طیبی اسماعیلی پاکستان اور بھارت میں بہت بڑی تعداد میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ بھی چھبیسویں داعی مطلق حضرت داؤد بن عجب شاہ کے دور میں داعی کی صحیح تشکیل اور نیابت میں منقسم ہوئے اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے داؤدی اور سلیمانی کے ناموں سے دو حصوں میں تقسیم ہوئے۔ یہ تقسیم امامت کی تشکیل پر نہیں بلکہ نائب امام کی تشکیل پر وجود میں آئی تھی۔ یوں امام کی نیابت پر مذہب اسماعیلیت میں یہ پہلی تقسیم تھی، جو ابھی تک باقی ہے۔



داؤدی (بوہری) داعی مطلق کو امام کا نائب خاص کا درجہ دیتے ہیں یعنی جو شرائط شیعہ امام کی تشکیل کیلئے سمجھتے ہیں، کم و بیش وہی شرائط مستعالی اپنے داعی مطلق کیلئے رکھتے ہیں۔ اس لئے ایک ہی وقت میں ایک داعی مطلق ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرہاد دفتری لکھتے ہیں۔ ”داؤدی نظام دعوت کی بنیاد اس نمونے پر رکھی گئی ہے، جو طیبی اسماعیلی مذہب کے یمنی مرحلے کے دوران پروان چڑھا ہے۔ داؤدیوں کی قیادت ”داعی مطلق“ کر رہا ہے، جو درحقیقت امام مستور کا جانشین ہے۔ داعی جو اپنے پیشرو کی جانب سے بذریعہ ”نص“ مقرر ہوتا ہے اور لازمی مذہبی علم کا حامل ہوتا ہے، معصوم یعنی بے خطا اور لغزش سے پاک شمار ہوتا ہے۔ داعی جسے جماعت کی زندگی کے تمام معاملات میں مکمل اختیار حاصل ہے، نظام دعوت کا بھی سربراہ اعلیٰ شمار ہوتا ہے اور اپنے معاونین کے ذریعے جن کا انتخاب وہ خود ہی کرتا ہے، مطلق العنان طریقے سے نظم و نسق چلاتا ہے۔ داعی مطلق کو عام طور پر ”ملا جی صاحب“ یا ”سیدنا صاحب“ کہا جاتا ہے۔

مورخین کے مطابق مستعالی داعیوں کے ناموں میں کافی تضاد اور فرق

ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

پایا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے مطلق داعیوں کی تعداد کی کوئی ایک حتمی فہرست بتانا کافی مشکل ہے۔ محققین کے مطابق مستعالیہ کے دونوں فرقے داؤدی اور سلیمانی حضرت الذویب بن موسیٰ الوادعی کو پہلا اور داؤد بن عجب شاہ کو آخری داعی مطلق مانتے ہیں۔ یعنی حضرت داؤد بن عجب شاہ ان دونوں کے آخری مطلق داعی ہیں۔ ان دونوں فرقوں کے کل مشترکہ داعین مطلق کی تعداد چھبیس بنتی ہے۔ داؤدی فرقے کے موجودہ داعی مطلق حضرت محمد بن برہان الدین بن طاہر سیف الدین ہیں، جو اس فرقے کے باوانویں داعی مطلق ہیں۔ جبکہ سلیمانیہ فرقے کے موجودہ داعی مطلق حضرت اشرفی حسین بن حسن المکرمی ہیں۔ بہر حال مستعالی طیبی اسماعیلیوں کے مطابق پہلا داعی مطلق حضرت ذویب بن موسیٰ ۵۲۰-۵۶۲ھ ہیں، جن کے عہد میں حضرت طیب مستور ہوئے ہیں۔ داعی مطلقین میں تریسویں داعی حضرت ادلیس بن حسن (عز الدین) کے دور میں طیبی دعوت یمن سے ہندوستان منتقل ہونے کے آثار پیدا ہوئے، جس کے نتیجے میں داعی محمد بن حسن کے دور میں طیبی داؤدی فرقہ کا مرکز یمن سے ہندوستان منتقل ہوا، جبکہ سلیمانی فرقہ کا صدر مقام اب بھی یمن ہی ہے۔ یوں داعی ادلیس چہارم کے عہد میں طیبی دعوت باضابطہ ہندوستان میں منتقل ہوئی اور داعی مطلق ہندوستان سے ہونے لگے۔ ویسے تو صرف دعوت کی ابتداء خود حضرت طیب کے ستر کے بعد داعی ذویب کے زمانے سے شروع ہوئی تھی۔ بہر حال ہندوستان میں طیبی فرقہ کے داعی کے آنے کے بعد ابھی تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ البتہ ہندوستان (پاکستان اور بھارت) میں اب یہ لوگ بہرے سے پہچانے جاتے ہیں۔ یہاں (ہندوستان) آنے کے بعد اسماعیلیوں کی سرگرمی



## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

صرف مذہبی دائرے تک محدود رہی۔ سیاسی معاملات میں انہوں نے کچھ حصہ نہیں لیا۔ یہ لوگ اپنے کاروبار کی وجہ سے بہرے یعنی تجارت کرنے والے کہلاتے ہیں۔ یہ گجراتی لفظ ہے جس کے معنی تاجر کے ہیں۔

بہر حال اب دنیا میں اسماعیلیہ کے چار فرقے موجود ہیں۔ قرامطہ بعض عرب ممالک بالخصوص بحرین و یمن میں بہت قلیل تعداد میں رہتے ہیں۔ جبکہ دروز فلسطین، شام اور یمن کے کچھ علاقوں میں بہت کم تعداد میں موجود ہیں۔ شیعہ اسماعیلیہ زاریہ اور مستعالیہ دنیا بھر میں لاکھوں کی تعداد میں بستے ہیں۔ پاکستان میں مستعالیہ حیدر آباد اور کراچی تک محدود ہیں جبکہ زاریہ پاکستان کے اکثر علاقوں بالخصوص گلگت، چترال اور کراچی میں اچھی خاصی تعداد میں رہتے ہیں۔



## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

### حوالہ جات

(۱) مجلسی، الشیخ محمد باقر، بحار الانوار، ج ۳۶، ص ۲۵۴، الناشر: مؤسسۃ

الوفاء، تاریخ اشاعت ندارد، بیروت

نوٹ (علامہ مجلسی کے علاوہ مصادر حدیث: شیخ ماحوزی، کتاب الاربعین۔ الشیخ لطف اللہ الصافی، امان الامة من الاختلاف۔ ابن طاؤس، التحصین۔ الشیخ عزیز اللہ عطاردی، مسند الامام الرضا۔ اسی طرح دیگر بہت سارے قدیم و جدید کتب حدیث میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے۔)

(۲) فرہاد دفتری، اسماعیلی تاریخ اور عقائد، فصل ششم، ص ۵۲، مترجم،

ڈاکٹر عزیز اللہ نجیب، اقبال برادرزہ پبلیشرز، ۱۹۹۷ء، کراچی

(۳) سبحانی، شیخ جعفر، بحوث فی السلسل والنحل، ج ۶، ص ۵۳۶، الطبعة

۱۴۲۳ھ، الموسسۃ الامام الصادق، قم

(۴) صدوق ابی جعفر محمد بن علی بابویہ القمی، کمال الدین و تمام النعمۃ، ص ۲۸۱،

ج ۱، مترجمین، الکساء پبلیشرز، نارتھ کراچی، اشاعت دوم ربیع الثانی،

۱۴۲۳ھ

(۵) اسماعیلی تاریخ اور عقائد، فصل ششم، ص ۹۹، ۱۰۰، ج اول

(۶) شیخ مفید، کتاب الارشاد (تذکرۃ الاطہار) ص ۳۷۷

(۷) زاہد علی ڈاکٹر، تاریخ طہمین مصر، ج ۱، ص ۴۱، نفیس اکیڈمی، کراچی،

## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

سن اشاعت ۱۹۷۳

(۸) دیدار علی شیخ، تاریخ ائمہ اسماعیلیہ، ج ۱، ص ۱۵۶، شائع کردہ شیعہ امامی اسماعیلی طریقہ اینڈ ریلچس ایجوکیشن بورڈ برائے پاکستان، تاریخ اشاعت ۱۴۱۱ھ بمطابق ۱۹۹۰ء

(۹) کتاب الارشاد (تذکرۃ الاطہار) ص ۳۵۱

(۱۰) تاریخ ائمہ اسماعیلیہ، ج ۱، ص ۱۵۲، ۱۵۳

(۱۱) تاریخ الدعوة الاسماعیلیہ، ص ۱۳۸

(۱۲) اسماعیلی تاریخ اور عقائد، فصل سوم، ص ۱۱۱-۱۱۲-۱۱۳

(۱۳) تاریخ ائمہ اسماعیلیہ، ج ۱، ص ۱۵۴، ۱۵۵

(۱۴) تاریخ ائمہ اسماعیلیہ، ج ۱، ص ۱۰۸

(۱۵) عیون الاخبار جلد ۴ ص ۳۵۷

(۱۶) اسماعیلی تاریخ کا ایک مختصر جائزہ، ص ۳۰۱، ۳۰۲

(۱۷) اسماعیلی تاریخ و عقائد، ص ۳۲۲

(۱۸) تاریخ ائمہ اسماعیلیہ، ج ۲، ص ۲۰، بحوالہ افتتاح الدعوة، ص ۲۱۷، والتعاضد

الحقفاء ص ۸۸، ابن اثیر ج ۸، ص ۴۷

(۱۹) تاریخ ائمہ اسماعیلیہ، ج ۲، ص ۱۲۸، بحوالہ ابن خلکان ج ۳۲، ص ۵۲۸۔

ابن اثیر ج ۹، ص ۱۱۶

(۲۰) ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ج ۴، ص ۲۷، ۱۲۵

(۲۱) تاریخ ائمہ اسماعیلیہ، ج ۲، ص ۱۶۴۔



## ائمہ اشاعری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

- (۲۲) ایضاً، ص ۲۵۰، بحوالہ عیون الاخبار۔ ج ۶، ص ۳۱۵، ۳۱۶
- (۲۳) دفتری، فرہاد، اسماعیلی تاریخ کا ایک مختصر جائزہ، ص ۱۹۸
- (۲۴) تاریخ ائمہ اسماعیلیہ، ج ۲، آٹھواں باب، ص ۱۹۳، بحوالہ ابن خلکان، ج ۳، ص ۳۸۲، الخطط، ج ۱، ص ۳۵۵۔ عیون الاخبار، ج ۶، ص ۲۴۱
- (۲۵) دفتری، فرہاد، اسماعیلی تاریخ کا ایک مختصر جائزہ، ص ۲۰۵، ۲۰۶
- (۲۶) تاریخ ائمہ اسماعیلیہ، ج ۲، ص ۲۲۱
- (۲۷) تاریخ فاطمین مصر، ج ۱، ص ۳۱۵
- (۲۸) تاریخ ائمہ اسماعیلیہ، ج ۲، باب ۹، ص ۲۳۷
- (۲۹) تاریخ فاطمین مصر، ج ۲، باب ۸، ص ۲۳۱ بحوالہ ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۲۳۷
- (۳۰) تاریخ فاطمین مصر، ج ۱، ص ۳۲۶ بحوالہ مقریزی، ج ۲، ص ۲۷۶۔ ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۲۳۷
- (۳۱) تاریخ فاطمین مصر، ج ۱، ص ۹۶
- (۳۲) اسماعیلی تاریخ کا ایک مختصر جائزہ، ص ۴۱۲
- (۳۳) عالی جانی مسز زواہر مورز، تاریخ ائمہ اسماعیلیہ، ج ۴، ص ۳۴، ۳۵، شائع کردہ ہرہانس پرنس آغا خان شیعہ امامی اسماعیلیہ ایسوسی ایشن برائے پاکستان، ۲۳۰/۱، ڈکروز روڈ گارڈن ایسٹ کراچی، ربیع الاول ۱۴۰۳ھ
- رجنوری ۱۹۸۳ء۔
- (۳۴) آغا خان سوم، ہرہائل ہائینس پرنس، اسلام میرے مورثوں کا مذہب،



## اسماء ثنائی اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

(دی میٹرس آف آغا خان کا ایک باب) ص ۳۹، مترجم: جون ایلیا،  
شائع کردہ: ہرنانس پرنس آغا خان شیعہ امامی اسماعیلیہ ایسوسی ایشن  
برائے پاکستان، ۲۳۰، ڈکروز روڈ گارڈن ایسٹ کراچی، ربیع الاول  
۱۴۲۰ھ/۲۰۰۰ء۔

(۳۵) تاریخ فاطمین مصر، ج ۲، فصل ۲۱، ص ۲۶، بحوالہ عیون الاخبار، ج ۷،

ص ۲۱۵، ۳۱۸ تا ۳۲۲

(۳۶) سبحانی، جعفر، بحث فی اہلہل و النحل، ج ۸، ص ۱۵۶، بحوالہ الامامۃ فی

الاسلام: ۱۷۸

(۳۷) تاریخ فاطمین مصر، ج ۲، فصل ۲۵، ص ۸۵

(۳۸) زاہد علی، ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام، فصل ۹،

ص ۲۸۰، مطبوعہ نامی پریس حیدر آباد دکن



## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

### حوالہ جاتی احادیث مع ترجمہ

(۱)

قال صلى الله عليه وآله: الحسن والحسين اماما امتي بعد أبيهما، وسيدا شباب أهل الجنة، امهما سيدة نساء العالمين، وأبوهما سيد الوصيين ومن ولد الحسين تسعة أئمة تاسعهم القائم من ولدي، طاعتهم طاعتي ومعصيتهم معصيتي، إلى الله أشكو المنكرين لفضلهم والمستنقصين لحرمتهم بعدى وكفى بالله وليا وناصرًا لعترتي وأئمة امتي، ومنتميا من الجاحدين لحقهم "حسن وحسين اپنے باپ کے بعد میری امت کے امام ہیں۔ اور نوجوانان جنت کے سردار ہیں۔ ان کی والدہ عالمین کی عورتوں کی سردار ہیں۔ اور ان کے ولاد و جہانوں کے آقا ہے اور حسین سے نوائمہ ہیں اور نواں قائم الائمہ ہیں۔ ان (نویں امام حضرت امام مہدی) کی اطاعت میری اطاعت ہے اور ان کی نافرمانی میری نافرمانی ہے۔ میں اللہ کے پاس ان لوگوں کے بارے میں شکوہ کروں گا جو میرے بعد ان (ائمہ اہل بیت) کی فضیلت سے انکار کرتے ہیں ان کی حرمت اور تکریم کو گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی میری





## ائمہ اثنا عشری اور اسماعیلی کا تقابلی جائزہ، تاریخ کے تناظر میں ﴿باب سوم﴾

عترت اور میری اہل بیت کے لئے کافی ہے اور ان لوگوں سے جنہوں

نے (ائمہ اہل بیت) کا حق سلب کی ہے ان سے انتقام لیں گے۔ (۱)

(۲) لا تكون الامامة في اثنين بعد الحسن و الحسين. امامت

حسن اور حسین کے بعد دو بھائیوں میں جمع نہیں ہوگی۔“ (۳)

(۳) اے مسعود! علی بن ابی طالب میرے بعد تمہارے امام اور تم پر میرے

خلیفہ ہیں۔ ان کے بعد میرا بیٹا (حضرت) حسن تم پر امام و خلیفہ ہے اس

کے بعد میرا بیٹا حسین امام اور خلیفہ ہے۔ پھر حسین کی اولاد میں نوائمہ ایک

کے بعد ایک امام و خلیفہ ہوں گے۔“ (۴)



## باب چہارم

### (4) دورِ صغریٰ اور کبریٰ اور ادوارِ ثلاثہ

#### (کشف، فطرت اور ستر) کا تقابلی جائزہ

شیعیت میں نظریہ مہدویت دیگر مسلمانوں کی طرح ایک مسلم عقیدہ ہے البتہ اس کے مصداق پر جس طرح دیگر مسلمانوں کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں اسی طرح شیعہ مسلمان فرقوں کے درمیان حضرت امام مہدی کے مصداق میں اختلاف موجود ہے۔ اس حوالہ سے اس باب میں تفصیلی تحقیق پیش کی گئی ہے نیز حضرت محمد مہدی بن حسن عسکری کی غیبت صغریٰ و کبریٰ کا امامت سے متعلق اسماعیلیت کے نظریہ کشف، فطرت اور ستر سے تقابلی بحث پیش کی گئی ہے۔

بشریت کے مستقبل میں ایک مصلح کے ظہور کا نظریہ نہ صرف اسلام بلکہ اکثر مذاہب عالم میں پایا جاتا ہے۔ لیکن مصلح کی ماہیت اور مصداق کی تفصیلات میں ان مذاہب کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں۔ دیگر مذاہب میں اس نظریہ کی کیا تفصیلات ہیں اس کو بیان کرنا ہمارے موضوع کا حصہ نہیں البتہ اسلامی روایات کے مطابق جس مصلح کا انتظار دنیا کے تقریباً تمام مذاہب کو ہے، وہ علی بن ابی طالب کی نسل میں سے ہوگا۔ اس مرد صالح کا نام محمد اور لقب مہدی ہوگا۔ احادیث میں نہ صرف نام اور نسب کا تعین کیا گیا ہے بلکہ ظہور کی بعض علامات اور نشانیوں کو بھی بتایا گیا ہے۔ جس میں دجال کا خروج اور امام مہدی سے جنگ کرنا بھی ثابت ہے۔ ساتھ ہی احادیث یہ بھی بیان کرتی ہیں کہ آپ کے ظہور کے ساتھ حضرت عیسیٰ بھی

## ﴿باب چہارم﴾

## دور صفری اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ کا تقابلی جائزہ

تشریف لائیں گے اور اس مرد صالح کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے۔

رسول اکرم ﷺ نے اپنی متعدد احادیث مبارکہ میں حضرت مہدی کے بارے میں کافی وضاحت فرمائی ہے۔ جن کی تعداد ایک تحقیق کے مطابق تقریباً ۶۵ ہے۔ ان احادیث میں سے اکثر احادیث مستند، صحیح اور متواتر ہیں۔ ان احادیث کو روایت کرنے والوں میں سے تقریباً ۲۶ رسول اللہ کے اصحاب بھی شامل ہیں۔ جیسے علی بن ابی طالب، حسین بن علی، عثمان بن عفان، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عمر، ابو ہریرہ، عبد اللہ بن عباس، جابر بن عبد اللہ، عبد الرحمن بن عوف وغیرہ بڑے اصحاب شامل ہیں۔ اسی طرح مشہور اور مستند کتب احادیث میں یہ روایات وارد ہوئی ہے۔ صرف ابوداؤد نے سنن میں کتاب مہدی کے باب میں ۱۳ احادیث روایت کی ہیں۔ ان تمام احادیث کو الگ کر کے اس کی سند پر تجزیہ کرنا کافی طویل کام ہے اور یہ ہمارے موضوع کا حصہ بھی نہیں ہے۔ ان احادیث کا اجمالی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ احادیث متواتر اور مستند ہیں۔ ان احادیث کے ضعیف اور مرسل ہونے کا



۱۔ جب حضرت مہدی ظہور فرمائیں گے تو عیسائی اور یہودی ان کی زیارت کریں گے اور ان کے صحیح مقام کا اعتراف کریں گے۔ عیسائی حضرات، حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت کا عقیدہ ترک کر دیں گے۔ قرآن مجید فرماتا ہے: ”اہل کتاب میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو (عیسیٰؑ) کے مرنے سے قبل ان پر ایمان نہ لائے اور قیامت کے دن خود عیسیٰؑ ان کے خلاف گواہی دیں گے“ ظاہر ہے اس وقت حضرت عیسیٰؑ عیسائیت کے قانون کی پیروی نہیں کریں گے، جو پہلے ہی منسوخ ہو چکا ہے بلکہ وہ امام وقت کی اقتداء کریں گے اور اسی بنا پر ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم سمیت حدیث کی مشہور کتابوں میں رسول خدا ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا: ”اس وقت تمہارا کیا رد عمل ہوگا جب مریم کا بیٹا تمہارے درمیان اترے گا اور تمہارا امام تم ہی میں سے ہوگا؟“ یہاں لفظ امام سے مراد امام مہدی ہیں۔ اس حدیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ جب دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو امام مہدی کی پیروی کریں گے۔

## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ کا تقابلی جائزہ ﴿باب چہارم﴾

قائل شاید ہی کوئی محدث یا مورخ ہو۔ البتہ نظریہ مہدویت کے ساتھ ایک حدیث ایسی ملتی ہے کہ جس کو ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ ”لا مہدی الا عیسیٰ بن مریم۔“ (۱) یہ روایت ظاہر کرتی ہے کہ رسول اللہ نے جس مہدی کے بارے میں پیش گوئی کی ہے، وہ خود حضرت عیسیٰ کی ذات مبارک ہے۔ مہدی کوئی الگ شخصیت نہیں ہے۔ اس ایک روایت کے علاوہ کوئی دوسری روایت ایسی نہیں ملتی ہے، جو اس روایت کو تقویت دے، جبکہ اس کے برعکس سینکڑوں روایتیں ایسی ہیں کہ جو حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الگ الگ شخصیتیں بیان کرتی ہیں۔

جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے۔ ”المہدی من عترة رسول الله و من فاطمة۔ مہدی عترت رسول ﷺ اور اولاد فاطمہ سے ہوگا۔“ (۲) اسی طرح ایک اور مشہور حدیث بھی ہے۔ ”لن تہلک امة انا فی اولھا و عیسیٰ بن مریم فی آخرھا و المہدی فی وسطھا۔ میری امت ہرگز ہلاک نہیں ہوگی کیونکہ اس کی ابتدا میں میرا وجود اور آخر میں عیسیٰ بن مریم ہوں گے اور درمیان میں مہدی ہوں گے۔“ (۳) ”وسط“ آخر سے قبل ہوتا ہے۔ لہذا مہدی اور عیسیٰ دو الگ افراد ہیں۔

۱۔ ابن ماجہ کی روایت کا تعلق ہے تو اکثر علماء نے اس روایت کو ضعیف اور مرسل قرار دیا ہے۔ یہاں تک ابن تیمیہ (جو ائمہ اہل بیت کی شان اور عظمت کے بارے میں وارد روایات کو جعلی اور ضعیف قرار دینے میں مشہور سمجھے جاتے ہیں نے بھی اس روایت کو ضعیف قرار دیتے ہوئے اس روایت کے راوی کو مجہول قرار دیا ہے۔ اس روایت کے راویوں میں زیادہ تر ایک ہی نام محمد بن خالد الجندی کا آتا ہے، ہم نے اس راوی کے بارے میں دقیق تحقیق نہیں کی ہے۔ البتہ اکثر محدثین اور مورخین اس شخص کو غیر معروف سمجھتے ہوئے اس کی اس روایت کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ حافظ ابوالحسن محمد بن حسین ابوری صاحب مناقب الشافعی نے لکھا ہے ”لا مہدی الا عیسیٰ بن مریم“ کی روایت کا راوی محمد بن خالد الجندی اہل علم کے نزدیک غیر معروف ہے۔

## ﴿باب چہارم﴾

## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار عثاشہ کا تقابلی جائزہ

اس طرح صرف (جس کا ذکر کیا گیا) ایک حدیث کے علاوہ کوئی ایک بھی حدیث وارد نہیں ہوئی ہے کہ جو حضرت مہدی کے وجود کی نفی کرتی ہو۔ جن روایات میں حضرت مہدی کے وجود اور ظہور کی پیشین گوئی ہوئی ہے۔ ان روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ جسے امام ضہیل نے درج کیا ہے۔ ”لَو لِم يَبِقُ مِنَ الدُّنْيَا الْيَوْمُ وَاحِدٌ لَطَوَّلَ اللَّهُ ذَلِكَ الْيَوْمَ حَتَّى يَخْرُجَ رَجُلٌ مِنْ وَلَدِي فَيَمْلَأُهَا عَدْلًا وَقِسْطًا كَمَا مَلَأْتُ ظُلْمًا وَجَوْرًا۔“ (۴) اگر دنیا کی عمر میں سے صرف ایک دن ہی باقی بچے تو بھی خداوند کریم اس دن کو اتنا طولانی کرے گا یہاں تک کہ میری اولاد میں سے ایک فرد اٹھے گا اور دنیا کو عدل اور انصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و ستم سے پُر ہو چکی ہوگی۔“



بہر حال نظریہ مہدویت ایک مسلم و متفقہ نظریہ ہے۔ اس سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اس لئے اس موضوع پر زیادہ تحقیق و تفتیش کی ضرورت نہیں ہے اور اسی طرح روایات کے تناظر میں حضرت مہدی کی حکومت کی خصوصیات کے بارے میں بہت زیادہ مواد موجود ہے۔ اس لئے ہمیں اس عالمی حکومت کے بارے میں زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں صرف یہ جائزہ لیا گیا ہے کہ حضرت مہدی کا مصداق کس کو قرار دیا جائے؟ ذکر کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود ہی حضرت مہدی کے مصداق کی نشاندہی کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ اور روایات میں امام کا تعین اور تشخص واضح ہوا ہے کہ وہ خاندان نبوت اور اولاد فاطمہ میں سے ہوں گے۔ جن کا نام آپ ﷺ کے ہم نام ہوگا لیکن دوسری طرف مسلمانوں میں حضرت مہدی کے مصداق کے حوالے سے کافی اختلافات

## ﴿باب چہارم﴾

## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار خلافت کا تقابلی جائزہ

پائے جاتے ہیں۔ بنیادی اختلاف یہ ہے کہ آیا امام مہدی پیدا ہوئے ہیں یا پیدا ہوں گے؟ شیعیت کے تمام فرقے امام مہدی کی پیدائش کے قائل ہیں لیکن اہل سنت کے اکثر علماء حضرت امام مہدی کی پیدا ہونے کے قائل نہیں بلکہ بحکم خدا پیدا ہونگے اور دنیا میں ایک عالمی حکومت قائم کریں گے۔ جبکہ اہل سنت کے مقابلے میں مذہب تشیع حضرت مہدی کی پیدائش کا قائل ہے۔ اس حوالے سے شیعہ اپنے ائمہ اہل بیت سے متعدد روایات کو نقل کرتے ہیں۔ ان روایات کے مطابق حضرت مہدی ایک معین انسان ہیں۔ جسم و بدن کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ دنیا میں ہونے والے ظلم و جور اور زیادتیوں کو دیکھتے ہیں اور ان تمام چیزوں سے آپ قریب و دور سے متاثر ہوتے ہیں۔ دنیا کے حالات میں گہری دلچسپی لیتے ہیں۔ مومنین کی مجالس میں اکثر شرکت فرماتے ہیں لیکن اپنی شخصیت کے اظہار سے اجتناب کرتے ہیں۔ آپ مقررہ دن دوبارہ ظاہر ہوں گے۔ ایک عالمی انقلاب کی رہنمائی فرمائیں گے اور دنیا میں عدل و انصاف اور نیکی پر مبنی ایک نظام قائم کریں گے۔ قرآن مجید نے بھی کھلے الفاظ میں وعدہ کیا ہے کہ ایک دن ایسا آئے گا، جب حق و انصاف کا بول بالا ہوگا اور حکومت صالح لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگی۔ ”اور ہم نے تو نصیحت (توریت) کے بعد یقیناً زبور میں لکھ ہی دیا تھا کہ روئے زمین کے وارث ہمارے صالح بندے ہوں گے۔“ (۵) مذہب تشیع کے تمام فرقے حضرت مہدی کی ولادت کے قائل ہیں لیکن



۱۔ ان روایات کی تفصیل کو شیخ صدوق کی کتاب ”کمال الدین الدین و تمام النعمۃ“ اور معروف شیعہ محقق علی اصغر رضوانی کی کتاب ”سلسلہ مباحث مہدویت“ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ کا تقابلی جائزہ ﴿باب چہارم﴾

دوسری طرف حضرت مہدی کے مصداق میں اختلاف نظر آتا ہے۔ شیعہ اثنا عشری حضرت محمد بن عسکری کو امام مہدی تصور کرتے ہیں، جس کا ذکر کیا گیا تو دوسری طرف شیعہ اسماعیلیہ حضرت محمد بن عسکری کو امام مہدی ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ ساتھ ہی خود مذہب اسماعیلیہ بھی حضرت مہدی کے مصداق میں متفق نظر نہیں آتا ہے۔ شیعہ اسماعیلیہ نزاریہ حضرت عبید اللہ المہدی کو امام مہدی کا درجہ دیتے ہیں۔ جو نزاریہ اور مستعلیہ دونوں سلسلوں کے گیارہویں امام بھی ہیں جبکہ شیعہ اسماعیلیہ مستعلیہ اپنے بیسویں اور دور ظاہر کے آخری امام حضرت طیب کو امام مہدی کا درجہ دیتے ہیں۔ یوں شیعیت میں حضرت مہدی کے حوالے سے کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن دوسری طرف یہ تینوں فرقے حضرت مہدی سے متعلق آپ ﷺ کی تمام احادیث کو قبول کرتے ہیں اور ہر فرقہ ان احادیث کے مصداق کو بھی بیان کرتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ آزادانہ فکر کے ساتھ ان احادیث کا تجزیہ کیا جائے کہ ان احادیث کا صحیح مصداق کون ہے۔ شیعہ اثنا عشریہ حضرت محمد بن عسکری کو امام مہدی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوئے آپ ﷺ کی احادیث کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ احادیث میں امام مہدی کا نام آپ ﷺ کے نام پر محمد آیا ہے تو حضرت حسن عسکری کے فرزند کا اسم مبارک بھی محمد ہے۔ اسی طرح امام مہدی کو اولاد فاطمہ سے ہونے کا بیان احادیث میں آیا ہے تو محمد بن عسکری کے نسل فاطمہ سے ہونے میں کوئی دورائے نہیں ہیں۔ اسی طرح احادیث کے مطابق آپ کا لقب مہدی ہے۔ حضرت محمد بن حسن عسکری کے لقب مہدی ہونے میں اختلاف نہیں ہے۔ احادیث میں بارہویں اور امام حسین کے بعد نویں امام کے بارے میں مہدی موعود ہونے کی



## ﴿باب چہارم﴾

دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار تلاش کا تقابلی جائزہ

خبر دی گئی ہے تو حضرت محمد بن عسکری بارہویں امام ہیں۔ یوں شیعہ اثنا عشری حضرت محمد بن حسن عسکری کو بغیر کسی تاویل و تحلیل کے بارہ ائمہ سے متعلق احادیث مبارکہ میں بتائی گئی خصوصیات کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ اس مناسبت سے کوئی تضاد بھی ظاہراً سامنے نہیں آتا ہے، جس کو مورد موضوع بنایا جائے۔ حضرت محمد مہدی بن حسن عسکری کی تاریخ پیدائش اور زندگی کے بارے میں چوتھی صدی ہجری کے اثنا عشری عالم شیخ مفید تحریر کرتے ہیں۔ ”ابو محمد کے بعد ان کے فرزند ارجمند امام ہیں، جو رسول اللہ کے ہمنام اور ہم کنیت ہیں اور ان کے علاوہ ان کے پدر گرامی نے ظاہر و باطن میں کوئی اولاد نہیں چھوڑی اور انہیں بھی پوشیدہ و غائب چھوڑا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور آپ کی ولادت پندرہ شعبان کی رات ۲۵۵ھ دوسو پچپن ہجری میں ہوئی۔ آپ کی مادر گرامی ایک کنیز ہیں، جنہیں نرجس (خاتون) کہا جاتا ہے۔ آپ کا سن مبارک اپنے والد کی وفات کے وقت پانچ سال تھا اور اسی سن میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت اور فضل کا خطاب دیا اور آپ کو عالمین کے لئے آیت اور نشانی قرار دیا حکمت و دانائی عطا کی، جس طرح حضرت یحییٰ کو پچپن میں دی تھی اور انہیں ظاہراً پچپن میں امام قرار دیا، جس طرح عیسیٰ بن مریم کو گوارے میں نبی قرار دیا تھا۔“ (۶) شیخ مفید نے صاف الفاظ میں وضاحت کی ہے کہ حضرت مہدی کی ولادت ۲۵۵ھ میں ہوئی ہے، اور ۲۶۰ھ میں پردہ غیب میں چلے گئے ہیں۔ یعنی اس وقت بھی زندہ ہیں اور اپنے ظہور کیلئے معین وقت (حکم خدا) کا انتظار کر رہے ہیں۔ شیعہ صبح و شام اپنے امام کے ظہور کیلئے دعائیں بھی کرتے ہیں۔ شیعہ اثنا عشریہ کا نظریہ مہدویت ہے کہ امام مہدی کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ نہ تو اپنی مہدویت





## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ کا تقابلی جائزہ ﴿باب چہارم﴾

کا اعلان کریں اور نہ ہی لوگوں سے اپنا تعارف کرائیں۔ البتہ شیعہ متعدد ایسی روایات کو نقل کرتے ہیں، جو حضرت محمد مہدی کی غیبت میں چلے جانے کے اسباب اور غیبت کے زمانے میں امام کے وجود سے شیعوں کو ملنے والے فوائد کو بیان کرتی ہیں۔ ان روایات کو علامہ مجلسی نے کتاب بحار الانوار میں جمع فرمایا ہے۔ ان میں سے کچھ روایات خود مہدی بن حسن عسکری سے بھی ہیں۔ جیسا کہ آپ سے نقل ہے۔ ”زمانہ غیبت میں میرے وجود سے فائدہ ایسا ہی ہے، جیسے سورج سے ہوتا ہے۔ جب وہ بادلوں میں چھپ جائے۔ میں یقیناً اہل زمین کے لئے امان ہوں۔ میں خاتم الاوصیاء ہوں۔ میرے ہی ذریعے سے خدا بلاؤں کو میرے اہل اور میرے شیعوں سے دور کرتا ہے۔“ (۷) حضرت مہدی کے بارے میں ان نظریات سے شیعیت کو ایک نئی قوت عطا ہوتی ہے، جو اس سے دردِ عالم اور یاس و ناامیدی کو دور کرتی ہے، کیونکہ جب انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا امام اور رہبر اس کے غم اور درد میں شریک اور آج کے انسان کی طرح انسان کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہے تو اسے بڑی ہمت و طاقت ملتی ہے۔ یوں شیعہ اثنا عشریہ حضرت مہدی کے مصداق حضرت محمد بن حسن عسکری کو قرار دیتے ہوئے آپ کی غیبت کا نظریہ رکھتے ہیں لیکن دوسری طرف آپ کی غیبت کا اقرار کرنے کی صورت میں متعدد عقلی اعتراضات بھی آپ کی ذات اور امامت کے حوالے سے پیدا ہوتے ہیں۔ ہم طوالت کے خوف سے ان اعتراضات اور اس کے جوابات پر تجزیہ کرنے سے صرف نظر کرتے ہیں۔ عقیدہ مہدویت پر ہونے والے تمام اعتراضات کے جواب میں ضخیم کتب تحریر کی گئی ہیں۔ مذکورہ بالا اور ان جیسے دیگر سوالوں کے جوابات کیلئے ان کتب کی طرف رجوع



کیا جاسکتا ہے۔

مذہب اسماعیلیہ نظریہ مہدویت کے اجمالی انداز میں قائل ہیں۔ حضرت مہدی کے حوالے سے جتنی بھی روایات اور نقلی دلائل ہیں، وہ سب کا اقرار کرتے ہیں۔ پیدائش امام کے حوالے سے بھی یہ لوگ مذہب اثنا عشریہ سے ہم نظر ہیں، لیکن دو بنیادی باتوں سے مذہب اسماعیلیہ مذہب اثنا عشریہ سے اختلاف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پہلا اختلاف امام مہدی کے مصداق میں ہے۔ یہ لوگ حضرت عبداللہ المہدی الفاطمی کو حضرت مہدی کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ دوم عبداللہ المہدی کے مصر میں تشریف آوری کو ظہور مہدی کا مصداق قرار دیتے ہیں جبکہ شیعہ اسماعیلیہ مستعالیہ اور اثنا عشریہ ظہور امام مہدی کے منتظر ہیں۔

(4/1) حضرت مہدی بن عسکری اور حضرت طیب بن

حافظ کی غیبت کا تقابل

مذہب امامیہ کا اعتقاد ہے کہ زمین حجت خدا سے خالی نہیں رہتی ہے۔ ہر زمانے میں زمین پر اللہ کی طرف سے ہادی کا ہونا لازمی ہے، جو خدا کی طرف سے

۱۔ ان کتب میں چند کے نام یہ ہیں۔ کتاب ”امام مہدی“ تالیف محمد باقر صدر، مترجم احمد ثارزین پوری، سال طبع ۱۴۲۱ھ کنکرہ بین الملل آیہ اللہ العظمیٰ شہید صدر۔ کتاب ”الارشاد“ شیخ مفید، مترجم علامہ سید صدر حسین۔ کتاب ”کمال الدین وتمام النعمۃ“ شیخ صدوق محمد بن علی بن بابویہ قمی (التوفی ۳۸۱ھ)۔ کتاب ”اعلام الصدیقہ“ ج ۱۳، [الامام المہدی المنتظر، خاتم الاوصیاء]، لجنۃ التالیف، مرکز الطباعة والنشر مجمع العالمی لاهل البیت۔ کتاب ”کشف الغمۃ فی معرفۃ الامۃ“ ابی الحسن علی بن عیسیٰ بن ابی الفتح الارادلی (التوفی ۶۹۳ھ)۔ کتاب ”فلسفہ انتظار“ آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی، مترجم سید احمد علی عابدی۔ کتاب ”انتظار امام“ آیت اللہ سید محمد باقر الصدر شہید، مترجم محمد فضل حق۔

## ﴿باب چہارم﴾

دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ کا تقابلی جائزہ

نصب شدہ ہو یعنی منصوص من اللہ ہو۔ اسی لئے شیعوں کا اعتقاد ہے کہ حضرت محمدؐ کے بعد حضرت علیؑ اور دیگر ائمہ اللہ کی طرف سے زمین میں حجت خدا ہیں۔ یاد رہے کہ شیعہ اپنے زمانے کے امام کو حجت خدا، قائم القیامہ، حاضر امام، امام زمانہ، امام الوقت کی اصطلاحات سے یاد کرتے ہیں۔ جس کا ایک ہی مطلب ہے کہ ہر زمانے میں رسول اکرم ﷺ کا ایک وصی موجود ہوتا ہے۔ چاہے وہ حاضر ہو یا ستر اور غیبت میں ہو اور وہی حجت خدا اور حاضر امام ہوتا ہے۔ حالت غیبت اور ستر میں بھی امام حجت خدا ہیں اور اپنے پیروکاروں کے رہنما ہیں۔ اس حوالے سے شیعہ فرقوں میں دورائے نہیں ہیں کیونکہ شیعہ اثنا عشریوں اور بوہریوں کی طرح شیعہ نزاریوں کے ائمہ بھی حالت ستر (غیبت) میں رہے۔ اس سلسلے میں ائمہ اہل بیت سے متعدد روایات بھی نقل کی جاتی ہیں۔ ”ہاں خدا زمین کو اپنی اس حجت سے کبھی خالی نہ رکھے گا جو حق کیلئے قیام کرتا ہو۔ خواہ وہ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو یا ظاہر ہو۔ اور یہ اس لئے ہے تاکہ حجت حق باطل نہ ہونے پائے۔ (۸)



اب غیبت اور ستر کی اصطلاحات کا تقابلی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے تاکہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ کے عقیدہ امامت کو صحیح طور پر سمجھنے میں آسانی پیدا ہو سکے۔

### (4/2) غیبت و ستر کا تقابل

غیبت کا عمومی مفہوم یہی ہے کہ نبی یا امام بحکم خدا مخفی طریقے سے زندگی گزارے۔ اسلام میں غیبت سے مراد حضرت امام مہدی کا مخفی انداز میں زندگی گزارنا ہے۔ حضرت امام مہدی کا مخفی طریقے سے زندگی گزارنے کا واقعہ تاریخ انسانیت کا پہلا واقعہ نہیں ہے بلکہ بہت سے انبیاء علیہم السلام نے زندگی کا کچھ حصہ

## ﴿باب چہارم﴾

## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ کا تقابلی جائزہ

مخفی (غیبت) گزار چکے ہیں جن میں حضرت ادریس، حضرت نوح، حضرت صالح، حضرت ابراہیم، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت شعیب، حضرت الیاس، حضرت سلیمان، حضرت دانیال اور حضرت عیسیٰ شامل ہیں۔ غیبت ایک الہی سنت بھی ہے جس کا ذکر سورہ فتح آیت ۲۳ اور سورہ اسراء آیت ۷۷ میں ہوا ہے۔ شیعہ اثنا عشری اور اسماعیلی کے درمیان غیبت کے عمومی مفہوم میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے البتہ امام مہدی کے مصداق میں اختلاف موجود پایا جاتا ہے۔ ائمہ اسماعیلیہ میں متعدد ائمہ نے مصلحت الہی کے تحت زندگی کا کچھ حصہ مخفی گزار چکے ہیں۔ ائمہ کی اس طرح مخفی زندگی گزارنے کو اسماعیلی ”ستر“ کی اصطلاح سے یاد کرتے ہیں، غیبت و ستر تقریباً مترادف الفاظ ہیں۔ البتہ اسماعیلی غیبت و ستر امام سے مراد امام کا زندگی کا کچھ حصہ کسی خاص مصلحت سے گزارنے کو کہتے ہیں۔ حالت غیبت و ستر میں عام فطری زندگی سے زیادہ طولانی زندگی رکھنے کے قائل نہیں ہیں لیکن شیعہ اثنا عشری حضرت امام مہدی کے حالت غیبت میں طولانی زندگی کا تصور رکھتے ہیں۔



مستعالی اسماعیلیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت طیب بن حافظ کے غیبت میں جانے کے بعد دور ستر کا آغاز ہوتا ہے اور تا قیامت ائمہ مستور ہی رہیں گے۔ البتہ ستر کی حالت میں ائمہ کی نسل جاری رہے گی۔ یہاں تک کہ قیامت کے روز جو امام مستور ہوگا، وہی قائم القیامہ ہوگا۔ دور ستر میں ائمہ کی دعوت کو ان کے نائبین چلاتے رہیں گے۔ امام طیب کی غیبت کے ساتھ ہی آپ ہی سے منسوب ہو کر یہ لوگ اسماعیلی طیبی کہلانے لگے۔ شروع میں یہ لوگ آمریہ کے نام سے مشہور ہوئے مگر بعد میں یمن میں خود مختار ریاستی دعوت کے قیام کے بعد طیبیہ کے نام سے

## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ کا تقابلی جائزہ ﴿باب چہارم﴾

موسوم ہوئے اور یہی نام ان کیلئے ابھی تک مستعمل ہے تو دوسری طرف حضرت حافظ لدین اللہ، جسے دراصل میں حضرت طیب کا کفیل مقرر کیا گیا تھا، بعض مورخین کے مطابق انہوں نے امامت کا دعویٰ کیا یا بعض لوگ ان کی امامت کے قائل ہو گئے۔ ان ہی سے منسوب ہو کر یہ لوگ اسماعیلی حافظی کہلائے۔ شروع میں یہ مذہب حافظی کے ساتھ المجیدیہ سے بھی مشہور ہوئے، لیکن بعد میں اول الذکر نام ہی ان کے لئے مخصوص ہوا، جو ابھی تک ان کیلئے مستعمل ہے۔ یوں نزاریوں کے الگ ہونے کے بعد بہت جلد فاطمی اسماعیلی امامت کی صحیح شناخت اور تشکیل پر دو حصوں میں منقسم ہوئے اور طیبی اور حافظی سلسلوں کے ساتھ اپنی امامت کو آگے جاری کیا۔ حافظی اب بہت قلیل تعداد میں یمن میں بستے ہیں، جبکہ طیبی اسماعیلی پاکستان اور بھارت میں بوہرے کے نام سے بہت بڑی تعداد میں رہتے ہیں۔ یعنی بوہرے اپنے آپ کو ابوالقاسم طیب سے منسوب کر کے طیبی کہتے ہیں اور طیبی بوہری کے نام سے ہی یہ لوگ پہچانے جاتے ہیں۔ بوہروں میں ہر شخص پر لازم ہے کہ امام کے بعد داعی کو اپنا مطیع مطلق تصور کرے۔ داعی کی طرف سے ان کے نمائندے مختلف ملکوں میں ہوتے ہیں، جن کو عامل کہا جاتا ہے۔ عامل کی اطاعت مطلقہ واجب نہیں ہے لیکن حکم داعی کے دائرے میں عامل کی اطاعت بھی ان کے ہاں لازم ہوتی ہے۔ داعی کی خصوصیات کو امام کے مثل قرار دینے کی وجہ سے بعض موقعوں پر ان کے ہاں بھی اختلافات پیدا ہوئے ہیں۔ جس کے نتیجے میں طیبی اپنی وحدت کو برقرار نہیں رکھ سکے۔ جیسا کہ صاحب کتاب ”مذہب الاسلام“ لکھتے ہیں۔ ”اس (بوہرہ) جماعت کے بعض لوگوں نے اپنے دعاۃ کے سلسلہ اطاعت سے علیحدہ ہو کر اپنی اپنی



## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ کا تقابلی جائزہ ﴿باب چہارم﴾

جماعتیں الگ الگ قائم کر لیں اور ہر ایک اپنی جماعت کا پیشوا بن بیٹھا۔ چنانچہ طیبہ کئی فریق ہو گئے۔ داؤدیہ، سلیمانیہ، علیہ، گوشیہ، ناگپوری۔ مگر ان میں ائمہ کی بابت کوئی اختلاف نہیں۔ داعیوں کی بابت اختلاف ہے، جو داعی داؤد بن عجب شاہ کے بعد سے شروع ہوا ہے۔“ (۹)

طیبی داعی مطلق حضرت داؤد بن عجب شاہ کے دور میں داعی کے صحیح تشکیل میں اختلاف کے باعث تقسیم ہوئے اور ہمیشہ کیلئے داؤدی اور سلیمانی کے ناموں سے دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ڈاکٹر زاہد علی اس تقسیم کو یوں لکھتے ہیں۔ ”چھبیسویں داعی سیدنا داؤد نے ۹۹۹ھ میں احمد آباد (ہندوستان) میں وفات پائی۔ آپ کے جانشین سیدنا داؤد بن قطب شاہ ہوئے جو اس وقت احمد آباد میں تھے لیکن سیدنا سلیمان بن حسن نے جن کو سیدنا داؤد بن عجب شاہ نے ”عامل“ کی حیثیت سے یمن بھیجا تھا، یہ دعویٰ کیا کہ نص مجھ پر ہوئی ہے۔ یمن کے اکثر باشندوں نے آپ کی تائید کی، جو سلیمانی کہلانے لگے اور ہندوستان کے اکثر اسماعیلیوں نے سیدنا داؤد بن قطب کی پیروی کی، جو داؤدی سے مشہور ہوئے۔ عقائد میں دونوں جماعتیں متفق ہیں اور شریعت کے ظاہری احکام کی پابند ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ سلیمانیوں کے پاس قائم القیامہ کا دور شروع ہو گیا ہے۔“ (۱۰) تاریخ شیعیت میں یہ تقسیم امامت کی تشکیل پر نہیں بلکہ نائب امام کی تشکیل پر وجود میں آئی تھی۔ یوں امام کی نیابت پر مذہب اسماعیلیت میں یوں پہلی تقسیم تھی، جو ابھی تک باقی ہے۔ اول الذکر گروہ داعی داؤد بن عجب شاہ کے بعد داعی داؤد بن قطب شاہ کو داعی مطلق تسلیم کیا اور ثانی الذکر کو اول الذکر کا جانشین تسلیم کیا۔ ثانی الذکر کے نام سے منسوب ہو کر



## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ کا تقابلی جائزہ ﴿باب چہارم﴾

یہ لوگ داؤدی بوہرے کہلائے جبکہ اس کے برعکس بعض طہیوں نے داؤد عجب شاہ کے بعد سلیمان بن یوسف کو ان کا جانشین تسلیم کرتے ہوئے داعی مطلق کا درجہ دیا۔ ان ہی کے نام سے منسوب ہو کر یہ لوگ سلیمانہ کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ یمن وغیرہ میں اب بھی بستے ہیں لیکن ان کی تعداد داؤدیہ کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ دونوں سلسلوں میں داعیوں کی ہی اطاعت کی جاتی ہے اور دونوں ہی داعی کے مقام کو امام کے مقام و منزلت کے مساوی تصور کرتے ہیں۔ داعی بھی منصوص ہوتا ہے، یعنی جس طرح شیعیت میں وجوب امامت کا طریق نص ہے، اسی طرح طہیوں کے نزدیک ہر داعی بھی منصوص ہوتا ہے۔ پھر یہ منصوص داعی اپنی حیات میں اپنے قائم مقام کا تعین کرتا ہے، وہی بعد میں ان کا جانشین ہوتا ہے۔ پس کوئی دوسرا اس منصب کو پانے کا حقدار نہیں ہوتا ہے۔ چاہے وہ منصوص داعی سے ہر حال میں افضل ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح داعی کے انتخاب کا حق بھی کسی کو نہیں حاصل، چاہے ایک بڑی تعداد کسی کو داعی منتخب کرے تو بھی وہ داعی کا درجہ نہیں پاسکتا ہے۔ پس طہیوں میں داعی منصوص ہوتا ہے اور امام کی طرح ہر زمانے میں ایک داعی ہوتا ہے۔ جس کے مختلف ممالک میں معاونین ہوتے ہیں، جو عامل کہلاتے ہیں۔ اب یہ طریقہ داؤدی فرقے میں کسی حد تک مورثی بن چکا ہے، داعی اپنے جانشین اپنے عزیزوں اور اقرباء میں سے کسی کو متعین کرتا ہے۔ یہاں تک کہ خود عاملین کی اکثریت بھی داعی کے عزیز و اقرباء یا داعی کے معتمد لوگ ہی ہوتے ہیں۔



(4/3) غیبت صغریٰ و غیبت کبریٰ

شیعہ اثنا عشریہ میں غیبت صغریٰ اور کبریٰ کی اصطلاحات بہت زیادہ مشہور

## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ کا تقابلی جائزہ ﴿باب چہارم﴾

ہیں کیونکہ جب تک حضرت مہدی ظہور نہیں فرماتے ہیں، تب تک وہ غیبت میں رہیں گے۔ احادیث اور روایات کے مطابق حضرت مہدی کی غیبت کے بارے میں تفصیلات موجود ہیں۔ یہاں تک کی آپ کی غیبت کے دواوار (غیبت صغریٰ و غیبت کبریٰ) اور ظہور کے بارے میں تفصیلات ملتی ہیں۔ یہ روایات اور احادیث کس حد تک صحیح ہیں، اس پر تبصرہ ایک طویل کام ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ بہت سے محققین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ پیدائش اور غیبت حضرت مہدی کے بارے میں جو روایت ملتی ہیں۔ ان روایات کو شیعہ محدثین نے اپنی کتب میں اپنے پانچویں اور چھٹے امام کے دور میں نقل کیا ہے۔ اگر اس اعتراض کو قبول کیا جائے تو پھر حضرت مہدی کی پیدائش اور غیبت کے بارے میں تفصیلات صحیح ثابت ہو جاتی ہیں کیونکہ مذکورہ دونوں ائمہ کا دور حضرت مہدی کی پیدائش سے ۱۵۰ سال پہلے کا ہے۔ اب اگر پیدائش اور غیبت کے بارے میں تفصیلات ان سے پہلے کے ائمہ نے مہیا کی ہیں تو یہ امر خود حضرت مہدی سے متعلق واضح ثبوت ہے۔

بہر حال شیعہ تمام اہل بیت سے حضرت مہدی کی غیبت میں روایات کو نقل کرتے ہیں۔ ان روایات کے مطابق حضرت مہدی کی غیبت کے دواوار ہیں۔ پہلا دور جس کی ابتداء ۲۶۰ھ سے شروع ہو جاتی ہے اور تقریباً ستر سال پر محیط ہے، اس دور کو ”غیبت صغریٰ“ کہا جاتا ہے۔ دوسرا دور جس کی ابتداء غیبت صغریٰ کے خاتمہ یعنی ۳۲۹ھ سے شروع ہوتی ہے اور جاری ہے، اس دور کو ”غیبت کبریٰ“ کہتے ہیں۔

۱۔ امام مہدی کی غیبت صغریٰ و کبریٰ کے بارے میں تفصیلات اور اس پر مزید تحقیقات کیلئے رضوانی صاحب کی کتاب ”شیعہ شناسی و پانچ بہ شہادت“ اور شیخ صدوق کی کتاب ”کمال الدین و تمام اللعۃ“ کی دوسری جلد کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔



## ﴿باب چہارم﴾

## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ کا تقابلی جائزہ

غیبت صغریٰ کے واقع ہونے کا مقصد اور فلسفہ یہ بتایا جاتا ہے کہ امام کو امامت سپرد کرنے سے پہلے ہی یہ مقدر ہو گیا تھا کہ وہ منظر عام پر ظاہر نہیں ہوں گے۔ جسمانی طور پر لوگوں سے دور اور قلب و عقل کے لحاظ سے ان کے قریب رہیں گے۔ اگر یہ غیبت اچانک ہوتی تو آپ کے چاہنے والوں کو بہت صدمہ ہوتا کیونکہ شیعہ ہر زمانے میں امام سے رابطہ قائم کرنے کے عادی ہو چکے تھے اور مختلف قسم کی مشکلوں کو حل کرنے کے سلسلہ میں ان سیر جوع کرتے تھے۔ پھر اگر امام اچانک اپنے شیعوں سے غائب ہو جاتے اور انہیں یہ محسوس ہو جاتا کہ روحانی و فکری قائد سے ان کا رابطہ منقطع ہو گیا ہے، تو اس غیبت سے بہت بڑا خلاء پیدا ہو جاتا۔ ممکن ہے کہ اسلام کے وجود ہی کیلئے خطرہ پیدا ہو جاتا اور تفرقہ پھیل جاتا۔ لہذا اس غیبت کیلئے تمہید ضروری تھی تاکہ آپ کے شیعہ رفتہ رفتہ غیبت سے مانوس ہو جائیں اور وہ تمہید یہی غیبت صغریٰ تھی، جس میں امام مہدی منظر عام سے پوشیدہ رہیں۔ اس دوران آپ کا تعلق اپنے شیعوں سے آپ کے وکیلوں اور چند معتبر لوگوں کے ذریعہ قائم رہا۔ غیبت صغریٰ کے دوران جن اشخاص کے ذریعہ امام کا تعلق امت سے رہا۔ شیعہ ان اشخاص کو نائبین امام یا نائبین خاص سے پکارتے ہیں۔ یہ کل چار افراد ہیں، جن کی پاکدامنی اور پاکبازی مسلم ہے۔ عثمان بن سعید العمری، محمد بن عثمان بن سعید العمری، ابوالقاسم الحسین بن روح اور ابوالحسن علی بن محمد السمری۔

یہ چار اشخاص بالترتیب نیابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ جب ان میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا تو آپ ان کی جگہ دوسرے کو نائب معین کر دیتے

۱۔ شیعہ اثنا عشریہ میں ان نائبین میں کوئی اختلاف نہیں اس لئے حوالوں کا محتاج نہیں ہے۔



## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ کا تقابلی جائزہ ﴿باب چہارم﴾

تھے۔ ان نائین کا کل زمانہ ستر سال پر محیط ہے، جو کم و بیش غیبت صغریٰ کا بھی زمانہ بن جاتا ہے۔ آخری نائب ابوالحسن علی بن السمری تھے، جنہوں نے غیبت صغریٰ کے خاتمہ کا اعلان کیا اور ان کے بعد غیبت کبریٰ شروع ہو گئی۔

شیعہ اثنا عشریہ کے نظریہ غیبت صغریٰ شیعہ طیبی کے نظریہ امامت سے کسی حد تک مماثل ہے کیونکہ جس طرح غیبت صغریٰ میں حضرت محمد مہدی کے متعین کردہ نائین ہوتے تھے، جن کا کل دور ستر سال کے لگ بھگ ہے، جس میں کل چار نائین گذرے ہیں۔ اسی طرح طیبی داعی بھی امام مستور کے نائب کی حیثیت سے متعین ہوتے ہیں اور ایک دور میں ایک داعی امام کی طرف سے متعین ہوتا ہے اور وہی امام القائم اور آپ کے ماننے والوں میں ذریعہ اور واسطہ قرار پاتا ہے۔ یاد رہے کہ طیبی اپنے داعیوں کو مرجع مطلق سمجھتے ہوئے ائمہ کی صفات ان میں ہونے کے قائل ہیں، سوائے یہ کہ داعی کیلئے عصمت کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ چونکہ حجت، مستودع یا داعی (متینوں سے مراد نائب امام ہیں) اگر امام القائم خود ان پر نص کرے تو وہ متعین اور خاص نائب کہلائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ دور صغریٰ میں حضرت مہدی کے نائبوں کو نائین خاص کہتے ہیں لیکن دور کبریٰ میں امام کی کسی نائب سے علی الاعلان ملاقات نہیں ہوتی ہے، اس لئے امام غائب کا کوئی مخصوص اور متعین نائب نہیں ہوتا ہے۔ فقہائے اسلام اپنی علمی استعداد کے ذریعے عملی طور پر اس مقام تک ضرور پہنچتے ہیں، جس کو شیعہ اثنا عشری مجتہد مطلق کا نام دیتے ہیں۔ معنوی طور پر خاص لوگوں کی ملاقات امام غائب سے ہونے کے بارے میں بہت سا مواد موجود ہے لیکن حتمی

۱۔ ان چاروں نائین کے بارے میں تفصیلات کو علی اصغر رضوانی کی کتاب ”سلسلہ مباحث مہدویت“ میں دیکھا جاسکتا ہے۔



## ﴿باب چہارم﴾

## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ کا تقابلی جائزہ

طور پر کوئی بھی انسان اعلان نہیں کر سکتا ہے کہ اس کی ملاقات ایک برنامہ کے تحت امام زمانہ یعنی امام غائب سے ہوتی ہے اور نہ امام غائب کا کوئی فرمان اس تک تحریری انداز میں پہنچتا ہے۔ مستعالیٰ شیعہ کے برعکس شیعہ اثنا عشری اپنے فقہاء میں کسی کو بھی منصوص من اللہ نہیں تصور کرتے ہیں۔ البتہ مستعالیہ ہی کی طرح جو علماء مجتہدین کے رتبے کو پہنچتے ہیں، انہیں شیعہ نائب امام کہتے ہیں۔ نائب امام ماننے کے باوجود یہ لوگ نہ تو امام الوقت کی طرف سے منصوص ہوتا ہے اور نہ ہی معصوم عن الخطاء ہے اور نہ اللہ نے انہیں وہ اختیارات عطا کئے ہیں، جو اختیارات امام من جانب اللہ امام کو حاصل ہوتے ہیں۔ یعنی جس قدر ائمہ اہل بیت کے لئے اللہ کی طرف سے ولایت تکوینی عطا کی گئی ہے، فقہاء کو وہ ولایت (تکوینی) نہیں ملی۔ شیعہ اپنے فقہاء میں ان خصوصیات کے ہونے کے قائل نہیں، جو خصوصیات ائمہ اہل بیت کے لئے ہوتی ہیں لیکن اس کے باوجود یہ لوگ اپنے فقہاء کی ولایت تشریحی کو قبول کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے کہ ولایت فقیہ کا مسئلہ امامت کی بحث سے مربوط ہے، کچھ اس مسئلہ کو علم کلام سے بھی مربوط کرتے ہیں۔ علم کلام سے مراد وہ علم ہے کہ جو اصول دین کے بارے میں بحث کرتا ہے۔ علم کلام میں نبوت کی بحث کے بعد یہ سوال پیش آتا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد اسلامی معاشرے کی رہبری کس کا کام ہے۔ اس کے جواب میں شیعہ امامت کو علم کلام میں شامل کرتے ہیں۔ امامت کے اثبات کے بعد یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ اس زمانے میں کہ جب امام زمانہ حاضر نہ ہوں تو امت اسلامی کی رہبری کرنا کس کا حق ہے۔ اسی سوال کے جواب میں ولایت



## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ کا تقابلی جائزہ ﴿باب چہارم﴾

فقیہ کی بحث پیش آتی ہے۔ اس حوالے سے شیعہ اسماعیلیہ (موجودہ) کیلئے ولایت فقیہ کی ضرورت نہیں پیش آتی ہے، کیونکہ ان کے امام زمانہ حاضر ہیں، جو رسول اکرم ﷺ کے بعد شیعہ اسماعیلیہ کی رہبری اور قیادت کر رہے ہیں۔ البتہ حاضر امام کے نائبین (داعی، واعظ، عامل، جیسی اصطلاحات نائب امام کیلئے مستعمل ہیں) مختلف ملکوں اور شہروں میں متعین ہیں، جو امام کے احکامات کے تحت لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ شیعہ زاریہ کو فقہاء اور مجتہدین کی طرف راجع ہونے کی قطعاً ضرورت پیش نہیں آتی ہے، کیونکہ ان کی رہنمائی بلا واسطہ خود امام الوقت ہی کر رہا ہوتا ہے۔ اس لئے شیعہ اسماعیلیہ دین کی تشریح میں کلی طور پر اپنے زمانے کے امام کے محتاج ہیں اور ایسا ہونا عقیدہ امامت کے حاملین کیلئے بھی ضروری ہے۔ البتہ حاملین امامت کے درمیان امام کی تعریف، مفہوم اور مصداق کے مفہوم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ شیعہ اسماعیلیہ زاریہ کے نظریہ امامت کی طرح شیعہ مستعالیہ کیلئے بھی فقہاء کی ضرورت پیش نہیں آتی ہے کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق ان کے داعین بھی امام کی طرف سے منصوص ہوتے ہیں۔ اب اگر یہ قبول کیا جائے کہ امام نے ہی فلاں شخص کو متعین کیا ہے تو پھر اس شخص کی شخصیت پر کسی طرح کا اعتراض کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے۔ خود شیعہ اثنا عشریہ کے نظریہ غیبت صغریٰ میں امام کی طرف سے جو نائبین متعین تھے۔ شیعہ اثنا عشری ان نائبین کی اطاعت کرنے کے پابند تھے، لہذا اس بحث کے بغیر کہ داعین امام کی طرف سے منصوص ہیں یا نہیں۔ اگر منصوص قبول کیا جائے تو پھر ان کی اطاعت کلی ان کے ماننے والوں پر لازم آتی ہے۔ شیعہ



## ﴿باب چہارم﴾

## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ کا تقابلی جائزہ

مستعالیہ اور نزاریہ کے برعکس شیعہ اثنا عشریہ اپنے فقہاء کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہیں لیکن ساتھ ہی فقہاء نہ تو امام کی طرف سے متعین ہوتے ہیں اور نہ ہی معصوم ہوتے ہیں۔ امام کی غیر موجودگی میں امام کی نیابت ضروری ہونے کے عمومی شیعہ عقیدہ کے تحت ان فقہاء کی ولایت امامت سے مربوط ہوتی ہے اور شیعہ عوام پر ولی فقیہ کے حکم پر عمل کرنا واجب ہے لیکن خود شیعہ اثنا عشریہ میں ولی فقیہ کی ولایت کے مفہوم میں کافی اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ ولی فقیہ کے اختیارات کیا ہونے چاہیں؟ اس کے اختیارات کے حدود کیا ہیں؟ چونکہ اثنا عشری نظریہ کے مطابق فقہاء امام کی طرف سے منصوص نہیں ہوتے ہیں، اس لئے ولایت فقیہ کی بحث میں تحقیق ضروری ہے۔



شیعہ اثنا عشریہ کے برعکس شیعہ مستعالیہ اپنے تمام داعیوں کے بارے میں خاص اور متعین نائب امام ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں کیونکہ ائمہ مستورین میں پہلے مستور امام نے اپنے نائب کا تعین کیا تھا۔ اس کے بعد امام دور ستر میں چلے گئے اور دور ستر میں ائمہ کا سلسلہ جاری و ساری ہے لیکن ان ائمہ کا اپنے شیعوں سے علی الاعلان ملاقات ہونا تو ممکن نہیں لیکن داعی اول نے امام کی تائید ہی سے اپنے قائم مقام کا اعلان کیا تھا۔ یوں داعیوں کا سلسلہ جاری و ساری ہے اور تمام داعی متعین اور خاص ہیں۔ یہ بات بھی ذہین نشین رہے کہ شیعہ اثنا عشریہ اور طیبیہ کے نظریہ غیبت امام میں ایک بنیادی فرق پایا جاتا ہے کہ شیعوں کا آخری امام اپنی غیبت میں حکم الہی سے زندہ ہے اور وہی قائم القیامت ہے اور شیعہ آپ کی رجعت اور ظہور کا عقیدہ رکھتے ہیں جبکہ اس کے

## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ کا تقابلی جائزہ ﴿باب چہارم﴾

برعکس طبّی نظریہ غیبت امامت میں امام طیب جو سب سے پہلے پردہ غیب میں چلے گئے ہیں، وہ دور ستر میں اپنی فطری زندگی گزارنے کے بعد حالت ستر میں ہی وفات پا چکے ہیں۔ یوں سلسلہ امامت دور ستر میں جاری و ساری ہے۔ ایک نظریہ کے مطابق دور ستر کا سواں امام جو ہوگا، وہی ظہور فرمائے گا اور وہی قائم القیامہ ہوگا۔ یوں شیعہ کے یہ دونوں فرقے نظریہ غیبت کے قائل ہیں لیکن مفہوم غیبت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ طبّی امام کے ظہور سے مراد یوم القیامہ لیتے ہیں یعنی قیامت کے روز امام ظہور فرمائیں گے اور قیامت برپا ہوگی۔ قائم القیامہ امام دور ستر کے سویں امام ہوں گے۔ ظہور امام مہدی کی تطبیق میں شیعہ اسماعیلیہ ائمہ فاطمین مصر کا ظہور لیتے ہیں۔ ان تمام روایات اور عقائد میں جو بالعموم تمام مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں۔ اسماعیلیہ ان کا مصداق چند تاویلوں کے ساتھ فاطمین مصر کے پہلے امام حضرت عبداللہ المہدی کو قرار دیتے ہیں۔ لہذا اسماعیلیت (طبّی و آغا خانہ) کے نزدیک ظہور امام کا عقیدہ اس تناظر میں نہیں ہے کہ یوم القیامہ سے پہلے امام ظہور فرمائیں گے اور ایک عادلانہ حکومت قائم کریں گے۔ جبکہ اس کے برعکس شیعہ اثنا عشریہ کے نظریہ کے مطابق حالت غیبت میں ایک ہی امام ہوں گے، جو گیارہویں امام حضرت حسن عسکری کے بیٹے حضرت محمد المہدی ہیں، جو حکم الہی سے قیامت سے پہلے اسی دنیا میں ظہور فرمائیں گے اور ایک عادلانہ عالمی حکومت قائم کریں گے۔

یاد رہے کہ شیعہ اپنے امام کی ان دونوں غیبتوں (صغریٰ و کبریٰ) کے ثبوت کیلئے رسول اللہ سے بہت ساری احادیث اور ائمہ اہل بیت سے متعدد



روایات بھی نقل کرتے ہیں۔

شیعہ عقیدہ کے مطابق حضرت مہدی کے غیبت کبریٰ میں کوئی معین اور مشخص شخص ایسا نہیں ہے۔ جو امام اور امت کے درمیان واسطہ قرار پائے کیونکہ غیبت کبریٰ اختیار کرنے کے بعد حضرت مہدی کا امت سے رابطہ کا باضابطہ کوئی طریقہ موجود نہیں ہے۔ البتہ شیعہ نظریہ امامت کے مطابق ہر شیعہ کا امام زمانہ سے ایک وجدانی تعلق ہوتا ہے۔ امام بحکم خدا اپنے ماننے والوں کے نیک کاموں میں شرکت کرتا ہے۔ مزید یہ کہ اگر وہ امام غائب (زمانہ) کی معرفت کو اپنے اندر پیدا کر لے تو پھر اس کی امام سے ملاقات بھی ممکن ہے۔ اس حوالے سے تاریخ تشیع میں متعدد واقعات موجود ہیں۔ بہر حال ہم غیبت صغریٰ کو غیبت کبریٰ کا مقدمہ اور تمہید کہہ سکتے ہیں کیونکہ اول الذکر غیبت کے ذریعے امامت کے قائلین کو غیبت کبریٰ کے لئے تیار کرنا تھا۔ اب نیابت خاصہ سے شیعیت کو نیابت عامہ کی طرف رجوع کرنے کو کہا گیا۔ اس طرح خاص نائبوں کے بجائے عام نائبوں یعنی جامع الشرائط مجتہد نائب مقرر ہوئے۔ اس طرح غیبت صغریٰ غیبت کبریٰ میں تبدیل ہو گئی۔ یوں یہ ایک واضح فرق شیعہ اثنا عشریہ اور شیعہ اسماعیلیہ طیبیہ میں سامنے آتا ہے کہ طیبیوں کے نائب امام متعین اور مخصوص ہوتے ہیں اور ہر زمانے



۱۔ شیخ صدوق اپنی مشہور کتاب ”کمال الدین و تمام النعمۃ“ میں حضرت محمد بن حسن عسکری کی دونوں غیبتوں کے بارے میں ائمہ اہل سے مروی تمام روایات کو نقل کرتے ہیں۔ تفصیل کیلئے اس کتاب کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔ دور حاضر کے شیعہ لہجائی مشہور مورخ ہاشم معروف نے اپنی کتاب ”سیرت ائمہ اہل بیت“ جلد دوم میں متعدد احادیث کو درج کرتے ہوئے کافی مستند تفصیلات فراہم کی ہیں، جس کا اردو میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ اسی طرح حوزیہ علیہ قم کے مصنفین کی ایک جماعت نے عقیدہ مہدویت ایک تحقیقی کتاب ”مہدویت نامہ“ تحریر کی ہے جس کو المصطفیٰ جلی کیشنر لاہور نے چھاپا ہے، اس موضوع پر یہ ایک عمدہ کتاب ہے۔

## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ کا تقابلی جائزہ ﴿باب چہارم﴾

میں ایک ہی نائب امام ہوتا ہے۔ وہ ہی دین و دنیا میں مرجع مطلق ہوتا ہے اور اس کی اطاعت ہر طبی پر لازم ہے اور یہی شخصیت دنیا میں حجت خدا ہوتی ہے جبکہ اس کے برعکس شیعہ اثنا عشریہ میں نائب امام منصوص من اللہ نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی معصوم ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی اطاعت واجب ہوتی ہے۔ دنیا میں اصل حجت امام کی ذات مبارکہ ہی ہوتی ہے اور اسی کی اطاعت واجب ہوتی ہے۔ البتہ امام الوقت کے حکم کے مطابق نائب امام بھی حجت خدا ہوتا ہے اور اس کی اطاعت بھی لازم ہے۔ یہی وجہ نظر آتی ہے کہ ایک عام شیعہ کیلئے لازم ہے کہ وہ کسی فقیہ عالم مجتہد کی تقلید کرے، ورنہ اس کے اعمال اکارت جائیں گے۔ اسی تناظر میں شیعہ اثنا عشریہ میں علماء کی قیادت اور تقلید کا ایک مروجہ نظام ہے۔ صاحب اعلام الہدایۃ تحریر کرتے ہیں۔ ”ان مرجعة العلماء و قیادتهم للشیعة بعد الغیبة الکبریٰ التی ابتدئت عام (۳۲۹ھ) بوفاة الوکیل الرابع للامام المہدیؑ کانت تاسیساً حیویاً من قبل الائمة المعصومینؑ و بامر من اللہ و رسولہ، فہم الذین امروا الشیعة بالرجوع الی العلماء الفقہاء الذین تربوا فی مدرستہم الرسالیۃ لاخذ معالم دینہم عنہم، و هذا المفہوم قد اعطاه الامام الصادقؑ صبغته التشريعیۃ بقولہ : ینظر من کان منکم ممن قد روى حدیثنا فی حلالنا و حرامنا و عرف احکامنا، فلیرضوا بہ حکماً فانی قد جعلتہ علیکم حاکماً، فاذا حکم بحکمنا فلم یقبل منہ، فانما استخف بحکم اللہ و علینا رد، و الراۃ علینا راۃ علی اللہ و هو علی حدّ الشریک باللہ. (۱۱) علماء کی قیادت اور مرجعیت غیبت کبریٰ





## ﴿باب چہارم﴾

## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ کا تقابلی جائزہ

کے (فوراً) بعد سے شروع ہو گئی۔ جس (غیبت کبریٰ) کی ابتداء ۳۲۹ ہجری میں امام مہدی کے چہارم (آخری) وکیل کی وفات سے ہوئی۔ اس کی بنیاد اللہ اور اللہ کے آخری رسول کے حکم سے ائمہ معصومین نے رکھی ہے۔ جنہوں نے شیعوں کو ان فقیہ علماء کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا، جنہوں نے مدارس قائم کر کے علم دین حاصل کرنے کا انتظام کیا۔ یہ وہ نظام تھا جس کی وضاحت امام صادقؑ نے یوں کی ہے: تم میں سے ہر ایک اس کی پیروی کرے جو حلال اور حرام میں ہماری حدیثوں کو نقل کرتا ہے اور ہمارے احکام کے بارے میں جانتا ہو، پس اس کے حکم پر تم راضی رہنا۔ پس اگر انہوں نے ہمارے احکام سے حکم کرے اور کسی نے ان کے حکم کو قبول نہیں کیا تو پس نے اللہ کے حکم کو چھپایا اور ہمیں رد کیا۔ ہمیں رد کرنا اللہ کو رد کرنا ہے اور (اللہ کو رد کرنا) شرک کے برابر ہے۔“



یوں شیعہ اثنا عشریہ میں امام کی غیبت کے دوران عالم جامع الشرائط کی تقلید کی جاتی ہے اور یہ نظام تا ہنوز ان کے یہاں جاری و ساری ہے۔

## (4/4) نظریہ اظہار اور ستر

حضرت مہدی کے غیب میں جانے اور یا نہ جانے کو مذہب اسماعیلیہ اظہار اور ستر کی اصطلاحات سے یاد کرتے ہیں۔ یہ وہ خاص اصطلاحات ہیں، جن کی بنیاد فلسفیانہ اسحاق پر مبنی ہے۔ جس کی وجہ سے تاریخ اسماعیلیت کے پڑھنے والوں کو اظہار و ستر اور اس سے متعلق دیگر اصطلاحات مثلاً دعوت، داعی، حجت، باب الابواب، حجت البالغہ، باب الابلاغ، دور کشف، دور فترت، وغیرہ کے سمجھنے میں دشواریاں پیش آتی ہیں۔ ہم نے ان فلسفیانہ اسحاق کی تفصیل میں جائے، بغیر

## ﴿باب چہارم﴾

## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ کا تقابلی جائزہ

صرف یہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ ان ابحاث میں دور کشف، دور فطرت اور دور ستر کی کیا حیثیت ہے؟

کشف، فطرت، ستر تینوں عربی زبان کے الفاظ ہیں۔ کشف کے معنی ”کھولنا، واضح کرنا اور نتیجہ اخذ کرنے“ کے ہیں اور فطرت کے معنی ”مرجھا جانا، کمزور ہونا، سستی اور غفلت کرنے“ کے ہیں۔ اسی طرح ستر کے معنی ”چھپا ہوا، خفیہ یا دبے رہنے“ کے ہیں۔ طیب علی بھائی کریم جی علوی ان تینوں ادوار پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ ”اس بات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ دور کشف میں انسان کی ذہانت اور فطانت ستاروں کی طرح تابناک تھی اور انسان انتہائی عروج پر پہنچ چکا تھا۔ یہ کرشمہ قدرت کچھ عرصے رہا۔ قانون الہی کی تعمیل کرتے کرتے انسان اکتا گیا اور انسانی طاقت و قوت زوال پزیر ہو گئی۔ اس زمانے کا انسان کامل، فہم و دانائی کا قاطع اور وسطیٰ افریقہ کے باشندوں کی طرح کم زاد ہو گیا۔ لہذا ان کو ان کے خواب غفلت سے بیدار کرنے اور کشف کے دور کیلئے ان کو تیار کرنے کیلئے پیغمبر اور دین وجود میں آئے۔ دور کشف جو پچاس ہزار سال پر مبنی تھا، گزر چکا۔ اس کے بعد دور فطرت جو تین ہزار سال پر مشتمل تھا، گزر چکا۔ پھر دور ستر آیا، جو اب آخری الام و مصائف کے لمحات سے دو چار ہے اور اس وقت علماء حقہ باطنی انداز میں دور کشف کی آمد کیلئے تیاریوں میں مصروف ہیں۔ (۱۲)

اسماعیلی نظریہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے تمام مخلوق کو ایک ساتھ پیدا کیا۔ پھر اس مخلوق نے مختلف ادوار میں اپنی صورتوں کو ظاہر کیا۔ ان کو اسماعیلیت دس مختلف عقول میں تقسیم کرتے ہیں، انہیں عقول عشرہ بھی کہہ سکتے



## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ کا تقابلی جائزہ ﴿باب چہارم﴾

ہیں۔ عقل عاشر کے ظہور کے ساتھ ہی زمین و آسمان کی خلقت مکمل ہوئی ہے۔  
 ان تمام عقول میں ہم صرف عقل عاشر کو قدرے تفصیل سے بیان کریں گے تاکہ ادوار ثلاثہ کو سمجھنے میں آسانی ہو سکے۔ ائمہ کی بحث کا تعلق بھی عقل عاشر سے ہے کیونکہ عقل عاشر کے ظہور کے ساتھ ہی بشری شخصیت کا ظہور ہوا، جس کو آدم اول بھی کہا جاتا ہے۔ عقل عاشر کے ظہور کے ساتھ تخلیق کائنات ہوئی اور دنیا میں اٹھائیس بہترین اشخاص اور صاحب جشہ ابداعیہ بھی پیدا ہوئے، جس کی تفصیل ڈاکٹر زاہد علی یوں لکھتے ہیں۔ ”بہترین انسان دنیا کے بہترین مقام سرندیپ (موجودہ سر لنکا) میں ظاہر ہوئے۔ ان لوگوں میں سب سے اچھے اٹھائیس اشخاص تھے، جن میں سے صرف ایک شخص کو بغیر کسی الہام کے اپنے خالق کا خیال پیدا ہوا۔ اس نے اپنے معبود کی توحید کی۔ عقل عاشر نے اسے تائید بخشی اور اس کو ان تمام لوگوں کا سردار بنایا جو اس کے ساتھ پیدا ہوئے تھے۔ اس شخص کا نام صاحب جشہ ابداعیہ ہے اور یہ تمام موجودات کا خلاصہ اور زبدہ ہے۔ اس کا درجہ جسمانی عالم میں وہی ہے، جو عقل اول کا روحانی عالم میں ہے، اسے آدم اول بھی کہتے ہیں۔ عقل عاشر کی تائید حاصل ہوتے ہی اسے ”ماکان وما یکون“ کا علم حاصل ہو گیا۔ اب اس نے اپنے ساتھ کے ستائیس اشخاص کو دعوت دینی شروع کی۔ ان لوگوں نے اس کی دعوت کا جواب دیا اور اس کے مددگار بن گئے۔ ان مددگاروں کو اسماعیلی اپنی اصطلاح میں دعوت کے حدود کہتے ہیں۔ اس کا واحد ”حد“ ہے۔ گویا دعوت کے ہر رکن کے چند فرائض اور حقوق ہیں جن کے حدود سے متجاوز نہیں ہو سکتا۔ اس لئے دعوت کا ہر رکن

۱۔ عقول کی اس فلسفیانہ بحث کی تفصیل کو ڈاکٹر زاہد علی کی کتاب تاریخ فاطمین مصر کے فصل ۳۲ میں دیکھا جاسکتا ہے۔



## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ کا تقابلی جائزہ ﴿باب چہارم﴾

حد کہا جاتا ہے۔ صاحب جثہ ابداعیہ اور اس کے ستائیس مددگار ”اولو العلم“ کہلاتے ہیں، جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ (شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ) (یہاں اللہ سے عقل اول، ملائکہ سے نو عقول مجردہ اور ہر ایک کے دائرہ میں جتنے عقول ہیں اور اولو العلم سے صاحب جثہ ابداعیہ اور اس کے ستائیس حد و مراد ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے: بارہ نہاری جتیں، بارہ لیلیٰ جتیں، داعی، ماذون اور مکاسر۔ زمین بارہ حصوں میں تقسیم کی گئی، جو جزیرہ کہے جاتے ہیں۔ ہر جزیرے میں ایک نہاری جت بھیجا گیا تاکہ وہ لوگوں پر رحمت قائم کر لے۔ بارہ اشخاص لیلیٰ جتیں مقرر کئے گئے، جنہیں صاحب جثہ ابداعیہ نے اپنے جزیرے میں رکھا تاکہ وہ لوگوں کو علم باطن کی تعلیم دیں۔ ان بارہ جتوں میں جو بہترین شخص تھا، وہ باب مقرر کیا گیا، جسے باب الالبوب بھی کہتے ہیں۔ اسی کے ذریعے امام کی حضرت میں باریابی حاصل ہو سکتی ہے۔ داعی لوگوں کو امام کی طرف بلاتا ہے۔ ماذون ان سے عہد و میثاق لیتا ہے اور مکاسران کے باطل مذہبوں کو رد کر کے اپنا مذہب بتاتا ہے۔ ہر حد ترقی کا سلسلہ منبجث اول یا عقل ثانی کے دائرے تک ہوتا ہے، جو ترقی کی انتہا اور معراج ہے۔ عقل اول کا درجہ کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ جو شخص داعی کی دعوت کا جواب دیتا ہے، اسے مستجیب کہتے ہیں۔ دعوت میں داخل ہوتے ہی اس کے نفس سے نقطہ نور متصل ہوتا ہے۔ جس قدر وہ عمل اور علم میں ترقی کرتا جاتا ہے اسی قدر یہ نقطہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ انتقال کے وقت اس کا نفس اس نقطے سے روشن ہو جاتا ہے، یہ روشن نفس دوسرے ایسے مستجیب کے نفس کے ضمن میں جا کر ٹہرتا ہے، جو علم و عمل میں اس سے بڑھ کر ہو۔ یہی اس کی



دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ کا تقابلی جائزہ ﴿باب چہارم﴾

جنت ہے۔ جب اس دوسرے نفس کے ذریعے پہلا روشن شدہ نفس ترقی کرتا جاتا ہے۔ جب اس سے دوسرے نفس کے انتقال وقت قریب آتا ہے تو یہ دونوں نفس ایک دوسرے سے مل کر تیسرے ایسے مستحیب کے ضمن میں جا کر ٹھہرتے ہیں، جو ان دونوں سے علم و عمل میں بڑھ کر ہو۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے دعوت کے حدود کو طے کر کے تمام نفوس امام میں جمع ہوتے ہیں۔ ان کے مجموعے کا نام ”لاہوت“ ہے۔ امام کے انتقال کے وقت یہ نفوس اس کے نفس کے ساتھ عقلِ عاشر کے افق میں پہنچ جاتے ہیں۔ اخوان الصفاء کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین اور خدا کے اولیاء صالحین کے نفوس بھی ان کے اجسام کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

----- ہر دس ہزار برس میں ایک قائم القیمۃ کا ظہور ہوتا ہے جو انتقال کر کے عقلِ عاشر کا خلیفہ بنتا ہے اور عقلِ عاشر جس طرح ہم نے ابھی بیان کیا ہے، ترقی پاتے ہیں۔ صاحبِ جنۃ ابداعیہ کے زمانے سے جو دور شروع ہوتا ہے وہ ”دور کشف“ کہلاتا ہے۔ اس دور میں امام ظاہر ہوتا ہے۔ تمام زمین پر اس کی حکومت ہوتی ہے۔ علم باطن چھپایا نہیں جاتا بلکہ کھلم کھلا بیان کیا جاتا ہے۔ لوگ متقی اور پرہیزگار نکلتے ہیں۔ اس دور کی مدت پچاس ہزار برس ہوتی ہے۔ اس میں جو امام ظاہر ہوتے ہیں، وہ مستقرین کہے جاتے ہیں۔ اس دور کے ختم ہونے پر دین میں آہستہ آہستہ کمزوری کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ ائمہ کے اضداد کا غلبہ بڑھتا جاتا ہے۔ تقریباً تین ہزار برس تک یہی حالت رہتی ہے۔ اس دور کو ”دور فترت“ کہتے ہیں۔ اس کے بعد ”دور ستر“ شروع ہوتا ہے۔ جو دور کشف کے بالکل برعکس ہوتا ہے یعنی اس میں امام مخفی ہو جاتا ہے۔ اس کے دشمن اس کا حق چھین لیتے



## ﴿باب چہارم﴾

## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ کا تقابلی جائزہ

ہیں۔ دین دار لوگوں کی تعداد کم ہو جاتی ہے۔ فسق و فجور پھیل جاتا ہے۔ یہ دور سات ہزار برس تک رہتا ہے۔ اس دور میں کبھی کبھی مستقر امام ظاہر ہوتے ہیں، جس طرح فاطمین مصر کا ظہور ہوا۔ اس کی ابتداء آدم سے ہوئی، جو اس دور کے پہلے نبی ہیں۔ (آدم سے پہلے دور فترت تھا آدم دور ستر کے پہلے مستقر امام ہیں) دور ستر میں مستقر امام خدا کے الہام سے حسب ضرورت اپنی جگہ پر اپنے نائبوں کو مقرر کرتا ہے، جو مستودع یعنی انبیاء کہے جاتے ہیں اور جن میں مشہور آدم، نوح، موسیٰ، اور عیسیٰ ہیں اور خود عوام کی نظروں سے پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ جب مناسب سمجھتا ہے، تو خود بھی کبھی کبھی ظاہر ہوتا ہے۔ مگر اس کا ظہور کلی نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ بعض مقامات پر ظاہر ہوتا ہے، جس طرح حضرت ابراہیم کا ظہور شام میں ہوا۔ آپ اپنے زمانے کے مستقر امام بھی تھے یعنی ظاہری شریعت کے علاوہ علم باطن کے بھی مالک تھے۔ آپ کی ذریت میں مستقر اماموں کا سلسلہ حضرت عبدالمطلب تک پہنچا۔ ان کے دو فرزند ہوئے، ایک حضرت عبداللہ جنہیں عبدالمطلب نے ظاہری دعوت کا صدر بنایا اور دوسرے حضرت ابوطالب جنہیں حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابوطالب کے جانشین حضرت علی ہوئے یعنی ہر بیٹے کو اپنے باپ کی وراثت ملی۔ اسی وجہ سے حضرت رسول خدا شریعت ظاہری کے مالک اور حضرت علی دعوت باطنی کے صدر قرار پائے۔ حضرت علی کی نسل سے قیامت تک ائمہ قائم ہوں گے۔ آخری امام قائم القیامہ ہوگا، جو دور کشف کا پہلا امام ہوگا۔ اس کے بعد پھر دور فترت اور اس کے بعد دور ستر واقع ہوگا۔ جب تک کہ جسمانی عالم کے تمام گنہگار نفوس نجات نہ پائیں۔ گویا دنیا کے ختم ہونے تک پہلا انسان یعنی صاحب جثہ ابداعیہ ہی کی نسل



## ﴿باب چہارم﴾

## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ کا تقابلی جائزہ

میں امامت کا سلسلہ باقی رہے گا۔ (۱۳)

بحث کا سیر حاصل یہ ہے کہ اسماعیلیہ (بالخصوص بوہرا) مذہب کے مطابق ائمہ کیلئے تین بنیادی ادوار ہیں۔ ان ادوار میں سے ایک دور کشف ہے۔ اس دور کا کل دورانیہ ۵۰ ہزار سال ہوتا ہے۔ اس دور میں جو امام ظاہر ہوتا ہے، وہ امام مستقر ہوتا ہے۔ ادوار ثلاثہ میں سے دوسرا دور ”دور فترت“ کہلاتا ہے۔ اس کا کل دورانیہ تین ہزار سال ہے۔ یہ دراصل دور کشف سے دور ستر کی تبدیلی کے دوران جو عرصہ گزرتا ہے، اس کا نام ہے۔ اس میں امام کے دشمنوں کا غلبہ رہتا ہے۔ آخری اور اہم دور ”دور ستر“ ہے، جس کا دورانیہ سات ہزار سال ہے۔ اس دور میں امام مخفی اور مستور رہتا ہے۔ البتہ امام مستور کے قائم مقام امامت کے منصب کو سنبھالتے ہیں، جنہیں امام مستودع کہا جاتا ہے۔ اس دور میں امام مستور امام مستودع کا تعین حکم الہی سے کرتا ہے۔ یوں ان تینوں ادوار کا کل دورانیہ ۶۰ ہزار سال بنتا ہے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ دور ستر میں ائمہ مخفی رہتے ہیں لیکن موجودہ مذہب اسماعیلیہ اپنے ائمہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ دور ستر میں ائمہ مستقرہ ظاہری حکومت کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ فاطمین مصر میں ائمہ ظاہر ہوئے تھے یعنی دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ یہ تین ادوار کی فلسفیانہ اہمیت ضرور ہوگی لیکن امام ان ادوار کا محتاج نہیں ہے۔ اسی وجہ سے دور ستر میں بھی امام دور کشف کی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ دور حاضر میں اسماعیلیہ مستعالیہ اپنے امام کے ستر میں ہونے کے قائل ہیں جبکہ اسماعیلیہ نزاریہ کے نزدیک امام ان ادوار میں سے کسی دور کا محتاج نہیں ہوتا ہے۔ نزاریہ ان ادوار کو اب کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے ہیں۔ جدید کتب میں ان ادوار کے بارے



## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ کا تقابلی جائزہ ﴿باب چہارم﴾

میں کوئی وضاحت نہیں ملتی ہے، البتہ قدیم اسماعیلیہ ماخذ میں ان ادوار کے بارے میں بہت مواد ملتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تمام مسلمان فرقوں کے نزدیک ظہور امام مہدی پر ایمان لانا واجب ہے۔ تمام مسلمانوں میں ہر زمانے میں یہ بات مسلم رہی ہے کہ آخری زمانے میں خاندان اہل بیت میں سے ایک شخص کا ظہور ہوگا، جو دین کو تقویت پہنچائے گا اور انصاف پھیلانے گا۔ مسلمان اس کے تابع ہوں گے اور وہ تمام اسلامی ممالک پر غالب ہو جائے گا۔ مسلمان اسے ”مہدی“ کہتے ہیں۔ مہدی کے دجال کا اور قیامت کی دیگر ان شرطوں کا ظہور ہوگا، جن کا ثبوت صحیح حدیثوں سے ملتا ہے اور مہدی کے بعد عیسیٰ آسمان سے اتریں گے اور نماز میں آپ کی اقتداء کریں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔ مسلمانوں کا امام مہدی کے بارے میں حدیثوں سے استدلال ہے، جن کو ائمہ اپنی اپنی کتابوں میں لائے ہیں۔ جس طرح تمام مسلمانوں میں یہ ایک مسلم اور متفقہ عقیدہ ہے، اسی طرح شیعہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ (نزاریہ و مستعلیہ) بھی حضرت امام مہدی کا عمومی عقیدہ رکھتے ہیں۔ غیر شیعہ مسلمان حضرت مہدی کے صرف ظہور کا عقیدہ رکھتے ہیں جبکہ تمام شیعہ فرقے حضرت امام مہدی کی پیدائش کو تسلیم کرتے ہوئے ان کی غیبت اور ظہور دونوں کا عقیدہ کے حامل ہیں۔ البتہ امام مہدی کی ذات اور غیبت کے مصداق میں مختلف النظر ہیں۔ شیعہ اثنا عشریہ حضرت محمد بن حسن عسکری کو امام مہدی کا مصداق قرار

۱۔ مندرجہ بالا تمام بحث کو ہم نے ڈاکٹر زاہد علی کی کتاب ”تاریخ فاطمین مصر“ کے جلد دوم اور طیب علی بھائی کریم جی علوی کی کتاب ”احوال الانبیاء“ سے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ زیادہ تفصیل کے لئے اسماعیلیہ کی مشہور اور اہم کتاب ”رسائل اخوان الصفا“ کی (۳-۷۰) کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔



## ﴿باب چہارم﴾

## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار خلافت کا تقابلی جائزہ

دیتے ہوئے، ان کی غیبت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور ظہور کے منتظر ہیں۔ شیعہ اسماعیلیہ نزاریہ حضرت عبید اللہ المہدی کو امام مہدی کا مصداق قرار دیتے ہوئے فاطمین مصر سے پہلے کے دور کو ان کی غیبت کا دور اور مصر میں ان کی امامت کو ظہور امام کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ شیعہ اسماعیلیہ مستعالیہ حضرت طیب بن حاکم کو امام مہدی کا مصداق قرار دیتے ہوئے، ان کی غیبت کا قائل ہیں۔ البتہ دور غیبت و ستر میں ان کی نسل میں امامت کے اجراء کے قائل ہیں۔ علاوہ ازیں دور ستر میں نسل امامت کے تسلسل میں کوئی بھی امام بحکم خدا ظہور فرما سکتا ہے لیکن قوی امکان یہی ہے کہ روز قیامت دور ستر کے سویں امام ہوں گے، جو ظہور فرمائیں گے۔ یوں شیعہ امام مہدی کی پیدائش کے تو قائل ہیں لیکن مصداق اور ظہور کی تفصیلات میں اختلاف رکھتے ہیں۔



## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار مثلاً شکار تقابلی جائزہ

(باب چہارم)

### حوالہ جات

- (۱) ثقلین سہ ماہی، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸ء، ص ۲۸، عالمی مجلس اہل بیت  
پوسٹ بکس نمبر ۱۶۱۳ اسلام آباد، بحوالہ، ابن ماجہ
- (۲) ایضاً، ص ۲۸، بحوالہ، محمد برزنجی، کتاب الاشاعت
- (۳) ایضاً ص ۲۸، ۳۲
- (۴) احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل ج ۱/۳، ۹۹/۱، ۷۰، ۷۱، ۷۲
- (۵) سورہ انبیاء آیت ۱۰۵۔ سورہ قصص آیت ۵
- (۶) شیخ مفید، کتاب الارشاد، ص ۴۵۱، مترجم علامہ صفدر حسین  
نجفی، امامیہ پبلیکیشنز اسلام پورہ، لاہور، اشاعت سوئم ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ
- (۷) صدوق، ابی جعفر محمد بن علی بابویہ قمی، کمال الدین و تمام النعمۃ، ج ۲،  
گروہ مترجمین، الکساء پبلیشرز، نارتھ، کراچی، اشاعت دوئم ربیع  
الثانی ۱۴۲۳ھ
- (۸) موسوی لاری سید محبتی، اسلام کے بنیادی عقائد، ج ۴، ص ۲۳۷، مترجم مولانا  
روشن علی، ذی الحج ۱۴۱۱ھ، الہادی پریس قم، ایران۔ بحوالہ مناقب  
خوارزمی ص ۳۹۰
- (۹) رامپوری، مولوی محمد نجم الغنی خاں، مذاہب الاسلام، ص ۳۱۲، ضیاء  
القرآن پبلیکیشنز، اردو بازار لاہور، سنہ طباعت ۱۹۹۰



## دور صغریٰ اور کبریٰ اور ادوار ثلاثہ کا تقابلی جائزہ ﴿باب چہارم﴾

- (۱۰) زاہد علی ڈاکٹر، ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام، ص ۲۹۳، مکتبہ بینات، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی
- (۱۱) لجنۃ التالیف، اعلام الہدیۃ، الامام الحسن بن علیؑ، ج ۱۱، ص ۱۶۸ بحوالہ الکافی: ۵۴/۱ ح ۱۰ و ۴۱۲/۷ ح ۵، والتهذیب: ۶/۲۱۸ ح ۵۱۴ و ۳۰۱ ح ۸۴۵ وعنہما فی وسائل الشیعۃ: ۱۳۶/۲ ح ۱۱
- (۱۲) سید علی عزت علیؑ، احوال الانبیاء، ص ۱۰ تا ۱۰، مترجم سید علی عزت علیؑ، ناشر حسنی اکیڈمی سوسائٹی کراچی، ۱۹۹۰ء -
- (۱۳) زاہد علی ڈاکٹر، تاریخ فاطمین مصر، ج ۲، فصل ۳۲، ص ۲۰۱، نفیس اکیڈمی، کراچی



## حوالہ جاتی آیات

(۱) وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزُّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ

الصَّالِحُونَ۔ (سورہ الانبیاء)۔ وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ

اسْتُضِعُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ

(سورہ قصص) (۵)

(۲) شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا

بِالْقِسْطِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۱۳)



## حوالہ جاتی احادیث مع ترجمہ

- (۱) ”لا مہدی الا عیسیٰ بن مریم۔“ (۱)
- (۲) ”المہدی من عترۃ رسول اللہ و من فاطمۃ۔ مہدی عترت رسول ﷺ اور اولاد فاطمہ سے ہوگا۔“ (۲)
- (۳) ”لن تہلک امة ان فی اولہا و عیسیٰ بن مریم فی آخرہا و المہدی فی وسطہا۔ میری امت ہرگز ہلاک نہیں ہوگی کیونکہ اس کی ابتدا میں میرا وجود اور آخر میں عیسیٰ بن مریم ہوں گے اور درمیان میں مہدی ہونگے۔“ (۳)
- (۴) ”لو لم یبق من الدنیا الا یوم واحد لطول اللہ ذلک الیوم حتی ینخرج رجل من ولدی فیملاہا عدلاً و قسطاً کما ملئت ظلماً و جوراً۔ اگر دنیا کی عمر میں سے صرف ایک دن ہی باقی بچے تو بھی خداوند کریم اس دن کو اتنا طولانی کرے گا یہاں تک کہ میری اولاد میں سے ایک فرد اٹھے گا اور دنیا کو عدل اور انصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و ستم سے پُر ہو چکی ہوگی۔“ (۴)



## باب پنجم:

### (5) امام کے وظائف و اختیارات

سابقہ ابواب میں امامت کے شرعی مفہوم، اوصاف امامت، تعداد امامت اور دیگر موضوعات پر شیعہ اثنا عشری اور اسماعیلی کے نظریات کا تقابلی جائزہ مستند آخذ سے پیش کیا گیا۔ اس باب میں امام کے اختیارات اور وظائف کے حوالے سے مذکورہ بالا دونوں فرقوں کے نظریات کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

شیعہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ دونوں کے درمیان امام کے مقام و منزلت میں کوئی خاص اختلاف نہیں ہے البتہ ائمہ کی تعداد اور مصداق پر اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام کے من جانب اللہ ہونے، اولاد فاطمہ سے ہونے، معصوم عن الخطاء ہونے کے نظریات میں تقریباً ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ البتہ مرور زمانہ کے ساتھ ان مشترکہ عقائد کی توضیح و تشریح میں چند ایک اختلافی نظریات سامنے آئے ہیں، جن کی تفصیل بعد میں آئے گی۔ ائمہ کے مصداق اور تعداد میں اختلاف کے علاوہ نص کے مفہوم میں بھی کسی حد تک اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ امام کی تعریف، حیثیت اور مقام میں دونوں گروہ مختلف الرائے نظر آتے ہیں۔ اس اختلاف کی بنیاد اس بات پر ہے کہ امام کا منصوص من اللہ کس ضرورت کے تحت لازمی ہے؟ امام کی ضرورت کے موضوع میں ان دونوں مذاہب میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ امام کے وظائف و اختیارات میں اختلاف

## ﴿باب پنجم﴾

## امام کے وظائف و اختیارات

کی اصل وجہ بھی امام کی ضرورت کی بنیاد بنی ہے۔ لہذا ضرورت امام کے موضوع پر مختصر بحث کی گئی ہے۔

## (5/1) ضرورت امام

اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ دونوں امام کے منصوص من اللہ ہونے کے عمومی عقیدہ میں اختلاف نہیں رکھتے ہیں اور دنیا کیلئے امام کی ضرورت کا ہونا لازمی اور واجب حکم تصور کرتے ہیں لیکن اس کی توضیح اور تعبیر میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مذہب اسماعیلیہ کے نزدیک امام اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی شناخت کرانے کیلئے منصوص ہوتا ہے کیونکہ معلم کے بغیر اللہ کی معرفت ناممکن ہے۔ شیعہ اثنا عشریہ کے مطابق امام اس لئے منصوص ہوتا ہے کہ وہ واجبات عقلی و شرعی کے ادا کرنے اور قبائح عقلی و شرعی سے بچنے میں لوگوں کی ہدایت کرے۔ ان کے نزدیک امام کا منصوص من اللہ ہونا اللہ کی طرف سے بندوں کے حق میں لطف الہی ہے۔



شیعہ اثنا عشریہ کے مطابق امام کی ضرورت اور احتیاج اسی نظریہ کی بناء پر ثابت ہے کہ احکام الہی کی تنفیذ اور حفاظت بغیر منصوص من اللہ کے ممکن نہیں ہے۔ اللہ نے امام کو اسی لئے تعینات کیا ہے کہ رحلت نبوی کے بعد معاشرہ اسلام کے سنہری اصولوں پر گامزن رہے اور اسلام کے زیر سایہ ایک کتاب اور ایک رہبر کی ہدایات کے مطابق اسلامی معاشرہ قائم رہ سکے۔ جس طرح سے معاشرہ کے اقدار کو قائم رکھنے کیلئے ہدایت کار کی ضرورت سے انکار ممکن نہیں، اسی طرح

۱۔ علامہ حلی نے اپنی مشہور کتاب ”الفین“ میں ضرورت امام کی علت و سبب پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ حال ہی میں شیخ غلام حسنین صاحب نے کیا ہے۔

## امام کے وظائف و اختیارات

### ﴿باب پنجم﴾

امت محمدی کی پیشوائی اور رہنمائی کی ضرورت اور اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ضرورت امام پر وہی دلائل موجود ہیں، جو ضرورت رسول ﷺ پر ہیں۔ مذہب اسماعیلیہ ضرورت امام و رسول ﷺ پر تاویلی اور روحانی دلائل دیتا ہے، ان دلائل کو جاننے کے لئے پیر ناصر خسرو کی کتاب ”وجہ دین“ کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ کتاب ”وجہ دین“ کے مطالعہ سے امام کی ضرورت کا سبب ولایت تکوینی قرار نہیں پاتا ہے۔ ”ہمارا بیان یہ ہے کہ اگر امام دین کے بغیر دنیا ہی کے لئے ضروری ہوتے تو دین بیکار اور بے سردار ہو جاتا اور خدا تعالیٰ اس بات سے بہت پاک ہے کہ کسی چیز کو بیکار اور ضائع کر دے۔ خصوصاً دین کو، جو تمام چیزوں سے اشرف و افضل ہے اور اگر امام دنیا کے بغیر صرف دین ہی کے لئے ضروری ہوتے تو دنیا کا انتظام باطل ہو جاتا اور یہ ناممکن تھا کہ خدا تعالیٰ امام کو ایک اشرف چیز پر سردار بنادیتا اور ایک ادنیٰ چیز اس سے روکے رکھتا۔ پس معلوم ہوا کہ امام دین کے لئے بھی لازمی اور دنیا کے لئے بھی۔“ (۱)۔ تھیعہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ عقیدے کے مطابق شریعت کی اصل



۱۔ اس کتاب کا اردو میں ترجمہ علامہ نصیر الدین ہنزائی نے کیا ہے۔ کتاب ”وجہ دین“ تاویلی علوم پر قدیم ترین کتب میں سے ایک اہم ترین کتاب ہے۔ جو مشہور فلسفی پیر ناصر خسرو کی لکھی ہوئی ہے۔ پیر ناصر خسرو کی علم معقولات اور تاویلات پر ایک اور اہم کتاب ”زاد المسافرین“ ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے پیر ناصر خسرو کا اپنی کتاب کے بارے میں لکھا گیا اس شعر سے کیا جاسکتا ہے۔

”زقنیفات من زاد المسافر“      کہ معقولات راصل است وقانون  
اگر بر خاک افلاطون بخواند      شاخواند مرا خاکِ فلاطون

میری زقنیفات میں سے ”زاد المسافرین“ جو معقولات کی اصل بنیاد اور قانون و آئین کا درجہ رکھتی ہے اگر یہ کتاب مشہور یونانی حکیم افلاطون کی قبر پر پڑھی جائے تو افلاطون کی مٹی بھی میری تعریف و توصیف کیے بغیر نہ رہے گی۔



## امام کے وظائف و اختیارات

### ﴿باب پنجم﴾

معرفت امام کے توسط سے حاصل ہوتی ہے۔ شیعہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ میں امامت کے اختیارات کے عنوان سے ایک بنیادی نظریاتی فرق پایا جاتا ہے۔ اسماعیلیت میں امام تاویل کرنے کا مطلق حق رکھتا ہے جبکہ اثنا عشریہ کے نزدیک تاویل مطلق کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ ان نکات کو سمجھنے کیلئے امام کے اختیارات اور وظائف کا تعین کرنا لازمی ہے۔ خواجہ نصیر الدین طوسی پانچویں صدی ہجری کے جید متکلم اور فلسفی گزرے ہیں۔ ان کی شخصیت شیعہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ دونوں کے ہاں قابل قبول ہے۔ آپ نے اپنی کتاب ”التجريد“ میں امامت کے اختیارات کو یوں بیان کیا ہے۔ ”الامامة رياسة عامة في أمور الدين والدنيا لشخص من الأشخاص نيابة عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم . امامت دينی و دنیاوی دونوں امور میں ریاست و امارت عامہ کو کہتے ہیں۔“ (۲) علامہ حلی نے بھی اسی تعریف کو لکھا ہے۔ اسی طرح مقداد سیوری نے بھی اسی مفہوم کو لکھتے ہوئے اس کی تشریح میں دو باتوں کا تذکرہ کیا ہے، جس طرح رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اپنے عہد میں معین تھا۔ اسی طرح نائب رسول ﷺ بھی معین ہونا ضروری ہے اور جس طرح رسول ﷺ اپنے زمانے میں ایک تھے، اسی طرح امام بھی اپنے زمانے میں ایک ہوگا۔ مذہب اسماعیلیہ کی مشہور کتب علم الابدان اور علم الادیان کے شاہکار رسائل اخوان الصفا کے کتاب نمبر چار میں امام کی متعدد خصوصیات اور وظائف کو بیان کیا گیا ہے، جن میں سے اہم ترین ایک وظیفہ اللہ کی طرف سے امام پر یہ ہے۔ ”اعلم ان الامّة کلّها تقول انّہ لا بدّ من امام یکون خلیفۃ لنیہا فی امتہ بعد وفاتہ و ذالک الاسباب شتی و



خصال عدہ۔ احدها هو ان يحفظ الامام الشريعة على الامة، ويحيى السنة في الملة، والامر بالمعروف، والنهي عن المنكر، وتكون الامة تصدر عن رايه. (۳) جان لو۔ بے شک پوری امت یہ کہتی ہے کہ ان کے لئے امام ہو اور اس (امام) کی وفات کے بعد اس کا خلیفہ بھی ہو۔ (البتہ) اس کے اسباب مختلف اور صفتیں متعدد ہیں۔ ان میں پہلا یہ ہے کہ امام شریعت کو امت کے لئے بچائے رکھے اور ان کے لئے سنت کو زندہ رکھے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے اور امت اس کی پیروی کرے۔“

شیعہ اثنا عشریہ کے مطابق امام محافظ شریعت ہونے کے ناطے اپنے زمانے میں سب سے زیادہ علم رکھتا ہے، اس لئے عقلاً ضروری ہے کہ امام کو کتاب کا مکمل علم ہو، امین اور محافظ کتاب ہو، ناخن اور منسوخ سے واقف ہو، خاص کو عام سے جدا کر سکے، واجب کو مستحب سے فرق کر سکے اور محکم سے متشابہ کو الگ کر سکے تاکہ ان میں سے ہر چیز کو اپنے اس مناسب مقام پر رکھے، جس پر اللہ نے رکھا ہے۔ لہذا ائمہ کی ضرورت کی علت ولایت تکوینی نہیں بلکہ ولایت تشریحی ہے، جس کیلئے ائمہ کو منصوص کیا گیا ہے۔ ولایت تشریحی سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ خاص بندے ہیں، جو اللہ کے واضح اور نجات دہندہ اصولوں کو معاشرہ میں پیش کرتے ہیں۔ ان اصولوں کی مدد سے معاشرے کی اصلاح کرتے ہیں۔ ”یقیناً ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جس سے اللہ نے تم کو شناسا کیا ہے اور خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنو۔“ (۴)



## ﴿باب پنجم﴾

## امام کے وظائف و اختیارات

(5/2) امامت دینی یا دنیوی

معاشرے کی اصلاح اور اسلامی قوانین کی تنفیذ کیلئے حکومت کا ہونا بھی لازمی ہے۔ بغیر حکومت اور طاقت کے اسلامی قوانین کا نفاذ ممکن نہیں ہے لیکن دوسری طرف سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی انسان کو دوسرے انسانوں پر حکومت کرنے کا حق ہے؟ اگر حاکم وقت کو الہی تائید حاصل نہ ہو تو سوال ہذا کا جواب تلاش کرنا کافی پیچیدہ ہے اور یہ پیچیدگی اس وقت اور زیادہ شدت اختیار کر جاتی ہے کہ حاکم شرعی قوانین کے مخالف عمل پیرا ہو تو کیا پھر بھی اس کا یہ حق بنتا ہے کہ وہ رعایا پر حکومت کرے۔ شیعہ نکتہ نگاہ سے اللہ کی تائید کے بغیر ایک انسان کو دوسرے انسان پر حکومت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ تائید سے مراد وہ شخص منصوص من اللہ ہو۔ جو منصوص من اللہ نہ ہو تو ایسے انسان کو یہ حق نہیں ملتا ہے کہ وہ رعایا پر حکومت کرے کیونکہ اللہ نے انسان کو آزاد خلق کیا ہے۔ لہذا کسی دوسرے انسان کو جس کو اللہ کی تائید حاصل نہیں ہے، کوئی حق نہیں بنتا ہے کہ وہ دوسرے انسانوں پر حکومت کرے اور رعایا کے حقوق پر تصرف کرے۔ یہ صرف اس وقت ممکن ہو سکے گا کہ اس کو الہی تائید حاصل ہو کیونکہ انسان کو آزادی بھی اللہ نے دی ہے اور اگر اللہ کی طرف سے انسان کی رہنمائی کیلئے کسی کو تعینات کیا جائے تو اس سے انسان کی آزادی سلب ہونا ثابت نہیں ہوگا۔ یہی وہ دلیل ہے، جس کی بناء پر شیعہ ائمہ کی امامت کو دین اور دنیا دونوں کیلئے لازمی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ائمہ منصوص من اللہ ہیں۔

شیعہ عقیدے کے مطابق امامت حکومت کی شرعی شکل کا نام ہے۔ ایسی حکومت کہ جس کی اجازت خود خدا نے دی ہے اور جس کا حاکم خود خدا نے مقرر کیا



## امام کے وظائف و اختیارات

## ﴿باب پنجم﴾

ہے۔ ایسی حکومت کے علاوہ اور کسی قسم کی حکومت شرعی طور پر صحیح نہیں ہے، خواہ یہ حکومتیں آج کی دنیا میں رائج ہوں یا نہ ہوں۔ پس انسان کو آزادی خدا نے دی ہے اور خدا کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس آزادی کو سلب کرے یا کسی خاص حد میں محدود کر دے۔ شیعہ نکتہ نگاہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسولوں کو خاص اختیارات کے ساتھ انسانوں کیلئے رہنما بنا کر بھیجا۔ انبیاء نہ صرف دینی رہنما تھے بلکہ دنیوی ہدایت کے سرچشمے تھے۔ الہی تائید کیساتھ انسانوں کی دنیوی زندگی پر بھی حق تصرف رکھتے تھے۔ لہذا انبیاء دینی اور دنیوی دونوں حوالے سے رہنما اور ولی امر المسلمین تھے۔ شیعیت کے نزدیک یہ الہی اختیارات پیغمبر خدا ﷺ کے بعد ائمہ اہل بیت کو منتقل ہوئے ہیں۔ جیسا کہ شیعہ اسماعیلیہ زاریہ کے اڑتالیسویں امام پرنس سرسلطان آغا خان (سوم) کا فرمان ہے۔ ”محمد ﷺ دنیوی اور روحانی دونوں حیثیتوں سے حاکم اعلیٰ تھے۔ ان کے خلیفہ یا جانشین کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ دونوں حیثیتوں سے ان کا جانشین ہو اس کو امیر المومنین بھی ہونا تھا۔ یعنی مومنین کا قائد اور امام المسلمین بھی ہونا تھا یعنی معتقدین کا روحانی پیشوا۔ لاطینی مغرب کی ایک مثال سے یہ بات غالباً زیادہ واضح ہو سکے گی۔ وہ پاپائے اعظم بھی ہوگا اور امپریٹر یعنی دنیوی حکمران بھی۔“ (۵) پس امامت دینی اور دنیوی امور میں خدا کی طرف سے مقرر کردہ عوامی سربراہ کا نام ہے۔ تمام شیعہ فرقے اسی عقلی دلیل کی بناء پر ائمہ اہل بیت کو لا محدود الہی اختیارات کا حامل سمجھتے ہیں۔ ائمہ اہل بیت کو جو الہی اختیارات حاصل ہیں ان اختیارات کو علم لدنی، ولایت اور تفویض کی اصطلاحات سے یاد کیا جاتا ہے، ان اصطلاحات کے استعمال سے صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ائمہ اہل



## ﴿باب پنجم﴾

## امام کے وظائف و اختیارات

بیت کے الہی اختیارات اور وظائف کو بیان کرنا مقصود ہے۔ ان اختیارات کا تعین اور تخصیص کافی مشکل کام ہے۔ یہ ایک بڑا موضوع ہے، اس کو ہم خلاصہ کے طور پر یوں بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پاس جو اختیارات ہیں ان کا کچھ حصہ اللہ نے اپنے خاص بندوں کیلئے عنایت کیا، جس کا مظاہرہ اللہ کے خاص بندوں (انبیاء و ائمہ اہل بیت) نے عملاً بھی کر کے دیکھایا ہے لیکن دوسری طرف ائمہ اہل بیت نے اپنی روایت اور فرامین کے ذریعے اپنے ماننے والوں کو یہ بھی باور کرایا ہے کہ بیشک ہمیں (اہل بیت) اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص علم سے نوازا ہے، ہم حجت خدا ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمام الہی امور میں ہم مختار کل ہیں۔ بحار الانوار میں حضرت محمد باقر سے روایت ہے۔ العلم علما: علم عند اللہ مخزون لم یطلع علیہ أحد من خلقه، و علم علمہ ملائکتہ و رسلہ، فأما ما علم ملائکتہ و رسلہ فانه سیکون، لا یکذب نفسه ولا ملائکتہ ولا رسلہ، و علم عنده مخزون یقدم فیہ ما یشاء ویؤخر ما یشاء و یثبت ما یشاء۔ پروردگار کیلئے دو علم ہیں۔ ایک علم اللہ کے پاس ہے، جس کے بارے میں خلق خدا میں کسی کو اطلاع نہیں۔ نہ تو انبیاء کی رسائی ہے نہ ملائکہ مقربین کی۔ البتہ علم عام انبیاء اور مقرب فرشتوں کی دسترس میں ہے۔ اور (یہی علم) رسول خدا ﷺ کے واسطے سے ہم تک بھی پہنچا ہے۔“ (۶)

### (5/3) امامت اور ولایت نکوینی

ولایت نکوینی بظاہر عقیدہ تفویض کا سرچشمہ ہے۔ تفویض سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے ہر چیز کو پیدا کرنے کے بعد اپنی مخلوقات پر اپنے خاص بندوں کو تصرف کا



## امام کے وظائف و اختیارات

## ﴿باب پنجم﴾

مطلقاً حق دیا ہے۔ اب مخلوقات خدا کے اعمال و افعال کے اختیارات انہیں لوگوں کے پاس ہیں اور یہی لوگ مخلوقات خدا کے اعمال و افعال کے ذمہ دار ہیں۔ تفویض کی اس تعریف سے اتفاق کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عقیدہ توحید میں اس نظریہ کی گنجائش نظر نہیں آتی ہے بلکہ یہ نظریہ عقیدہ ثنویت سے بہت قریب لگتا ہے۔ یعنی ایک خدا نے کائنات کو خلق کیا تو دوسرا خدا انسان کے اعمال و افعال کا خود مختار ہے کہ اس خدا کو خدائے اول سے رجوع کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی ہے اور یہی حال ولایت تکوینی مطلقہ کا بھی ہے۔ جس کے مطابق ائمہ امور تکوینیہ میں مکمل خود مختار ہیں۔ یہاں تک کہ موت اور حیات عطا کرنے کے بھی مجاز ہیں۔ شیعہ اثنا عشریہ ائمہ اہل بیت کے حوالے سے مطلقاً ولایت تکوینی کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہی ائمہ کے منصوص من اللہ کی وجہ اس ولایت کو قرار دیتے ہیں۔ شیخ بابویہ قمی نے (ولایت) تفویض کی دو قسمیں تفویض امور تکوینیہ اور تفویض امور دینیہ بیان کرتے ہوئے ائمہ کے لئے تفویض امور تکوینیہ کی نفی کی ہے۔ ائمہ اہل بیت کے لئے تفویض امور دینیہ کے اختیار کو صحیح قرار دیا ہے لیکن اس کی شرح یوں بیان کی گئی ہے۔ ”التفویض بمعنی عدم الأمر والنہی وأن الذی یعترف بالتکالیف الالہیة واثبات الثواب والعقاب علی الامتثال والعصیان فهو لیس بمفوض فیرجع بناء علی هذا الحدیث التفویض الی تفویض التشريع وجعل الأحکام لا الی تفویض التکوین وهو خلاف المعلوم من مذهب المفوضة وهم المعتزلة وکتبهم دائرة مشهورة و آرائهم منقولة متواترة، والحق أن رواية الاحتجاج مرسله لا حجة فیها فیما یحتج فیہ بخبر الواحد فكیف فی مثل هذه المسائل فرد



## ﴿باب پنجم﴾

## امام کے وظائف و اختیارات

معناه الى أهله أولى والحاصل أنه لا يكفي في الخروج عن التفويض الالتزام بالتكاليف ولا يثبت به معنى الأمر بين الأمرين ويأتي في ذيل الرواية ما يؤيد المقصود (ش). ١ قوله ولعل تلك لمنزلة هي الحصر قد مر أن المعتزلة لا ينكرون الأمر والنهي والثواب والعقاب فليس معنى الأمر بين الأمرين اثبات التكاليف فقط بل يجب أن يضم اليه اللطاف كما مر في حديث أبي طالب القمي والتوفيق والتأييد وتسهيل الأسباب وما يرجع اليه في الأعمال الصالحة والخذلان في المعاصي وأمثال ذلك. (٤) پس ائمہ اہل بیت کو ولایت تشریحی حاصل ہے۔ اس میں بھی وہ شریعت سازی اور قانون بنانا نہیں کیونکہ یہ کام خداوند عالم کا کام ہے۔ لہذا احکام تو وہ خود واضح کرتا ہے۔ اس کا بیان کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں حرام، یہ پیغمبر اسلام ﷺ کا وظیفہ ہے۔ اس شریعت کی حفاظت و حراست اور تشریح و توضیح رسول خدا ﷺ کے حقیقی خلفاء علیہم السلام کا کام ہے۔



بہر حال شیعہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ دونوں اپنے ائمہ کے لئے عظیم درجات اور مراتب کے قائل ہیں۔ جیسے امام کا معصوم ہونا، اللہ کی طرف سے مامور ہونا، امت کے لئے واجب الطاعت ہونا، صاحب معجزہ ہونا اور علم لدنی کا

۱۔ عصمت، منصوص من اللہ علم لدنی اور دیگر صفات امام کی تعبیر و تشریح میں شیعہ اثنا عشری اور اسماعیلی میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ قدیم اسماعیلیوں کے مقابلے میں دور حاضر کے اسماعیلیوں نے امامت کے وظائف اور صفات میں کافی جدت پیدا کی ہے۔ جبکہ شیعہ اثنا عشری صفات امام کو منصوص من اللہ قرار دیتے ہوئے اس میں کسی طرح کی جدت (رڈو بدل) کے قائل نہیں ہیں۔

## امام کے وظائف و اختیارات ﴿باب پنجم﴾

حامل ہونا ہیں لیکن اس فرق کے ساتھ کہ امام پر وحی نازل نہیں ہوتی اور نہ ہی امام نئی شریعت یا نئی کتاب لے کر آتا ہے۔ امام شارح اسلام ہیں نہ کہ شارع اسلام۔ اب اس سوال کا جائزہ لیا جائے گا کہ کیا امام شریعت کو منسوخ یا معطل کر سکتا ہے؟

(5/4) امامت اور تنسیخ شریعت

نسخ عربی زبان کا لفظ ہے، اس کے متعدد لفظی معانی ہیں۔ مشہور ماہر لغت لوئیس معلوف اس کے مختلف معانی اس طرح بیان کرتے ہیں۔ ”نسخ، نسخاً الشئى : ازاله، ابطله، مسخه (الكتاب) نقله و اكتبه حرفاً بحرف. انتسخ الشئى : ازاله، نقله، خلفه. (۸) نسخ، نسخ الشئى کا مطلب ہے۔ ازالہ کرنا، باطل کرنا، مسخ کرنا اور نقل کرنا کے ہیں کہ ایک حرف کے بدلے دوسرا حرف لکھا۔ نسخ الشئى کا مطلب ہے کہ اس کو زائل کیا، بدل دیا یا پیچھے چھوڑ دیا۔“ یوں نسخ کے لغوی معانی ازالہ کرنا، مٹانا، برطرف کرنا، باطل ہونا، تبدیل کرنا اور نقل کرنے کے ہیں لیکن ”اصطلاح میں نسخ کسی ثابت امر شرعی کو اس کی مدت ختم ہونے کی وجہ سے اٹھانے کو کہتے ہیں۔ چاہے وہ برطرف حکم کوئی حکم تکلفی ہو۔ جیسے وجوب، حرمت وغیرہ ہیں یا حکم وضعی ہو۔ جیسے صحیح ہونا باطل ہونا وغیرہ ہے اور چاہے وہ برطرف شدہ امر، الہی منصب اور عہدوں میں سے ہو یا کوئی اور چیز ہو۔ جس کی برگشت بہ حیثیت شارع اللہ تعالیٰ کی طرف ہو، جس کی مثال نسخ فی التلاوة ہے۔“ (۹) شریعت اسلام میں ایک ثابت حکم کو دوسرے حکم کے ذریعے اٹھالینے کا نام نسخ ہے یعنی اللہ کسی حکم کو ایک عرصہ گزرنے کے بعد کوئی وجہ بتائے بغیر ختم کر دیتا ہے، اس کو شریعت کی اصطلاح میں نسخ کہا جاتا ہے۔ شریعت میں (اللہ تعالیٰ سے منسوب) نسخ تمام





## ﴿باب پنجم﴾

## امام کے وظائف و اختیارات

مسلمانوں کے ہاں بغیر کسی اختلاف کے ثابت ہے۔ البتہ نسخ کی اقسام اور قیود اور حدود میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ شیعہ اثنا عشریہ اللہ کے لئے امور تکوینیہ اور تشریعیہ دونوں میں نسخ کو جائز سمجھتے ہیں۔ امور دینیہ میں حکم الہی کی تبدیلی کو لفظ تنسیخ کا نام دیا جاتا ہے جبکہ امور تکوینیہ میں بغیر کسی وجہ اور سبب بتائے امر الہی کی تبدیلی کو ”بداء“ کا نام دیا جاتا ہے۔ پس نسخ اور بداء کی اصطلاحات مختلف ہیں لیکن دونوں کا مفہوم ایک ہے۔ ”نسخ میں حکم شرعی پہلے ہی سے اللہ کے نزدیک ایک خاص وقت کیلئے مخصوص تھا لیکن کسی مصلحت کی بنیاد پر اس کا اظہار نہیں ہوا تھا۔ بعد میں نسخ کے ذریعے اظہار ہوا تو لوگوں کے تصور کے مطابق سابقہ حکم اٹھالیا گیا۔ بالکل اسی طرح بداء بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ پہلے سے طے ہوتا ہے لیکن اس فیصلے کا اظہار نہیں کیا جاتا تو لوگوں کے اذہان میں یہ تصور قائم ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ ہمیشہ کیلئے ہے۔ بعد میں جب اللہ تعالیٰ پہلے سے طے شدہ فیصلے کا اظہار فرماتا ہے تو لوگوں کو بداء یعنی تبدیلی معلوم ہوتی ہے۔ لہذا کسی امر کے بارے میں لوگوں کیلئے تبدیلی ہے، ناکہ واقعی حکم اور فیصلے کی تبدیلی۔ مشیت الہی کے مطابق فیصلہ ہونا، جس کا علم انسان کو پہلے سے نہ ہو، اسے بداء کی اصطلاح سے یاد کیا جاسکتا ہے۔ اسی مفہوم میں حضرت جعفر صادق نے فرمایا۔ ”ما بدا اللہ فی شیء الا کان فی علمہ قبل ان یدو له (۱۰)۔ اللہ کو کسی شے کے بارے میں بداء نہیں ہوتا ہے مگر یہ کہ اللہ کو اس کا پہلے سے علم ہوتا ہے۔“

۱۔ عقیدہ بداء پر دو رسالے ”رسالتان فی البداء“ کے نام سے مشہور شیعہ عالم آیت العظمیٰ سید ابوالقاسم خوئی نے تحریر کئے ہیں

## امام کے وظائف و اختیارات

### ﴿باب پنجم﴾

بدا کے اس مفہوم میں خدا پر جہالت لازم نہیں آتی ہے بلکہ کائنات میں خدا کی قدرت ثابت ہو جاتی ہے۔ ”اللہ جسے چاہتا ہے، مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔“ (۱۱) قضا و قدر میں تبدیلی واقع نہ ہونے کا نظریہ یہودیت کا ہے کہ اللہ نے روز اول سے جو فیصلہ کر دیا اسے نہ بدل سکتا ہے نہ اس میں تبدیلی لاسکتا ہے۔ ”اور یہود کہتے ہیں: اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ خود ان کے ہاتھ باندھے جائیں اور ان پر لعنت ہو اس (گستاخانہ) بات پر بلکہ اللہ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے، عطا فرماتا ہے۔ اور جو (کتاب) تمہارے پاس نازل کی گئی ہے (اس کا انکار) ان میں سے بہتروں کی کفر و سرکشی کو بڑھا دے گا اور ہم نے خود ان کے آپس میں روز قیامت تک عداوت اور کینے کی بنیاد ڈال دی۔ جب یہ لوگ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں تو خدا اس کو بجھا دیتا ہے اور روئے زمین میں فساد پھیلانے کے لئے دوڑتے پھرتے ہیں اور خدا فساد یوں کو دوست نہیں رکھتا“ (۱۲) عقیدہ بداء سے ہی انسان اپنے خالق کی طرف رجوع کرتا ہے کہ وہی عطا و بخشش والا ہے۔ انسان دست سوال دراز کرتا ہے کہ وہ کریم ہے اور پھر اپنی پوری زندگی میں ذات الہی سے وابستگی اختیار کرتا ہے۔ اس طرح ایک پر امید زندگی بسر کرتا ہے۔ اگر عقیدہ بداء نہ ہو اور انسان یہ سمجھے کہ تقدیر میں جو لکھا ہے، وہی ہو کر رہے گا اور انسان کچھ جانتا نہیں کہ اس کی تقدیر میں کیا لکھا ہے تو وہ یاس و ناامیدی میں مبتلا رہے گا اور پھر اللہ کی بارگاہ میں تضرع اور انکسار کے ساتھ رجوع نہیں کرے گا۔ اسی طرح دعا و صدقات کا فلسفہ بھی بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ عقیدہ بداء سے علم خدا اور علم بشر کا فرق بھی سامنے آتا ہے کہ اللہ



## امام کے وظائف و اختیارات

### ﴿باب پنجم﴾

تعالیٰ تو ازل سے ہر چیز کو جانتا ہے لیکن بشر کو معلوم نہیں ہوتا کہ اللہ کی مشیت کیا ہے۔ اس لئے بندہ ہمیشہ مشیت الہی کا طالب ہوتا ہے۔

نسخ کی دونوں اقسام (نسخ و بداء) میں اصل موضوع تبدیل نہیں ہوتا ہے کیونکہ اللہ نے اصل موضوع کے ساتھ ہی اس تبدیلی (نسخ) کا فیصلہ دیا ہوا تھا۔ البتہ اس کا ادراک انسان کو نہیں تھا، تو انسان ہی کیلئے یہ نسخ ہے۔ ورنہ نسخ اصل موضوع کا ایک لازمی حصہ ہونے کی وجہ سے نسخ نہیں کہلائے گا اور نہ ہی عقلی طور پر اس تبدیلی میں جہالت کی دلیل قائم ہو سکے گی لیکن بعض علماء نظریہ بداء سے اتفاق نہ کرتے ہوئے اسے شیعوں کا اختراع کردہ عقیدہ تصور کرتے ہیں۔ بنیادی اعتراض یہی ہوتا ہے کہ اس سے خدا کی رائے میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ یہ وہی اعتراض ہے جو یہودی نظریہ نسخ اور بداء دونوں پر کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے اکثر علماء یہودیوں کے اس اعتراض کو قبول نہیں کرتے ہیں۔ دور حاضر کے ممتاز عالم دین محمد تقی عثمانی نظریہ ناسخ و منسوخ کی تفصیل کو یوں بیان کرتے ہیں۔ ”یہودیوں کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں ”نسخ“ نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے خیال کے مطابق ”نسخ“ کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنی رائے میں تبدیلی کر لیتا ہے۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ اگر احکام الہی میں ناسخ و منسوخ کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک حکم کو مناسب سمجھا تھا بعد میں اپنی غلطی واضح ہونے پر اسے واپس لے لیا۔ جسے اصطلاح میں بداء کہتے ہیں لیکن یہودیوں کا یہ اعتراض بہت سطحی نوعیت کا ہے اور ذرا سا بھی غور کیا جائے تو اس کی غلطی واضح ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ ”نسخ“ کا مطلب رائے کی تبدیلی نہیں ہوتا بلکہ



## امام کے وظائف و اختیارات

## ﴿باب پنجم﴾

ہر زمانے میں اس دور کے مناسب احکام دینا ہوتا ہے۔ نسخ کا کام یہ نہیں ہوتا ہے کہ منسوخ کو غلط قرار دے بلکہ اس کام یہ ہوتا ہے کہ وہ پہلے حکم کی مدت نفاذ متعین کر دے اور یہ بتا دے کہ پہلا حکم جتنے زمانے تک نافذ رہا اس زمانے کے لحاظ سے تو وہی مناسب تھا لیکن اب حالات کی تبدیلی کی بناء پر ایک نئے حکم کی ضرورت ہے۔ جو شخص بھی سلامت فکر کے ساتھ غور کرے گا وہ اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا ہے کہ یہ تبدیلی حکمت الہیہ کے عین مطابق ہے اور اسے کسی بھی اعتبار سے کوئی عیب نہیں کہا جاسکتا۔ حکیم وہ نہیں ہے جو ہر قسم کے حالات میں ایک ہی نسخہ پلاتا رہے بلکہ حکیم وہ ہے جو مریض اور مرض کے بدلتے ہوئے حالات پر بالغ نظری کے ساتھ غور کر کے نسخہ میں ان کے مطابق تبدیلیاں کرتا ہے اور یہ بات صرف شرعی احکام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ کائنات کا سارا کارخانہ اسی اصول پر چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ سے موسموں میں تبدیلیاں پیدا کرتا رہتا ہے۔ کبھی سردی، کبھی گرمی، کبھی بہار، کبھی خزاں، کبھی برسات، کبھی خشک سالی، یہ سارے تغیرات اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے عین مطابق ہیں اور اگر کوئی شخص اسے ”بداء“ قرار دے کر اس پر یہ اعتراض کرنے لگے کہ اس سے معاذ اللہ خدا کی رائے میں تبدیلی لازم آتی ہے کہ اس نے ایک وقت سردی کو پسند کیا تھا، بعد میں غلطی واضح ہوئی اور اس کی جگہ گرمی بھیج دی تو اسے احمق کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ بعینہ یہی معاملہ شرعی احکام کے نسخ کا ہے کہ اسے ”بداء“ قرار دے کر کوئی عیب سمجھنا انتہا درجہ کی کوتاہ نظری اور حقائق سے بیگانگی ہے۔“ (۱۳)

شیعہ ”بداء“ سے مراد اللہ کی رائے میں تبدیلی قرار نہیں دیتے ہیں۔ امور



## ﴿باب پنجم﴾

## امام کے وظائف و اختیارات

تکوینیہ میں بھی ﷺ ملی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس میں کوئی غلطی یا کمی تھی، جس کی وجہ سے اس کو تبدیل کیا گیا ہے بلکہ اللہ کی طرف سے اصل حکم ہی ایسا ہونا تھا اور یہ حکمت الہی کے عین مطابق ہے۔ اکثر مسلمان علماء شرعی اور تکوینی دونوں امور میں نسخ کے قائل ہیں۔ اسی طرح سے شیعہ امامیہ بھی نسخ کے قائل ہیں، صرف امور تکوینیہ میں نسخ کو ”بداء“ کا نام دیتے ہیں۔ لہذا یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے بد اور تنسیخ کا اختیار منسوب کرنے سے اللہ کے لئے جہل ثابت نہیں ہوتا ہے۔

بحث کا سیر حاصل یہ ہے کہ بداء و نسخ کو اللہ تعالیٰ کی طرف تو منسوب کیا جاسکتا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا امام بھی ”نسخ و بداء“ کا اختیار رکھتا ہے؟

اکثر شیعہ فقہاء کے نزدیک امام کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے۔ امور تکوینیہ میں تو امام کو یہ حق حاصل نہیں ہے یہاں تک کہ امام امور تشریحی میں بھی میں تبدیلی اور تنسیخ کا حق نہیں رکھتا ہے۔ امام صرف ان امور کی توضیح اور تشریح کرنے کا مجاز ہے۔ البتہ امام رسول اکرم ﷺ کا نائب مطلق ہوتا ہے، چنانچہ امام کو (نائب رسول ہونے کی بناء) پر وہ تمام اختیارات حاصل ہیں، جو رسول کو حاصل ہیں، سوائے یہ کہ قرآن کے نزول کا سلسلہ مکمل ہونے کی بناء پر وحی کا سلسلہ بھی تکمیل کو پہنچا ہے۔ شیعہ اثنا عشریہ کے نظریہ کے مطابق نصوص قرآن کو تبدیل یا ختم کر دینے کا اختیار امام کو حاصل نہیں ہے لیکن اس حکم کی تعبیر اور تشریح اور اس کے اسرار و رموز کے بارے میں امام ہی بتا سکتے ہیں۔ جس طرح سے رسول اکرمؐ کو شارع اسلام ہونے کے باوجود مخلوقات کی تخلیق کا اختیار حاصل نہیں تھا۔ اسی طرح ائمہ اہل بیت کو شریعت کی تبدیلی کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ اگر ائمہ اہل بیت کو



## امام کے وظائف و اختیارات

## ﴿باب پنجم﴾

رسول اکرم ﷺ کی دی ہوئی شریعت کو ختم کرنے کا اختیار حاصل ہو جائے اور انہیں شارع مانا جائے تو اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ ائمہ کی امامت بھی فی ذاتہ منسوخ ہو جائے گی کیونکہ ائمہ اہل بیت کی نیابت کا عقیدہ ہی خاتم المرسل کی شریعت کی نیابت ہے۔ اگر شریعت نہ رہی تو نیابت کا نظریہ بھی مفقود ہو جائے گا کیونکہ شارع ہونے کی بناء پر اسلام کی تمام نئی تاویلی تشریحات بذات خود ایک نئی شریعت بن جائیں گی۔ لہذا یہ کہنا ممکن نہیں ہوگا کہ ائمہ اہل بیت شارع اسلام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ائمہ اہل بیت اسلام کے علاوہ کسی دوسری نئی شریعت کا اجراء نہیں کر سکتے ہیں اور نہ ہی یہ ائمہ کے وظائف میں شامل ہے بلکہ تشریح و تعبیر کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کی شریعت کا تحفظ کرنا ائمہ اہل بیت کے اختیار میں ہے۔ جس طرح رسول اکرم ﷺ کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بندہ جس طرح اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ اسی طرح رسول کی بھی عبادت کرے جبکہ بندہ کے لئے حکم اسی طرح ہے کہ اگر اللہ کو راضی رکھنا چاہتے ہو تو اللہ کے رسول کو راضی رکھے۔ اللہ کی رضا اللہ کی عبادت سے حاصل ہوتی لیکن رسول کو راضی رکھنے کیلئے جس طرح اللہ کی عبادت کی جاتی ہے۔ اسی طرح رسول کی پوجا نہیں کی جاتی ہے بلکہ اسی طرح اللہ کے رسول کو راضی رکھنے کیلئے رسول خاتم المرسل کی اہل بیت کو راضی رکھنا ضروری ہے لیکن جس طرح رسول کو راضی رکھنے کیلئے انہیں اللہ کے آخری رسول ماننا ضروری ہے تو اسی طرح خاتم النبیین کے اہل بیت کو راضی رکھنے کے لئے انہیں رسول یا نبی ماننا ضروری نہیں اور نہ ہی اسی طرح انہیں رسول کی طرح صاحب شریعت ماننا ضروری ہوگا۔ لہذا یہ ثابت ہے کہ امام نہ تو



## ﴿باب پنجم﴾

## امام کے وظائف و اختیارات

شریعت سازی کر سکتا ہے اور نہ ہی شریعت کی تہنیک۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا امام شریعت کو معطل کر سکتا ہے؟

متعدد روایات اور ائمہ کی سیرت کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ شرعی مصلحت کے تحت امام شریعت کو معطل کر سکتا ہے۔ نہ صرف امام بلکہ بعض شیعہ علماء کے نزدیک نائب امام کے پاس بھی یہ اختیار ہے، اس کی مثال خود حضرت روح اللہ خمینی کی پیش کی جاسکتی ہے۔ جب سعودی حکومت نے ۶ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ کو حرم خانہ کعبہ میں امریکہ کے خلاف احتجاج کرنے کی پاداش میں حرم میں ہی تقریباً چار سو ایرانی حجاج کو شہید کیا اور ساتھ ہی حرم کعبہ میں دشمنان اسلام کے خلاف احتجاج کرنے کی پابندی لگا دی تو حضرت روح اللہ خمینی نے اس پابندی کو حج کے روح کے خلاف قرار دیا اور ایرانی حجاج کو حج کرنے سے منع فرمایا۔ آپ کے فتوے کی پاسداری کرتے ہوئے ایرانی حجاج نے تین سال تک حج کا بائیکاٹ کیا۔ جب نائب امام دین کے احکامات کو معطل کر سکتا ہے تو پھر امام بدرجہ اولیٰ دینی احکام کو معطل کرنے کا حق رکھتا ہے لیکن معطل کے معنی منسوخ کرنا نہیں ہے۔ امام یا نائب امام دین کے جن احکامات کو معطل کرتا ہے تو ان احکام کا منسوخ ہونا نہیں ہے کیونکہ منسوخ میں تو احکام کی تبدیلی لازم آتی ہے جبکہ معطلی میں احکام کی تبدیلی لازم نہیں آتی اور معطلی ہمیشہ موقتی ہوتی ہے۔ اس میں موضوع کی تبدیلی ممکن نہیں ہے جبکہ منسوخی میں موضوع کا مستقل ختم ہونے کا احتمال رہتا ہے۔ احکام شریعت جن کے حکم پر نص صریح ہو اس کی تعبیر و تشریح اور معطلی تو امام نائب رسول ہونے کے واسطے سے کر سکتا ہے لیکن ان کو ختم کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ اس بات کو امام کے اختیارات



## ﴿باب پنجم﴾

## امام کے وظائف و اختیارات

کے ضمن میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ امام تنفیذ شریعت کیلئے منصوص ہوتا ہے لہذا تنفیذ کیلئے کم از کم احکام کی تشریح، توضیح اور وقتی مصلحت کے مطابق معطلی کے اختیارات عقلی طور پر بھی ثابت ہیں۔ اس حوالے سے ایک مشہور حدیث بھی موجود ہے۔ ”محمدؐ کا حلال کیا ہوا قیامت تک حلال ہے اور محمدؐ کا حرام کیا ہو، اقیامت تک حرام ہے۔“ (۱۴) لہذا جس چیز کو بانی اسلام حضرت محمدؐ نے حلال یا حرام قرار دیا ہے، اسے دوسرا کوئی حلال اور حرام نہیں کر سکتا ہے۔ چاہے وہ امام ہی کیوں نہ ہو، البتہ حلال اور حرام کی تشریح اور تعبیر اور اس کے اجراء کا اختیار امام کو حاصل ہے، اصل حکم کو تبدیل یا ختم کرنے کا حق امام کو حاصل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں نکاح متعہ کو حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے دور خلافت میں حرام قرار دیا ہے، جس کو شیعہ تسلیم نہیں کرتے ہیں اور نکاح متعہ کی حلت کے قائل ہیں کیونکہ (شیعہ نظریے کے مطابق) رسول کے نص صریح کو ختم کرنے کا حق خلیفہ کو حاصل نہیں ہے۔



جب یہ کہا جائے کہ امام تنفیذ شریعت کے تقاضوں کے مطابق شریعت کی تعبیر اور تشریح کر سکتا ہے تو اس سے مراد اصل حکم کا تبدیل ہونا نہیں ہوتا ہے بلکہ حکم کا موضوع تبدیل ہو جاتا ہے۔ سوائے یہ کہ اللہ تعالیٰ اس حکم کی تنسیخ پر کوئی دوسرا حکم صادر نہ کرے۔ تنسیخ کا تعلق بھی خدا اور رسول خدا سے وابستہ ہے نہ کہ امام سے۔ امام کسی بھی نصوص الہی کے اصل حکم کو نہ تو منسوخ کرتا ہے اور نہ ہی تحویل کرنے کا حق رکھتا ہے کیونکہ تحویل کا حکم بھی تنسیخ کے زمرے میں آتا ہے۔ تحویل اور تنسیخ کا مفہوم تقریباً مترادف ہے۔ ایک حکم کی جگہ دوسرا حکم آنے کو تنسیخ یا تحویل کہہ سکتے ہیں۔ رسولؐ کی رحلت کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے لہذا رحلت نبوی



## ﴿باب پنجم﴾

## امام کے وظائف و اختیارات

کے بعد اسلامی احکامات نہ تو منسوخ ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی تحویل ممکن ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے بعد اسلامی شریعت کا کوئی ایک حکم بھی منسوخ کرنا کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ اسی لئے حضرت جعفر صادق سے پہلے ائمہ اہل بیت کی سیرت کا جائزہ لیا جائے تو یہ نہیں ملتا ہے کہ ائمہ نے حکم شریعت کو منسوخ یا تحویل کیا ہو۔ خلاصہ یہ کہ امام شریعت کا کسی بھی حکم منصوصہ کو نہ تحویل کرنے کا حق رکھتا ہے اور نہ منسوخ کرنے کا۔

اگر امام شریعت کے احکامات کی تنفیخ اور تحویل کا حق نہیں رکھتا ہے تو کیا احکام منصوصہ کی تاویل کرنے کا اختیار رکھتا ہے؟

(5/5) امامت اور تاویل شریعت



تاویل اور تحویل دو الگ الگ اصطلاحات ہیں۔ تحویل تقریباً تبدیل کے معنی میں ہے، اسلامی احکامات میں تحویل کی اصطلاح حکم میں تبدیلی کے مفہوم میں استعمال ہوئی ہے۔ تحویل سے مراد اصل حکم کو بدل کر دوسرا حکم لانا ہے۔ جیسے ہجرت مدینہ کے بعد نبی اکرم ﷺ اور تمام اہل ایمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ ہجرت مدینہ کے بعد یہ حکم منسوخ ہوا اور تحویل قبلہ کا حکم ملا۔ اس کے بعد مسلمان بیت المقدس کے بجائے مسجد حرام کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے لگے۔ تحویل اور تاویل میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ تاویل میں اصل حکم منسوخ نہیں ہوتا ہے جبکہ تحویل میں اصل حکم منسوخ ہوتا ہے۔ اسی لئے ائمہ اہل بیت شریعت کی تحویل کا حق نہیں رکھتے ہیں۔ جبکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاویل کا علم ملا ہوا ہے لیکن کس حد تک یہ علم امام کو حاصل ہے؟

## امام کے وظائف و اختیارات

### ﴿باب پنجم﴾

تاویل عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے مختلف لغوی معنی بیان ہوئے ہیں۔ بازگشت، پلٹانا، انجام، نتیجہ، طہارت، رجوع کرنا وغیرہ۔ لغوی اعتبار سے ان معانی کا مفہوم صرف یہ نکلتا ہے کہ کسی لفظ کے ظاہری معنی کے علاوہ کوئی اور معنی مراد لینا جس کا ظاہر کلام سے کوئی ربط نہ ہو۔ تفسیر نمونہ میں تاویل کا لغوی مفہوم یوں بیان ہوا ہے، ”ہر کام یا بات کو اس کے آخری مقصد اور ہدف تک پہنچا دینے کو ”تاویل“ کہتے ہیں۔ تاویل تفسیر قرآن کی ایک اہم اصطلاح ہے۔ یہ لفظ خود قرآن مجید میں چودہ مقامات میں استعمال ہوا۔ تفسیر کے علماء کے درمیان یہ ایک مکمل بحث ہے کہ تفسیر میں تاویل کے معنی کیا ہیں نیز تاویل کا علم خدا نے اپنی ذات تک محدود رکھا ہے یا راسخون فی العلم کو بھی یہ علم عطا ہوا ہے۔



تاویل کا لغوی مفہوم یہ بنتا ہے کہ ظاہر کلام سے جو مطلب ذہن میں آتا ہے، اس کے علاوہ کوئی اور دقیق مطلب مراد لینا، جو عام لوگوں کی فہم سے بالاتر ہو اور یہی دقیق مطلب ظاہر کلام کا حقیقی مطلب ہوتا ہے۔ ”تاویل کی صحیح وضاحت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ سے ہو جاتی ہے کہ جب حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی میں سوراخ کر دیا۔ ایک بچے کو قتل کیا اور ایک افتادہ دیوار کو درست کرنا شروع کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ضبط نہ ہو سکا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان اقدامات کے مرکزی نکتے اور ان میں پوشیدہ اسرار و حکمت سے آگاہ نہ تھے۔“ (۱۵) پس جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام نے اصل حقیقت نہیں بتائی، تب تک ظاہری افعال سے اصل حقیقت اجاگر نہیں ہو سکی۔ مذہب اسماعیلیہ اسی مفہوم کا قائل ہے۔ اسی لئے مذہب اسماعیلیہ

[illegible][illegible]

تہ تیجہ، سیر، کد ۱۶

(لوحہ نمبر ۱)

## ﴿باب پنجم﴾

## امام کے وظائف و اختیارات

معنی صحیح کے بھی ہیں۔ دیگر اسلامی فرقوں کے نزدیک تفسیر کے معنی ہر غیر واضح لفظ کو واضح اور صاف کر کے پیش کرنے کے ہیں، جو کہ پڑھنے والے کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ تاویل کا مطلب معنی کے باطن اور رمز کو کہا جاتا ہے یا اس کے جوہر کو کہا جاتا ہے۔ یہ ایک چھپی ہوئی حقیقت ہے، جو لفظ کے اندر ہوتی ہے، ظاہراً معلوم نہیں ہوتی ہے۔ نظام فکر اسماعیلی میں تفسیر کی صلاحیت ناطق کو دی جاتی ہے اور تاویل کی صلاحیت امام کو دی جاتی ہے۔ پس پہلا والا شریعت احکام، فقہ اور ظاہری قانون کو چلاتا ہے، دوسرا حقیقت اور تاویل اور فلسفہ اور باطنی امور کو انجام دیتا ہے۔“



تاویل کے لغوی معنی و مفہوم کے بیان کے بعد اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے کہ تاویل کا علم کس کے پاس ہے؟ اور اگر تاویل کا مفہوم ”کلام کے معنوی معنی مراد لئے جائیں، جنہیں الفاظ کے ظاہری خواص کا محتاج نہ قرار دیا جائے“ تو مسئلہ زیادہ پیچیدہ بن جاتا ہے کہ کلام خدا کی ایسی تفسیر کرنے کا اختیار کس کو حاصل ہے۔ اس بحث میں قرآن کی یہ آیت سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ ”اس کی ذات وہ ہے کہ جس نے تم پر کتاب نازل کی، جس کی بعض آیات محکم (صریح اور واضح) ہیں، جو اس کتاب کی بنیاد ہیں (اور جو پیچیدہ گیاں دیگر آیات میں نظر آئے وہ ان کی طرف رجوع کرنے سے برطرف ہو جاتی ہیں) اور کچھ آیات متشابہ ہیں (یہ وہ آیات ہیں جن میں بلند احتمالی معانی دکھائی دیتے ہیں لیکن محکم آیات کی تفسیر کی طرف توجہ کرنے سے یہ آیات بھی اہل نظر پر واضح ہو جاتی ہیں) لیکن جن کے دلوں میں کجی ہے، وہ متشبهات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ فتنہ انگیزی کرتے رہیں (اور لوگوں کو گمراہ کریں) اور اس کی (غلط) تفسیر کرنا چاہتے ہیں

## ﴿باب پنجم﴾

## امام کے وظائف و اختیارات

حالانکہ ان کی تفسیر اللہ اور علم میں راسخ لوگوں کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے اور یہ وہی ہیں جو (فہم و ادراک رکھتے ہیں تمام قرآنی اسرار و رموز سے آگاہ ہیں اور الہی علم و دانش کے سبب) کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں یہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے اور دانشمندیوں کے سوا کوئی تذکرہ نہیں کرتا (اور ان کے علاوہ کوئی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتا۔“ (۱۷) مفسرین کے درمیان اس آیت کی تفسیر میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض مفسرین اللہ پر وقف کرتے ہیں۔ اس کو کلام کی ابتداء سمجھتے ہیں اور آیت کا آخری لفظ دُئِنا کو اس کی خبر گردانتے ہیں۔ یوں اس کی تعبیر اور تفسیر اس طرح ہوتی ہے کہ راسخون فی العلم کہتے ہیں کہ ہم متشابہ پر ایمان لائے، یہ سب ہمارے خدا کی جانب سے ہے۔ اگرچہ ہم اس کے معنی نہیں جانتے۔ جبکہ اکثر مفسرین، اللہ پر وقف نہیں کرتے بلکہ الراسخون کو اللہ پر عطف کرتے ہیں یعنی راسخون فی العلم بھی متشابہات (تاویلات) قرآن کو جانتے ہیں۔ راسخون فی العلم کو اللہ پر عطف کے قائلین اپنی اس تفسیر کی تائید میں بہت سی حدیثیں پیش کرتے ہیں، جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ راسخون فی العلم سے مراد رسول خدا اور ائمہ اہل بیت ہیں، جو قرآن کی تاویل کو جانتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت محمد باقر بن جعفر سے روایت کی گئی ہے۔ ”قرآن کی تاویل کوئی نہیں جانتا ہے۔ سوائے اللہ اور راسخون فی العلم یعنی کل قرآن کی تاویل اللہ اور راسخون فی العلم جانتے ہیں۔ پس رسول اکرم ﷺ افضل الراشخین ہیں۔ اللہ نے انہیں تزیل اور تاویل کے بارے میں علم عطا کیا ہے۔“ (۱۸) شیعہ بہت ساری حدیثوں سے یہ بتاتے ہیں کہ ائمہ اہل بیت تاویل کے علم سے واقف ہیں لیکن دوسری طرف نہج



(باب پنجم)

البلاغۃ کا خطبہ نمبر ۹۰ جو ”خطبہ اشباح“ کے نام سے معروف ہے۔ اس خطبہ کا ایک جملہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ راسخون فی العلم آیات کی تاویل سے ناواقف ہیں اور وہ اپنے عجز و ناتوانی کا اعتراف کرتے ہیں۔ ”واعلم ان الراسخين في العلم هم الذين اغناهم عن اقتحام السدد المضروبة دون الغيوب الا قرار بجملة ما جهلوا تفسيره من الغيب المحجوب۔ اور جان لو کہ راسخون فی العلم وہ ہیں، جو اسرار غیبی کے مقابلے میں اعتراف کرتے ہیں اور وہ ان اسرار کی تفسیر سے عاجز ہیں، اسی عجز نے انہیں اس سلسلے میں کاوش و کوشش سے بے نیاز کر دیا ہے۔ یہ جملہ ان روایات سے متفق معلوم نہیں ہوتا ہے، جن میں آپ ﷺ نے راسخون فی العلم کا عطف اللہ کو قرار دیا ہے اور انہیں قرآنی تاویل سے آگاہ بتایا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ لہذا نبیح البلاغۃ کا یہ جملہ دراصل خود راسخون فی العلم کے علم کی عظمت پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اپنے علم کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت کا اندازہ کرتے ہیں اور اس کے سامنے اپنے عجز کا اظہار کرتے ہیں۔ اس لئے یہ بات صحیح ہے کہ یہ جملہ قرآن میں راسخون فی العلم کا تاویل سے ناواقف ہونے کے کسی مفروضہ مفہوم کی تائید نہیں کرتا۔“ (۱۹)

لہذا شیعوں کے تمام فرقوں میں اس بات پر تو کسی طرح کا مناقشہ نہیں ہے کہ ائمہ اہل بیت تاویل کا علم رکھتے ہیں۔ شیعہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ دونوں کے نزدیک ائمہ اہل بیت راخون فی العلم کے مصداق ہیں۔ بحث صرف اس بات پر ہے کہ کیا ائمہ اہل بیت مطلقاً علم تاویل جانتے ہیں یعنی کیا ائمہ اہل البیت نصوص شریعت کی تاویل کرنے کا حق رکھتے ہیں؟ یہ ایک بنیادی سوال ہے جس کا بنیادی

## ﴿باب پنجم﴾

## امام کے وظائف و اختیارات

ماخذ سے تفصیلی جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

قرآن مجید بنی نوع انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے نازل ہوا ہے۔ اب اگر کچھ آیات ایسی ہوں، جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہو، ان آیات کے اسرار و رموز صرف اللہ ہی جانتا ہو اور انسانوں میں کوئی بھی انسان ایسا نہ ہو تو پھر ان آیات کا نزول بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے کیونکہ انسانی دسترس وہاں تک نہ ہونے کی وجہ سے وہ آیات بنی نوع انسان کیلئے ہدایت کا باعث نہیں رہیں گی اور ایسا ہونا عیب کا باعث ہوگا جبکہ قرآن کل کا کل سراپا ہدایت ہے۔ اس سے انکار کرنا باعث کفر ہے۔ لہذا آیات تشابہات اور حروف مقطعات انسانی ہدایت کے لئے ہیں۔ البتہ ان آیات کی تفہیم مشکل ہے، جس کی وجہ سے ہر صاحب تفسیر اس کی تفسیر سے عاجز ہے۔ جس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان آیات کی تفسیر ہی نہ کی جائے۔ آیات تشابہات کے اسرار و رموز تک نہ پہنچنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ آیات تشابہات کے موضوعات زیادہ تر تکوینی ہیں، جیسے عالم غیب، عالم قیامت کے مراحل، خدا کی صفات، جیسے موضوعات ہیں۔ آج تک کسی نے ان موضوعات کی تہ تک دسترس حاصل کرنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان آیات کے حقیقی معنی اور اسرار و رموز کا ادراک رکھنے والے ہوں۔ شیعہ اپنے نظریے کے مطابق ائمہ کو کل قرآن کے اسرار و رموز کا عالم مانتے ہیں اور مذکورہ آیت کو اپنے اس نظریے کی تائید میں پیش کرتے ہیں کہ ”راستخون فی العلم“ سے مراد ائمہ اہل بیت ہیں۔ جو ان آیات کے اسرار کو جانتے ہیں اور ان کی تشریح کرتے ہیں۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اہل بیت کے قرآن کے اسرار و رموز سے آگاہی کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے



ہاں! یہ سب باتیں جی کے بننے والی باتوں کی آیت کے تحت ہی اس امر پر مشتمل



۱- بهر جهت، در این کتاب، اصطلاحات و تعاریف به گونه‌ای بیان شده است که برای هر فردی که می‌خواهد این کتاب را مطالعه کند، قابل فهم باشد.

﴿الحمد لله﴾  
 اے اللہ! تم ہی کے لیے



(لوحۂ اول)

[illegible]

۱۔ استغفر اللہ سے دعا ہے کہ اہل بیت اور شیخ

میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار اس وقت تک نہیں دیکھا تھا کہ ایک شخص اس قدر بڑا ہو سکے۔ اس نے میری زندگی میں ایک نیا دور لایا تھا۔ اس نے میری زندگی میں ایک نیا دور لایا تھا۔ اس نے میری زندگی میں ایک نیا دور لایا تھا۔

تہ تیجہ، سیر، کزلہ

## امام کے وظائف و اختیارات

### ﴿باب پنجم﴾

کے مطابق رسول اور امام دونوں کو شریعت کی منسوخی کا اختیار حاصل نہیں اور نہ ہی امام کو مطلقاً تاویل کرنے کا حق حاصل ہے۔ اسی طرح شیعہ اسماعیلیہ زاریہ بھی کسی نقلی دلیل سے امام کو شریعت کا مطلقاً تاویل کرنے کے حق کے قائل نظر نہیں آتے ہیں لیکن عملی صورت یہی ہے کہ ان کے نزدیک امام کو تاویل کرنے کا مطلقاً حق حاصل ہے کیونکہ نبی صرف ظاہری تفسیر اور تشریح کے لئے مبعوث ہوتا ہے جبکہ امام باطنی علوم کی حقیقت کا ادراک کرانے کے لئے معین ہوتا ہے۔ شریعت کے تنزیلی مقام میں نبی ہوتا ہے تو اس کے تاویلی مرتبہ میں امام ہوتا ہے۔ اس لئے امام تاویل کا مطلق حق رکھتا ہے۔



بہر حال خلاصہ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ شیعہ اثنا عشری اور شیعہ اسماعیلی دونوں تاویل کے عمومی مفہوم میں متفق ہیں لیکن اس کی تفصیلات اور تطبیق میں ایک دوسرے سے بہت اختلاف کرتے ہیں۔ شیعہ اثنا عشری کے مقابلے میں شیعہ اسماعیلی نے تاویل کے مفہوم میں کافی وسعت پیدا کر دی ہے۔ شیعہ اثنا عشری نص صریح میں تاویل کے قائل نہیں بلکہ صرف متشابہات اور غیر منصوص احکامات میں تاویل کے حق میں ہیں، وہ بھی صرف امام کو یہ حق حاصل ہے جبکہ شیعہ اسماعیلیہ زاریہ محکم و متشابہات دونوں میں تاویل کے حق میں ہیں۔ یہاں تک دین کے تمام احکامات کی تاویل کرنے کے قائل ہیں۔ بہر حال مذہب زاریہ تقریباً شریعت کے سارے احکامات کی تاویلات کرتے ہیں۔

۱۔ تاویل کی بحث کافی طوالت کا باعث ہے اور یہ ہمارے موضوع کا حصہ بھی نہیں ہے۔ پیرنا صرخرودی کتاب ”وجہ دین“ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے، اس کتاب کی جلد دوم میں احکام شریعت کی تاویلات تفصیل سے بیان ہوئی ہیں۔

## ﴿باب پنجم﴾

## امام کے وظائف و اختیارات

امام کے بارے میں یہ نظریہ تسلیم کیا جائے کہ امام ناسخ بھی ہے اور تاویل شریعت کرنے کا مطلقاً حق بھی رکھتا ہے جیسا کہ اسماعیلیہ نزاریہ امام کیلئے یہ دونوں اختیارات رکھنے کا مکمل حق دیتے ہیں تو مذہب اسماعیلیہ کا شریعت پر عمل کرنے کا موجودہ طریقہ کار پر کسی طرح کا مناقشہ نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ یہ لوگ امام کے اسی اختیار کے تحت موجودہ (منفرد) شرعی طریقے کا انطباق اپنے اوپر کرتے ہیں۔ اس مذہبی روش کو سمجھنے کیلئے امام کے اختیارات کو سمجھنا بہت لازمی ہوگا۔ اگر امام کے اختیارات میں یہ بات شامل ہے کہ وہ شریعت کو منسوخ اور اس کی تاویل مطلق کر سکتا ہے تو پھر کسی طرح سے بھی اسماعیلیہ نزاریہ سے شریعت کے ظواہر پر عمل نہ کرنے سے کوئی مباحثہ اور مناقشہ نہیں ہو سکتا ہے اور نہ ہونا چاہئے بلکہ مناقشہ کا اصل موضوع خود امام کے مذکورہ بالا اختیارات ہیں۔ امام کو ان اختیارات کے حامل جان کر موجودہ اسماعیلیہ نزاریہ نے اپنے مذہب کی بنیاد تاویل پر رکھی ہے۔ بلکہ پورا مذہب تاویل پر ہی اپنے روحانی اور شرعی طریقے کو واضح کرتا ہے۔ آج کے اسماعیلیہ نزاریہ دیگر مسلمانوں کی شریعت کی توضیح اور تشریح سے مکمل اتفاق نہیں کرتے ہوئے شریعت کی روحانی اور تمثیلی تشریح کے قائل ہیں، جس کی بنیاد تاویل پر ہے۔ یہی وجہ نظر آتی ہے کہ مذہب نزاریہ کے ماننے والے شریعت کے تمام احکامات کے ظواہر کو قبول نہیں کرتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک ظواہر کی اصطلاح کوئی اسلامی یا شرعی اصطلاح نہیں ہے اور قرآن و حدیث میں یہ اصطلاح استعمال نہیں ہوئی ہے۔ مذہب نزاریہ اس اصطلاح کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک شریعت کی جو توضیح امام الوقت کر رہا ہے، وہی ظاہر شریعت بھی ہے اور اس کی روح بھی ہے۔ یہی وہ فرق ہے جس کی وجہ سے اسماعیلیہ نزاریہ دین کے بعض احکامات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا منفرد



[illegible]

۱۰۱۲۳۴۵۶۷۸۹۱۰

﴿لَوْحًا﴾



## امام کے وظائف و اختیارات

### ﴿باب پنجم﴾

صادق آئے گی۔ اگر ایسا کوئی مسئلہ سامنے آتا ہے تو اس کا دعویٰ اسلام کرنے پر اس پر سرکاری اور قانونی طور پر کفر و شرک صادق نہیں آسکتی ہے البتہ ان کی تشریح و تعبیر کو قبول نہ کیا جائے۔ جیسا پاکستانی پارلیمنٹ نے قادیانیوں کو کافر قرار دیا ہے۔ یقیناً قادیانیوں کے ختم نبوت کی توضیح و تشریح انکار ختم نبوت ہے۔ اس میں کوئی دورائے نہیں ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنے کو مسلمان مانتے ہیں اس لئے پارلیمنٹ کو یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ اکثریت کی بنیاد پر انہیں کافر قرار دے۔ انہیں شرعی اور دینی طور پر انکار ختم نبوت سے تعبیر کرنے تک محدود کرنا چاہئے تھا، قانونی طور پر کفر و شرک قرار دینا سمجھ سے بالاتر ہے۔ لہذا اسماعیلیہ کے تفہیم دین کے معاملے میں اختلاف تو کیا جاسکتا ہے لیکن اس کی بنیاد پر خارج از اسلام قرار دینا انتہائی احمقانہ عمل ہے۔ دور حاضر کے شیعہ مجتہد آیت العظمیٰ سید علی خامنہ ای سے اسماعیلیہ نزاریہ (آغا خانہ) کے مسلمان ہونے یا نہ ہونے کا فتویٰ پوچھا۔



سوال: ”ہمارے علاقے اور بعض دوسرے علاقوں میں ایک فرقہ پایا جاتا ہے جو اپنے کو ”اسماعیلیہ“ کہتا ہے وہ لوگ چھ اماموں کا اعتقاد رکھتے ہیں لیکن وہ کسی بھی واجبات دینی کو نہیں مانتے اسی طرح وہ ولایت فقیہ کو بھی نہیں مانتے، لہذا آپ بتائیں کہ اس فرقے کی پیروی کرنے والے نجس ہیں یا پاک؟

جواب: صرف چھ ائمہ معصومین یا احکام شرعیہ میں سے کسی حکم پر اعتقاد نہ رکھنا جبکہ وہ اصل شریعت سے انکار نہ ہو اور نہ خاتم الانبیاء علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سے انکار ہو تو یہ کفر و نجاست کا موجب نہیں ہے۔ مگر یہ کہ ان سے کسی امام کو برا بھلا کہنے اور ان کی

## امام کے وظائف و اختیارات

## ﴿باب پنجم﴾

اہانت کے اسباب ظاہر ہوں۔“ (۲۱)

دین کے بعض احکامات کے ظاہری شکل و صورت سے اسماعیلیہ کیوں اور کس طرح الگ اور منفرد ہوئی ہے اس کا تاریخی پس منظر کچھ اس طرح سے ہے۔ تاریخی طور پر ائمہ اہل بیت زاریہ میں سے دوائمہ ایسے گذرے ہیں، جنہوں نے اس حوالے سے اپنے ماننے والوں کو دین کی معرفت اور حقیقت سے آشنا کرنے کی غرض سے اقدامات کئے، جس کے تحت مذہب اسماعیلیہ کے ماننے والے دین کے ظواہر سے باہر آئے ہیں۔ ان میں قلعہ الموت کے امام ”حضرت حسن بزرگ“ ہیں، جنہوں نے شریعت کی تاویلی حقیقت بتاتے ہوئے اپنے ماننے والوں کو دین کے ظاہری احکام سے آزادی دلادی۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک منفرد نظریہ پیش کیا جسے ”نظریہ قیامت“ بھی کہا جاتا ہے۔ جس کے مطابق دین کے ظاہر کی اہمیت مذہب اسماعیلیہ میں باقی نہیں رہی۔ ”حسنؑ نے رمضان ۵۵۹ھ میں الموت کے دامن میں نماز باجماعت کے میدان میں رو بغرب ایک منبر بنانے کا حکم دیا اور منبر کے چاروں ستونوں کے ساتھ چار رنگوں یعنی سفید، زرد، اور سبز رنگ کے چار بڑے بڑے علم نصب کئے۔ اس کے بعد ۷ رمضان ۵۵۹ھ / ۸ اگست ۱۱۶۴ء کو انہوں نے اپنے علاقے کے لوگوں کو جنہیں پہلے سے ہی الموت طلب کیا گیا تھا اس میدان میں جمع ہونے کا حکم دیا۔۔۔ الخ، اور حسنؑ نے اعلان کیا ”زمانے کے امام نے تم پر اپنی برکات اور رحمتیں بھیجی ہیں، انہوں نے تمہیں اپنے خاص بندوں میں

۱۔ حسن بن قاہر اور حسن بن محمد بن بزرگ کے حوالے سے اختلاف موجود ہے البتہ موجودہ اسماعیلیہ ان کو حسن بن قاہر مانتے ہیں

## امام کے وظائف و اختیارات

### ﴿باب پنجم﴾

شامل کیا ہے اور تم کو اغلال شریعت سے رہا کیا ہے اور قیامت تک پہنچایا ہے“  
حسن اپنے خطبے کو مکمل کرنے کے بعد منبر سے نیچے اترے اور نماز عید کی دو رکعتیں  
ادائیں۔ اس کے بعد حسن نے لوگوں کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بلایا اور افطار  
کرنے کا حکم دیا۔ حسن نے اسی دن کو ”عید القیامۃ“ کا نام دیا اور لوگوں نے  
خوشیاں منائیں۔ اس کے بعد ہر سال ۷ رمضان کو نزاری عید القیامہ مناتے تھے  
اور اس دن جشن منعقد کرتے تھے۔ (۲۲)

شیعہ اسماعیلیہ اپنے امام کے اعلان قیامت کو تنبیخ شریعت کا نام نہیں  
دیتے بلکہ اس کو امام کی حکمت تصور کرتے ہیں۔ بہر حال اعلان قیامت کا فلسفہ اور  
اس کی حیثیت کچھ بھی ہو لیکن اس اعلان کے نتیجے کے طور پر مذہب اسماعیلیہ رفتہ رفتہ  
شریعت کے متعدد احکام کے ظاہری ہیئت اور کیفیت سے دور ہوتا چلا گیا۔ تاریخی  
طور پر یہ ایک حقیقت ہے کہ مذہب اسماعیلیہ نزاریہ کے پیروکاروں نے شریعت  
اسلام کے ظاہری احکامات پر عمل پیرا ہونے سے دستبرداری اسی اعلان کے بعد سے  
کی ہے، جو ابھی تک جاری ہے۔



مذہب اسماعیلیہ نزاریہ کے اسلامی احکام پر عمل نہ کرنے کی تاویلی  
تشریحات کافی مشکل اور فلسفیانہ ہیں کہ ایک عام قاری کو ان تاویلات کی حقیقت  
تک پہنچنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ ”۵۵۹ھ/۱۱۶۳ء میں الموت اور مومن  
آباد میں عوامی سطح پر جو اعلان کیا گیا تھا، بلاشبہ وہ ایک مذہبی انقلاب شمار ہوتا تھا۔  
حسن دوم نے جنہیں نزاری ”علی ذکرہ السلام“ کے لقب سے ملقب کرتے تھے، عملاً  
اصول قیامت کا تعارف کرایا تھا جبکہ روباہر، قہستان اور دوسرے علاقوں کے نزاری

باشندوں کی نظر میں حسن نے اس قیامت کا اعلان کیا تھا، جس کا مدت مدید سے انتظار تھا اور جس میں بنی نوع انسان کا محاسبہ ہوگا اولوگوں کو ہمیشہ کیلئے جنت یا دوزخ میں بھیجا جائے گا۔ تاہم بڑے پیمانے پر اسماعیلی تاویل پر انحصار کرتے ہوئے قیامت اور معاویہ اختتام عالم کی روحانی اور تمثیلی تعبیر و تشریح پیش کی گئی۔ قیامت کی تشریح نزاری امام کی شخصیت میں ظہور حقیقت کی حیثیت سے کی گئی۔ چنانچہ جن مومنین نے اسماعیلی مذہب قبول کیا تھا، وہ اب شریعت کی حقیقت یا روحانی اصلیت یعنی شریعت کے باطن کا ادراک حاصل کرنے کے اہل تھے، جس کے نتیجے میں انہیں اسی دنیا میں ہی جنت کی حقیقت سے آگاہ کیا گیا تھا۔ دوسری جانب غیر نزاری جنہوں نے نزاری امام کی شناخت سے انکار کیا تھا، اس کے بعد جہنم میں ڈالے جائیں گے، جو روحانی عدم سے عبارت ہے۔-----حسن دوم نے قیامت سے متعلق قدیم اسماعیلیوں کی توقعات کے مطابقت میں تنبیخ شریعت کا بھی اعلان کیا تھا، جسے بزرگ امید محمد بن بزگ نے بڑی سختی سے نافذ کیا تھا۔ اس کے بعد قیامت کے نتیجے میں شریعت کے نافذ کردہ اعمال و فرائض سے مومنین کو چھٹکارا مل سکتا تھا، جیسا کہ جنت میں ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دنیا سراسر عمل ہے، اس میں حساب نہیں مگر قیامت میں عمل نہیں ہے بلکہ سراسر حساب ہے۔ چنانچہ ان ہی مأخذات کی رو سے اس عقیدے کی تعلیم یہ تھی کہ دور قیامت میں انسان پر لازم ہے کہ ہر حالت میں یعنی ہمہ وقت خدا کی طرف متوجہ ہو اور پرستش کی مسلمہ عادات کو چھوڑ دے۔ مثال کے طور پر دن میں صرف پانچ مرتبہ نماز پڑھنے کے بجائے، جس کا حکم شریعت میں ہے۔ دور قیامت میں لازم ہے کہ دل میں ہمیشہ خدا کی یاد ہو،





## ﴿باب پنجم﴾

## امام کے وظائف و اختیارات

اس لئے کہ یہی ”نماز حقیقی“ ہے۔ یہی مآخذات مزید بتاتے ہیں کہ نزاریوں نے بالکل اسی طرح اسلام اور شریعت کے دوسرے فرائض اور اصول کی بھی تاویل و تشریح کی۔“ (۲۳)

امام کے اختیارات کے حوالے سے شیعہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ نزاریہ کے نظریات کا تقابل کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ دونوں فریق امام کے منصوص اور مامور من اللہ ہونے کے قائل تو ہیں لیکن منصوص ہونے کے اسباب میں اختلاف رکھتے ہیں اور ساتھ امام کے اختیارات اور فرائض میں بھی ان دونوں کے نظریات الگ ہیں۔

بحث کا سیر حاصل یہ ہے کہ امامت نبوت کی طرح ایک الہی منصب ہے۔ عقلی اور نقلی دلائل کے مطابق ضروری ہے کہ ہر زمانے میں ایک امام اور رہنما ہو جو پیغمبر اسلام ﷺ کی جگہ انسانوں کو دنیا اور آخرت کی بھلائی کا راستہ دکھائے۔ لازمی ہے کہ امام ولایت کا مالک بھی ہوتا کہ جس طرح آنحضور ﷺ انسانوں میں تصرف کا حق رکھتے تھے، اسی طرح امام بھی عوام میں حق تصرف رکھے، جس سے امام الہی نظام کی تنفیذ کر سکے۔ معاشرے میں انصاف قائم کرے اور ظلم و ستم کا خاتمہ کر دے۔ دوسری طرف عملی میدان میں شیعہ اثنا عشری اور اسماعیلیہ نزاریہ مذہب کے موضوع میں ایک دوسرے سے بہت دور ہو چکے ہیں۔ یہ دونوں فرقے نظریہ امامت کے خاں ہونے کے باوجود امامت کی تشریح اور توضیح میں بہت زیادہ اختلافات رکھتے ہیں اور ان اختلافات کی اصلی بنیاد ہی امام کے وظائف اور اختیارات ہیں۔ امام کے وظائف اور اختیارات میں اختلاف کے باوجود دین



## امام کے وظائف و اختیارات

### ﴿باب پنجم﴾

شناسی اور دین پر عمل پیرا ہونے میں شیعہ اسماعیلیہ اور اثنا عشریہ میں کافی مماثلت پائی جاتی تھی، جس طرح موجودہ دور میں اسماعیلیہ بوہرہ اور اثنا عشریہ میں کافی مماثلت موجود ہے، کیونکہ یہ دونوں فرقے شریعت کے ظاہر کے پابند ہیں۔ درحال یہ کہ دونوں فرقے دین کی روحانی تعبیر اور تشریح کے بھی قائل ہیں جبکہ اس کے مقابلے میں شیعہ اسماعیلیہ نزاریہ دین کے ظاہر کی تاویل کے قائل ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ شیعہ اثنا عشری مجتہدین نے اسماعیلیہ فرقہ کو کافر یا مشرک ہونے کا فتویٰ نہیں دیا ہے۔ البتہ ایسے اشارے ضرور ملتے ہیں کہ جس کی بناء پر شیعہ اثنا عشری کے بعض شدت پسند لوگوں نے شیعہ نزاریوں کو کافر سمجھا ہے۔ اس سخت گیر نظریہ کے سبب ان دونوں فرقوں میں متعدد مرتبہ لڑائیاں بھی ہوئی ہیں۔ یہاں تک کہ ایران میں ایک اسماعیلی نزاری امام شاہ خلیل کا قتل بھی ہوا اور اسی مذہبی ٹکراؤ کی وجہ سے نزاریہ کے ائمہ کو ایران سے برصغیر کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ البتہ یہ تمام لڑائیاں ایران میں حضرت روح اللہ خمینی کی قیادت میں رونما ہونے والے اسلامی انقلاب سے پہلے ہوئی ہیں لیکن اسماعیلیت کے خلاف شیعہ اثنا عشریوں کا یہ سخت گیر نظریہ تاہنوز باقی ہے۔ اس کا اندازہ پاکستان کے شمالی علاقوں (گلگت بلتستان) میں دیکھا جاسکتا ہے، جہاں کی سب سے بڑی آبادی شیعہ اثنا عشری اور دوسری بڑی



۱۔ انقلاب اسلامی کے بعد نزاری امام پرنس کریم آغا خان نے ایران کا دورہ کر کے بانی انقلاب حضرت روح اللہ خمینی سے ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو حضرت خمینی نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اگر آپ مسلم لیڈر کے طور پر مجھ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں تو پہلے سعودی عرب جا کر خانہ کعبہ کا طواف کریں، ورنہ آپ کا بحیثیت ایک مسلم رہبر کے ایران کا دورہ کرنا قبول نہیں ہے۔

## ﴿باب پنجم﴾

## امام کے وظائف و اختیارات

آبادی شیعہ نزاریوں کی ہیں۔ شیعہ اثنا عشری علماء کے اسماعیلیت کے بارے میں سخت نظریہ کی وجہ سے اکثر شیعہ لوگ اسماعیلیوں کو مسلمان تک ماننے کو تیار نہیں ہیں اور عملی صورتحال اتنی ناگفتہ بہ ہے کہ بہت سے اثنا عشری لوگ اسماعیلیوں سے معاشرتی اور سماجی تعلقات کو بھی جائز تصور نہیں کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ مذہب اسماعیلیہ کے موجودہ امام پرنس کریم آغا خان کی ذاتی کاوشوں اور کوششوں سے اس پسماندہ علاقے کے لوگوں کی ترقی کے لئے جو اقدامات کئے ہیں، بعض لوگ ان اقدامات کو بھی جائز نہیں سمجھتے ہیں۔ Agha Khan Net Work کے تحت متعدد NGOs گلگت بلتستان میں بلا تفریق نسل و مذہب پسماندگی کو دور کرنے کیلئے اقدامات کر رہے ہیں لیکن دوسری طرف شیعہ اثنا عشریہ اور سنی مذہب کے ماننے والوں کی ایک بڑی تعداد ان اقدامات کو صرف اس وجہ سے شک کی نگاہ سے دیکھتی ہے کہ یہ ادارے Agha Khan Net Work کے ماتحت کام کر رہے ہیں۔ دوسری طرف شیعہ نزاریوں نے بھی بہت سے اقدامات ایسے اٹھائے ہیں، جن کی وجہ سے مذہب اسماعیلیہ نزاریہ دیگر مسلمانوں سے الگ ہو کر ایک منفرد مذہب کے طور پر ابھرا ہے۔ اگر نزاریہ مذہب کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ دو ائمہ ایسے گذرے ہیں جنہوں نے اپنے ماننے والوں کو منظم کرنے کے غرض سے بعض ایسے اقدامات اٹھائے۔ ان اقدامات کے بعد نزاریت دیگر مسلمانوں سے الگ نظر آنے لگی۔ در حال یہ کہ یہ اقدامات ایک نزاری کے لئے عین اسلام کے مطابق ہیں، کوئی اس کی حقیقت کو سمجھ کر اس کو تسلیم کرے یا نہ کرے۔ ہم اس مقالہ میں ان اقدامات کی شرعی حیثیت پر بحث نہیں کر رہے ہیں۔ یہاں



اتنا بتانا مقصود ہے کہ ان اقدامات کے پس منظر میں کیا معاشرتی اثرات مرتب ہوئے۔ ان اقدامات میں سے ایک اہم قدم ”عید القیامہ“ ہے۔ جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ بہر حال عید القیامہ ایک ایسا قدم تھا، جس کے ذریعے سے نزاریت دیگر مسلمانوں سے ہٹ کر دین کی ایک تاویلی اور تمثیلی شکل کے ساتھ سامنے آنے لگی بلکہ یہی نکتہ عروج تھا، جہاں سے دین شناسی میں مذہب نزاریہ نے دیگر مسلمانوں کے برخلاف روش کو اختیار کیا۔ حضرت حسن بن قاہر کے بعد دوسری شخصیت پرنس کریم سرسلطان آغا خان سوم کی ہے، جنہوں نے اپنی جماعت کو منظم کرنے کے لئے متعدد اقدامات کئے ہیں۔ فرہاد دفتری ان اقدامات کو یوں تحریر کرتے ہیں۔ ”ان ہدایات کے مطابق ۱۹۱۰ء تک آغا خان سوم نے دوسرے ممالک کے قاسم شاہی نزاریوں کی طرح اپنے ایرانی مریدوں کے مذہبی اعمال و رسومات میں بھی بعض تبدیلیاں متعارف کرانے کا آغاز کیا۔ انہوں نے بالخصوص ان مذہبی رسومات میں تبدیلی یا سادگی پیدا کی جن کو دوسرے مسلمانوں کی طرح ایرانی شیعہ بھی فروغ دین کا درجہ دیتے تھے، جو اسلامی شریعت کے ایجابی قواعد پر مشتمل تھیں۔ مثلاً عبادت، طہارت، صوم، اور حج کی رسومات وغیرہ۔ اس وقت تک ایرانی نزاری یہ رسومات غالباً تقیہ کی خاطر زیادہ تر اثنا عشری شیعہ طریقے کے مطابق انجام دیتے تھے۔ مگر اب ان کے لئے لازم تھا کہ ایک مذہبی جماعت کی حیثیت سے اپنے آپ کو بڑی حد تک اثنا عشریوں سے جدا کریں اور اپنا تشخص بحال کریں۔ مثال کے طور پر اس کے بعد انہوں نے اپنی روزمرہ عبادات کے آخر میں تمام قاسم شاہی ائمہ کے ناموں کو پڑھنا لازم کیا۔ اسی طرح مخصوص مواقع پر مسجدوں میں اثنا عشریوں کے



## امام کے وظائف و اختیارات

### ﴿باب پنجم﴾

ساتھ شامل ہونے اور محرم کے موقع پر شیعوں کے ساتھ ماتم کی رسم ادا کرنے کی بھی حوصلہ شکنی کی گئی۔ اس لئے کہ نزاریوں کے پاس زندہ اور حاضر امام موجود تھے اور کسی متونی امام کی یاد منانے کی انہیں کوئی ضرورت نہیں تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ انہیں صرف ان مذہبی فرائض پر عمل کرنے کی ضرورت تھی، جن کی توثیق یا اجراء براہ راست ان کے زندہ امام کرتے تھے۔ تاہم آغا خان نے اپنے مریدوں کو ہدایت کی یہ وہ ان رسومات کی حقیقی اور باطنی اہمیت سے آگاہ ہوں اور انہوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ قطع نظر مسلک یا عقیدے کے تمام مسلمان اسلام کے بنیادی ارکان میں لازماً شریک ہیں۔“ (۲۴) بہر حال آغا خان سوم کے ان اقدامات سے جہاں جماعت کو منظم کرنے میں مدد ملی، وہیں پر مذہب نزاریہ دیگر مسلمانوں سے الگ ہو گیا۔ اب نزاریہ مذہب کے بجائے ایک جماعت اور (Community) کی شکل اختیار کر گیا۔ آغا خان سوم کی سیرت کا جائزہ لینے کے لئے ایک الگ کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔ یہاں پر ان اقدامات کے اثرات کا ایک مختصر تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس تنقید کو آپ کی زندگی پر تنقید کرنا مقصود نہ لیا جائے اور نہ ہی ہماری تحقیق اس بات کی اجازت دیتی ہے۔



آغا خان سوم کی طرح پرنس شاہ کریم آغا خان چہارم نے بھی ان اصلاحات کو جاری رکھا، البتہ شاہ کریم آغا خان کی موجودہ سیرت میں دین شناسی کے حوالے سے بعض ایسے اقدامات بھی سامنے آئے ہیں، جن کی وجہ سے شیعہ اثنا عشری اور شیعہ اسماعیلیہ نزاری میں ایک بار پھر دین شناسی اور دین فہمی میں ہم آہنگی پیدا ہونا شروع ہوئی ہے۔ اگر پرنس کریم آغا خان کے موجودہ فرمودات کے ساتھ

## امام کے وظائف و اختیارات

## ﴿باب پنجم﴾

ساتھ شیعہ اثنا عشری فقہاء عزاریت کے حوالے سے اپنے سخت گیر نظریات میں لچک پیدا کریں تو یقیناً شیعیت کے ان دونوں گروہوں میں ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے اور ایک دوسرے کے بارے میں غلط فہمیوں کو بھی دور کیا جاسکتا ہے۔ شیعیت کے ان دونوں فرقوں میں دین کی تفہیم کے جو مآخذ ہیں، وہ تقریباً مشترک ہیں۔ ”فاطمی اسماعیلی فقہ جو عام طور پر امامی (اثنا عشری) فقہ سے متفق ہے شیعہ عقائد کے ایک حسن امتزاج کی عکاسی کرتا ہے جو خاص طور پر مسلمانوں کے فقہی مفاہیم اور عقیدہ امامت پر حاوی ہے۔ دوسرے مسلمانوں کی طرح اسماعیلیوں نے بھی قرآن کریم اور سنت نبوی کو فقہ کے دو بنیادی مآخذ کی حیثیت سے قبول کیا ہے۔“ (۲۵) اگر یہ دونوں ان مشترکہ مآخذ کی طرف رجوع کریں اور دینِ نبوی میں مشترکات کے مطابق دینی اتحاد اور وحدت پیدا کرنے کی کوشش کریں تو یقیناً دین اور دنیا دونوں حوالوں سے ان دونوں فرقوں کو کامیابی ہوگی۔



تاریخی صورتحال کچھ بھی ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ شیعہ اثنا عشریہ اور زاریہ دونوں فرقے امامت کے بنیادی نظریہ میں ایک ہونے کے باوجود دین شناسی اور دینِ نبوی میں بالکل مختلف نظر آتے ہیں، ظاہراً ایک دوسرے کو کافر اور مرتد تو قرار نہیں دیتے ہیں، لیکن عملی میدان میں امامت کی توضیح اور تشریح کے ساتھ ساتھ دین کی روحانی اور باطنی تعبیر میں ان دونوں فرقوں میں شدید اختلافات موجود ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ دونوں فرقے وقت کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے دوبارہ دین شناسی اور دینِ نبوی میں اپنے موروثی مشترکات کی طرف واپس آئیں گے۔ اسی میں ان دونوں کی بھلائی بھی ہے اور اسی میں دینِ حق کی ترویج میں



۱۔ ۲۳۰ ڈی کروزر روڈ گارڈن ایسٹ کراچی

(۶) مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج ۴، ص ۱۱۳، الناشر: مؤسسۃ الوفاء،

بیروت

(۷) مولیٰ محمد صالح، شرح اصول کافی، ج ۸، ص ۵۲، المکتبۃ

## ﴿باب پنجم﴾

## امام کے وظائف و اختیارات

آسانیاں بھی ہیں۔ خدا کرے کہ شیعہ تینوں فرقے اشاعریہ، نزاریہ اور مستعلیہ اپنے اختلافات کو کم کر کے ایک بار پھر متحد ہو جائیں تاکہ معاشرہ میں ہم آہنگی اور بھائی چارے کا رشتہ مزید مضبوط ہو سکے۔ یہی ہماری اس تحقیق کا ایک بنیادی قصد

## ﴿باب پنجم﴾

## امام کے وظائف و اختیارات

الشاملة، www.shalela.ws

- (۸) لويس معلوف، المنجد، ص ۸۷۴، المطبعة الكاثوليكية، بيروت، سن اشاعت ۱۹۵۲ء
- (۹) تقی عثمانی، محمد، علوم القرآن، باب چہارم، ص ۱۵۱، مکتبہ دارالعلوم کراچی، شوال ۱۴۲۶ھ بمطابق دسمبر ۲۰۰۵ء
- (۱۰) کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، اصول کافی، ج ۱، باب البداء
- (۱۱) القرآن، سورہ رعد، آیت ۳۹
- (۱۲) القرآن، سورہ مائدہ، آیت ۶۴
- (۱۳) علوم القرآن، باب چہارم، ص ۱۶۰، ۱۶۱،
- (۱۴) مجلسی، محمد باقر، بحار الأنوار، ج ۱۱، الناشر: مؤسسة الوفاء، بيروت لبنان
- (۱۵) الکوثر فی تفسیر القرآن، ج ۱، ص ۱۵۸
- (۱۶) قاضی نعمان، تمیمی مغربی، اساس التاویل، ص ۶ منشورات دار الثقافة، بيروت
- (۱۷) القرآن، سورہ آل عمران آیت ۷
- (۱۸) مجلسی، محمد باقر، بحار الأنوار، ج ۸۹، ص ۹۲،
- (۱۹) مکارم شیرازی، تفسیر نمونه، ج ۲، ص ۴۹، مترجم مولانا سید صفدر حسین نجفی، مصباح القرآن ٹرسٹ، تاریخ اشاعت ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ، پاکستان
- (۲۰) فتویٰ دارالعلوم کراچی، جلد نمبر ۱، ص ۲۴۸،



﴿باب پنجم﴾

امام کے وظائف و اختیارات

- (۲۱) خامنہ ای، سید علی حسینی، رسالہ عملیہ توضیح المسائل، ص ۷۸، ناشر اکبر حسین جیوانی ٹرسٹ کراچی، تاریخ ندارد
- (۲۲) دفتری، ڈاکٹر فرہاد، اسماعیلی تاریخ اور عقائد، ص ۳۹۵، مترجم عزیز اللہ نجیب، نظر ثانی شیخ محمد اقبال، ناشر اقبال برادرز، پاکستان چوک، کراچی سن اشاعت ۱۹۹۷ء
- (۲۳) ظاہر، شیخ سلیمان، الشیعہ والاسماعیلیہ، ص ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۵، محقق موسیٰ حسین صفوان، الدار الاسلامیہ للطباعة والنشر والتوزیع، ۲۰۰۲ م / ۱۴۲۳ھ
- (۲۴) اسماعیلی تاریخ اور عقائد، فصل ششم، ص ۳۹۵، ۳۹۶
- (۲۵) اسماعیلی تاریخ اور عقائد، ص ۲۵۹





## حوالہ جاتی آیات مع ترجمہ

(۱) ”إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا

أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا. یقیناً ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جس سے اللہ نے تم کو شاسا کیا ہے اور خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنو۔“ (۴)

(۲) يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ. اللہ جسے چاہتا ہے، مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے، قائم رکھتا ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔“ (۱۱)

(۳) وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا

بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ. اور یہود کہتے ہیں: اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ خود ان کے ہاتھ باندھے جائیں اور ان پر لعنت ہو اس (گستاخانہ) بات پر



## ﴿باب پنجم﴾

## امام کے وظائف و اختیارات

بلکہ اللہ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے، عطا فرماتا ہے۔ اور جو (کتاب) تمہارے پاس نازل کی گئی ہے (اس کا انکار) ان میں سے بہتروں کی کفر و سرکشی کو بڑھادے گا اور ہم نے خود ان کے آپس میں روز قیامت تک عداوت اور کینے کی بنیاد ڈال دی۔ جب یہ لوگ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں تو خدا اس کو بھجھا دیتا ہے اور روئے زمین میں فساد پھیلانے کے لئے دوڑتے پھرتے ہیں اور خدا فساد یوں کو دوست نہیں رکھتا“ (۱۲)

(۴) هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ (۱۸)



## حوالہ جاتی احادیث مع ترجمہ

(۱) ما بدا الله في شيء الا كان في علمه قبل أن يبدو له - الله کو کسی شے کے بارے میں بداء نہیں ہوتا ہے مگر یہ کہ اللہ کو اس کا پہلے سے علم ہوتا ہے۔ (۱۰)

(۲) حَلَالٌ مُحَمَّدٌ حَلَالٌ أَبَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ، وَ حَرَامُهُ حَرَامٌ أَبَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ. لَا يَكُونُ غَيْرُهُ وَلَا يَجِيءُ غَيْرُهُ. محمد ﷺ کا حلال کیا ہوا قیامت تک حلال ہے اور محمد ﷺ کا حرام کیا ہوا، قیامت تک حرام ہے۔ (۱۵)



(۳) وما يعلم تأويله الا الله والراسخون في العلم يعني تأويل القرآن كله الا الله والراسخون في العلم فرسول الله أفضل الراسخين، قد علمه الله جميع ما أنزل عليه من التنزيل والتأويل. قرآن کی تاویل کوئی نہیں جانتا ہے۔ سوائے اللہ اور راسخین فی العلم یعنی کل قرآن کی تاویل اللہ اور راسخون فی العلم جانتے ہیں۔ پس رسول اکرم ﷺ افضل الراسخين ہیں۔ اللہ نے انہیں تنزیل اور تاویل کے بارے میں پورا علم عطا کیا ہے۔ (۱۹)

jabir.abbas@yahoo.com

## تلخیص المطالب

شیعہ اثنا عشریہ اور اسمعیلیہ کے عقیدہ امامت  
کا تقابلی جائزہ

شیعہ مسلمانوں کے تقریباً تمام فرقے نظریہ امامت کو دین کی بنیادوں میں سے قرار دیتے ہیں۔ اس لئے اس کتاب میں نظریہ امامت پر شیعہ اثنا عشریہ اور اسمعیلیہ کے نظریات کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ باب اول میں شیعہ کے لغوی و اصطلاحی معانی اور اس کا مفہوم، شیعیت کا آغاز، شیعیت میں فرقہ بندی کے اسباب، شیعہ اثنا عشری اور شیعہ اسماعیلی کا تعارفی جائزہ پیش کیا گیا ہے جبکہ باب دوم میں عقیدہ امامت کا ایک تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ شیعہ امامت کے ثبوت کے لئے عصمت اور منصوص من اللہ کے قائل ہیں۔ اس لئے اس باب میں ان دونوں موضوعات پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ تیسرے باب میں امام کے مصداق پر اثنا عشری اور اسماعیلی کے نظریات کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں شیعہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ کے نظریہ امامت پر پیدا ہونے والے اختلافات پر بحث کی گئی ہے۔ قدیم شیعہ فرقوں کے نظریہ کے مطابق حضرت علی سے حضرت جعفر صادق تک کی امامت پر کوئی اختلاف نظر نہیں آتا جبکہ موجودہ شیعہ فرقوں میں امام کے مصداق پر اختلافات موجود ہیں۔ شیعہ اثنا عشریہ حضرت علی بن ابی طالب، شیعہ اسماعیلیہ

## تلخیص المطالب

## نص امامت

مستعالیہ حضرت حسن بن علی، شیعہ اسماعیلیہ نزاریہ حضرت حسین بن علی کو امام اول قرار دیتے ہیں نیز جعفر صادق کی نیابت پر اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ کے نظریات کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے جس کے مطابق شیعہ اثنا عشریہ حضرت موسیٰ کاظم کو حضرت جعفر صادق کا قائم مقام مانتے ہیں تو دوسری طرف شیعہ اسماعیلیہ حضرت اسماعیل کو حضرت جعفر صادق کا جانشین تصور کرتے ہیں۔ اسی تناظر میں حضرت محمد باقر و حضرت جعفر صادق کے شاگردوں کے امامت کے حوالے سے نظریات پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں تاریخی تناظر میں اس بات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے کہ مذہب اسماعیلیہ میں نظریہ امامت پر اختلاف کہاں اور کیوں پیدا ہوا جس کی وجہ سے مذہب اسماعیلیہ ہمیشہ کے لئے مستعالیہ اور نزاریہ میں تقسیم ہوگئی۔ باب چہارم میں غیبت صغریٰ اور کبریٰ کے ادوار ثلاثہ یعنی کشف، فطرت اور ستر سے تقابل کرتے ہوئے نظریہ مہدویت کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ مذہب تشیع کے فرقوں میں امام مہدی کے مصداق میں اختلاف نظر آتا ہے۔ شیعہ اثنا عشری حضرت محمد بن عسکری کو امام مہدی تصور کرتے ہیں تو شیعہ اسماعیلیہ نزاریہ حضرت عبداللہ المہدی کو امام مہدی کا درجہ دیتے ہیں جبکہ شیعہ اسماعیلیہ مستعالیہ حضرت طیب کو امام مہدی قرار دیتے ہیں۔ باب پنجم میں امام کے اختیارات اور وظائف کے حوالے سے شیعہ اثنا عشری اور اسماعیلی کے نظریات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ مذہب اسماعیلیہ کے نزدیک امام کا تقرر اللہ کی معرفت کیلئے واجب ہے اور شیعہ اثنا عشریہ کے نزدیک قوانین شرع کی محافظت کیلئے امام کا تقرر واجب ہے۔ مذہب شیعہ اسماعیلیہ کے نزدیک شریعت خود کچھ نہیں بلکہ امام کی معرفت ہی شریعت کہلائے گی جبکہ اثنا عشریہ



## تلخیص المطالب

### نص امامت

میں شریعت کی تکمیل خود رسول اکرم کی حیات میں ہو چکی ہے امام اپنے زمانے میں اس کا اجرا کرتا ہے۔

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ عقیدہ امامت شیعہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ کا بنیادی عقیدہ ہے۔ نظریہ امامت میں تسلسل و تعداد اور وظائف و اختیارات جیسے موضوعات میں ان دونوں فرقوں میں اختلافات پائے جاتے ہیں، دوسری طرف امام کا معصوم عن الخطاء، منصوص من اللہ، قریش ہاشمی، حجت خدا، اپنے زمانے میں ہر طرح سے افضل ہونا اور دیگر شرائط میں شیعہ اثنا عشری اور اسماعیلی ہم نظریہ ہیں اور دونوں فرقے نظریہ امامت کو دین کے اساسی عقائد میں سے قرار دیتے ہیں۔



## کتابیات

(اردو)

- (۱) اسماعیلی تاریخ، دیدار علی، شیعہ امامیہ اسماعیلیہ ایسوسی ایشن گارڈن ایسٹ کراچی
- (۲) اسماعیلی تاریخ کا ایک مختصر جائزہ، فرہاد دفتری، ایس ایم پرنٹرز، پاکستان چوک، کراچی، سن اشاعت ۲۰۰۴ء
- (۳) اسماعیلی تاریخ و عقائد، ڈاکٹر فرہاد دفتری، مترجم ڈاکٹر عزیز اللہ نجیب، اقبال برادرز پبلشرز پاکستان چوک، کراچی
- (۴) اہل بیت قرآن و سنت کی روشنی میں، رے شہری، محمد محمدی، موسسہ امام المنظر چاپ ۱۳۸۲، قم
- (۵) اسلام میرے موروثوں کا مذہب، آغا خان (سوم)، شیعہ امامی اسماعیلی طریقہ اینڈ ریلیجیوس بورڈ پاکستان



## ﴿نص امامت﴾

## کتابیات (اردو)

- (۶) اثبات امامت، مجلسی محمد باقر، ص ۱۰، مترجم بشارت حسین کامل مرزا پوری، مجلس علمی اسلامی، پاکستان
- (۷) اصول عقائد، شیرازی، ناصر مکارم، معارف اسلام پبلیشرز، تاریخ اشاعت ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ، قم
- (۸) اسلام کے بنیادی عقائد، موسوی لاری سید محبتی، ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ، الہادی پریس قم
- (۹) امت اور امامت، شریعتی ڈاکٹر علی، ادارہ ن والقلم ۲۰۰۰ء
- (۱۰) احوال الانبیاء، سید علی عزت علی، ناشر حسنی اکیڈمی سوسائٹی کراچی، ۱۹۹۰ء
- (۱۱) الکوش فی تفسیر القرآن، شیخ محسن علی نجفی، الکوش یونیورسٹی اسلام آباد
- (۱۲) تفہیم القرآن، مودودی، سید ابوالاعلیٰ، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، جولائی ۲۰۰۵
- (۱۳) پاسدران اسلام، طباطبائی، محمد حسین، جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان، تاریخ ندارد
- (۱۴) تاریخ فاطمین مصر، زاہد علی ڈاکٹر نفیس اکیڈمی، کراچی، سن اشاعت ۱۹۷۳ء
- (۱۵) تاریخ ائمہ اسماعیلیہ، مسرز واہر موہر، شیعہ امامی اسماعیلی طریقہ اینڈ ریلچس بورڈ، کراچی، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء



﴿نص امامت﴾

کتابیات (اردو)

(۱۶) تفسیر نمونہ، مکارم شیرازی، مصباح القرآن ٹرسٹ، تاریخ اشاعت

ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ، پاکستان

(۱۷) ثقلین سہ ماہی، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸ء، عالمی مجلس اہل بیت پوسٹ بکس

نمبر ۱۶۱۳ اسلام آباد

(۱۸) حضرت عثمان تاریخ اور سیاست کی روشنی میں، طہ، ڈاکٹر حسین، نفیس

ایڈمی اردو بازار کراچی، طبع ششم فروری ۱۹۸۹ء

(۱۹) حضرت علی تاریخ اور سیاست کی روشنی میں، طہ، ڈاکٹر حسین، نفیس ایڈمی

اردو بازار کراچی، طبع ششم فروری ۱۹۸۹ء

(۲۰) دعائم الاسلام، قاضی النعمان، شائع کردہ ادارہ ادبیات فاطمی بدری

روڈ سورت نمبر ۲

(۲۱) سیرت مصطفیٰ، ہاشم معروف حسنی، جامعہ تعلیمات اسلامی، کراچی، پاکستان

(۲۲) سیرۃ الامام جعفر الصادق (ع)، الشاکری، حسین، نشر الہادی، الطبعة:

الاولی، سنۃ الطبع: ۱۴۱۷ھ-ق، قم

(۲۳) سلسلہ نور امامت، ہنزائی، نصیر الدین، خانہ حکمت، اے نور ویلا، ۲۶۹

گارڈن ویسٹ، کراچی

(۲۴) شیعیت کا مقدمہ، الایمنی حسین، کریم پبلیکیشنز اردو بازار



## ﴿نص امامت﴾

## کتابیات (اردو)

(۲۵) علوم القرآن، تقی عثمانی، محمد، مکتبہ دارالعلوم کراچی، شوال ۱۴۲۶ھ بمطابق

دسمبر ۲۰۰۵ء

(۲۶) فجر الاسلام، امین مصری، احمد، فصل دوم، الکریم مارکیٹ اردو بازار،

لاہور، سن اشاعت ۲۰۰۳ء

(۲۷) القول المعتبر فی امام المنتظر، محمد طاہر القادری، مارچ ۲۰۰۲ء

منہاج القرآن پبلیکیشنز، ماڈل ٹاؤن لاہور

(۲۸) کمال الدین و تمام النعمۃ، صدوق، ابی جعفر محمد بن علی بابویہ قمی،

گروہ مترجمین، الکساء پبلیشرز کراچی، ۱۴۲۳ھ

(۲۹) کتاب الارشاد، شیخ مفید، تذکرۃ الاطہار، امامیہ پبلیکیشنز اسلام پورہ،

لاہور، اشاعت سوئم ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ

(۳۰) کتاب الاختیار، ڈاکٹر عزیز اللہ نجیب، Z.A. پرنٹر کراچی، ۲۰۰۵ء

(۳۱) مذاہب الاسلام، رامپوری، مولوی محمد نجم الغنی خاں، ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

اردو بازار لاہور، سنہ طباعت ۱۹۹۰

(۳۲) مقدمہ ابن خلدون، علامہ ابن خلدون، ناشر میر محمد کتب خانہ مرکز علم

وادب آرام باغ، کراچی تاریخ اشاعت ندارد

(۳۳) نقوش عصمت، علامہ ذیشان حیدر جوادی، جوادی، تنظیم المکاتب،



﴿نص امامت﴾

کتابیات (اردو)

لکھنؤ، ۱۹۹۶ء

(۳۴) نہج البلاغہ، علامہ السید الشریف، ترجمہ و تشریح علامہ ذیشان حیدر جوادی،

تنظیم الکاتب، لکھنؤ، ۱۹۹۸ء

(۳۵) وجہ دین، خسرو، پیر ناصر، دانشگاه خانہ حکمت، نورویلا گارڈن ویسٹ،

کراچی، تاریخ اشاعت ندارد

(۳۶) ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام، زاہد علی ڈاکٹر، مکتبہ

بینات، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

(عربی)

(۳۷) القرآن الکریم

(۳۸) اعیان الشیعہ، محسن الامین السید، دارالتعارف للمطبوعات،

بیروت، ۱۴۰۶ھ

(۳۹) اعلام الهدایہ، لجنة التالیف، النشر للمجمع العامی لاهل

البيت، الطبعة الثالثة ۱۴۲۷، ۵ ق

(۴۰) اَعْلَامُ النُّبُوَّةِ، ابو حاتم الرازی، تحقیق و ترجمہ اقبال برادرز، پاکستان

چوک، کراچی، سن اشاعت ۱۹۹۸ء

(۴۱) اصول کافی، محمد یعقوب کلینی، المکتبۃ الشاملة، w.shamela.ws



﴿نص امامت﴾

کتابیات (اردو)

(۴۲) اساس التاویل، قاضی نعمان، تمیمی مغربی، منشورات

دار الثقافة، بیروت

(۴۳) اوائل المقالات، شیخ مفید محمد بن النعمان، المکتبہ العالمیة الالفیة المفید مھر،

الاولی ۱۴۱۳ھ

(۴۴) اعتقادات، صدوق، ابو جعفر محمد بن علی بابویه، ناشر البلاغ المبین، تاریخ طبع

جنوری ۲۰۰۶ء، اسلام آباد

(۴۵) بحوث فی الملل والنحل، آیت اللہ جعفر سبحانی، موسسہ امام جعفر صادق، قم،

۱۴۱۸ھ، ق

(۴۶) بحار الأنوار، المجلسی، الشیخ محمد باقر، مؤسسة الوفاء

بیروت

(۴۷) تاریخ شیعہ، علامہ محمد حسین مظفر، دفتر فرہنگ اسلامی، قم، ۱۳۷۹ھ

(۴۸) تجرید مع القول السدید فی شرح التجرید، خواجه نصیر الدین، مطبعة الآداب

فی النجف الاشرف، مطبعة الشہداء، ۱۴۰۱ھ

(۴۹) تفسیر ابن کثیر، ابن کثیر حافظ عماد الدین ابوالفداء، حدیثیہ پبلیکیشنز، اردو

بازار لاہور

(۵۰) تعلیقہ اختیار معرفتہ الرجال، طوسی، شیخ الطائفہ ابی جعفر، نشر موسسہ آل



﴿نص امامت﴾

کتابیات (اردو)

البيت قم، تاريخ الطبع ۲۰۲

(۵۱) الجامع الصحيح المختصر (صحیح بخاری)، البخاری، محمد بن اسماعیل،

دار ابن کثیر، بیروت، الطبعة، ۱۴۰۷ھ

(۵۲) صحیح مسلم، مسلم بن حجاج القشیری،، المکتبة الشاملة،

<http://www.shamela.ws>

(۵۳) النخال، صدوق، ابی جعفر محمد بن علی بابویه القمی، مؤسسة النشر الاسلامی

التابعة الجماعة المدرسين قم

(۵۴) رسائل اخوان الصفا و خلافا لوفاء - مرکز النشر، مکتب الاعلام

الاسلامی، قم، تاريخ النشر الاولی ۱۴۰۵ھ

(۵۵) سنن الترمذی، الترمذی، محمد بن عیسی،، المکتبة الشاملة،

<http://www.shamela.ws>

(۵۶) الشیعة فی الاسلام، طباطبائی، محمد حسین، مؤسسة مطبوعات اسماعیلیان،

قم، ۱۳۹۳ھ

(۵۷) الشیعة فی المیزان، جواد مغنیه، نشر دار التعارف للمطبوعات، سال نشر ۱۳۹۹ھ

بیروت

(۵۸) الشیخ والشیع، جواد مغنیه، نشر دار التعارف للمطبوعات، سال نشر ۱۳۹۹ھ



بیروت

(۵۹) الشیعة فی احکامهم وعقائدہم، قزوینی، سید امیر محمد کاظمی، جامعۃ  
العلوم الاسلامیہ کراچی، ۱۴۰۷ھ

(۶۰) شرح اصول کافی، مولی محمد صالح، المکتبۃ الشاملة،

<http://www.shamela.ws>

(۶۱) شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، تدوین محمد ابوالفضل ابراہیم،  
قاہرہ، ۱۹۵۹ء

(۶۲) الشیعة والاسماعیلیہ، طاہر، شیخ سلیمان، الدار الاسلامیہ للطباعة و  
النشر والتوزیع، ۲۰۰۲م/۱۴۲۳ھ

(۶۳) زاد المسافرین، انتشارات کتب فروشی، تہران، ۱۹۵۲ء

(۶۴) فرق الشیعة، نوبختی، ابی محمد الحسن بن موسی، مطبعة الحیدریہ، نجف، ۱۹۶۹م

(۶۵) الفرق بن الفرق، بغدادی، عبدالقادر بن طاہر، دار المعرفة بیروت،

لبنان ۲۰۰۳ء

(۶۶) فضائح الباطنیہ، غزالی، ابو حامد، ناشر الدار القویۃ للطباعة والنشر القاہرہ،

۱۳۸۳ھ

(۶۷) وسائل الشیعة الی تحصیل مسائل الشریعة، الشیخ محمد بن الحسن



﴿نص امامت﴾

کتابیات (اردو)

الحُر العالمی، مؤسّسة آل البيت لاحیاء التراث

(۶۸) کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال، علاء الدین علی بن حسام

الدین، مؤسّسة الرسالة، الطبعة، ۱۴۰۱ھ مدینہ

(۶۹) کتاب المقالات والفرق، سعد بن عبد اللہ ابی خلف القحی، مرکز

انتشارات علمی وفرہنگی، قم، ۱۳۶۱ء

(۷۰) کتاب الألفین، علامہ حلی، سلسلۃ الکتب العقائدیہ، المکتبۃ الشاملۃ،

www.shalela.ws

(۷۱) المنجد، لويس معلوف، المطبعة الكاثوليكية، بيروت، سن

اشاعت ۱۹۵۲ء

(۷۲) المذاهب الاسلامیہ، آیت اللہ جعفر سبحانی، طباعت ۱۴۲۳ھ، موسسہ امام

صادق، قم

(۷۳) مسند احمد بن حنبل، حنبل، احمد، مطبوعہ مصر ۳۱۳ھ

(۷۴) الملل والنحل، شہرستانی، ابی الفتح محمد بن عبد الکریم، دارالمعرفۃ للطباعة و

النشر، ۱۳۹۵ھ، بیروت

(۷۵) المقالات والفرق، الاشعری، سعد بن عبد اللہ ابی خلف مرکز انتشارات

وفرہنگی، ایران، چاپ دوم ۱۳۶۰





﴿نص امامت﴾

کتابیات (اردو)

(۷۶) نظریۃ الامامة لدى الشيعة الاثني عشرية، صبحی، دکتور احمد محمود،

دار النطقۃ العربیۃ للطباعة والنشر، بیروت، ۱۴۱۱ھ

﴿فارسی﴾

(۷۷) سیرۃ الائمة، مہدی البشیرائی، المطبعة موسیۃ الامام الصادق، قم

(۷۸) شیعه شناسی و پاسخ به شبہات، علی اصغر رضوانی، نشر مشعر،

کتابخانہ ملی، ایران، نوبت چاپ ۱۳۸۴

(۷۹) عبداللہ بن سبا و افسانہ های تاریخی دیگر، علامہ سید مرتضیٰ

عسکری، طبع صفر ۱۳۲۷ھ، مجمع جهانی اہل بیت، قم

(۸۰) فرق و مذاہب کلامی، علی ربانی گلپایگانی،

(۸۱) شرح کشف المراد، علی محمدی، ناشر انتشارات دار الفکر، قم، ۱۳۸۲

(۸۲) امامت و عصمت امامان در قرآن، رضا کاردان، مجمع

جهانی اہل بیت، ۱۳۸۸ ش

## ENGLISH BOOKS

(83) Ivanow, w. Ismaili Literature. Tehran University

Press. 1963

(84) The Ismailis (their history and doctrines) Farhad

﴿نص امامت﴾

کتابیات (اردو)

Daftary, Cambridge University Press, new York,  
1992

(85) A Short History of The Ismailis, Farhad Daftary,  
Edinburgh University Press. 1998

(86) A Socio-Intellectual History of the Isna 'Ashari  
Shai'is in India, Saiyid Athar Abbas Rizvi.  
Ma'rifat Publishing House. Canberra, Astrulia.  
1986

(87) The Origin and early development of Shia' Islam,  
Dr Syed Husain Jafery

(88) <http://www.shamela.ws>

